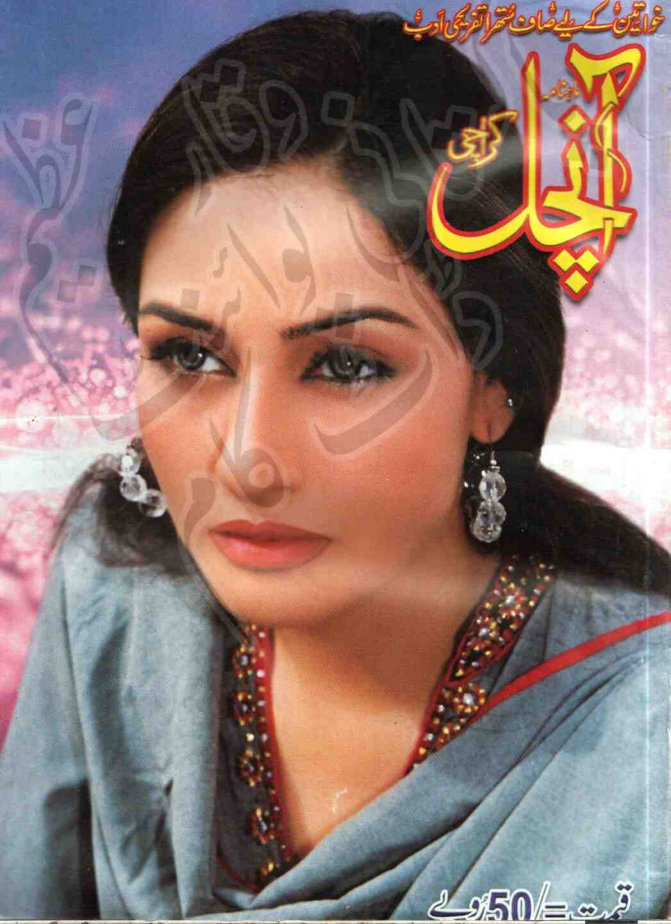


خواتین کے لیے خاص ستر افریقی ادب

# پچل کرچی



قیمت = 50 روپے



سردوق: صباقر..... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: امجد صدیقی

### مستقل سلسلے

- |     |             |     |               |                   |                 |
|-----|-------------|-----|---------------|-------------------|-----------------|
| 234 | جویریہ طاہر | 215 | یادگار لمحے   | حافظ شبیر احمد    | خانی مساک کا حل |
| 239 | شہلا عامر   | 219 | آئینہ         | ہیوڈاکٹر ہاشم ہزا | آپ کی صحت       |
| 246 | ہما احمد    | 223 | دوست کا پیغام | طلعت انوار        | دش مقابلہ       |
| 252 | شمالہ کاشف  | 226 | ہم سے پوچھئے  | روبین احمد        | بیوٹی گائیڈ     |
| 255 | حناء احمد   | 228 | کام کی باتیں  | ایمان وقار        | عزیز نظمی       |
| 257 | لبابہ احمد  | 232 | تندرتی نعمت   | میمونہ تاج        | بیاض دل         |

ادوات: کتابخانہ عالمہ پبلشرز سروس 75 لاکھ 74200 فون نمبر 2/021-35620771  
 فکس: 021-35620773 کیا مطبوعات کے لئے جلی شیز نیٹ ویل Info@aanachal.com.pk

### ادبی مشاعرہ

- |    |             |          |
|----|-------------|----------|
| 10 | مدیر        | سرگوشیاں |
| 11 | حفیظ تائب   | جہد      |
| 11 | انرجول پوری | نعت      |
| 12 | مدیر        | درخواب   |

- |    |       |                |
|----|-------|----------------|
| 25 | ادارہ | افراء غیر احمد |
|----|-------|----------------|

- |    |                |           |
|----|----------------|-----------|
| 36 | نایب فاطمہ ضری | اسیر محبت |
|----|----------------|-----------|

- |     |           |                |
|-----|-----------|----------------|
| 114 | صائمہ خیں | جیتون منزل عشق |
|-----|-----------|----------------|

- |    |            |                           |
|----|------------|---------------------------|
| 20 | ملیمہ احمد | نورین فاطمہ / امانیہ کران |
|----|------------|---------------------------|

- |    |               |          |
|----|---------------|----------|
| 66 | تحسینہ انصاری | رنگ گلاب |
|----|---------------|----------|

- |    |       |               |
|----|-------|---------------|
| 30 | ادارہ | آنچل کے ہمراہ |
|----|-------|---------------|

- |     |          |        |
|-----|----------|--------|
| 160 | راحت وفا | صبح نو |
|-----|----------|--------|

- |     |        |      |
|-----|--------|------|
| 172 | امرمیم | آگہی |
|-----|--------|------|

- |     |           |     |              |
|-----|-----------|-----|--------------|
| 206 | عقلمع حق  | 86  | عشاقا کھرسور |
| 212 | رافعہ ملک | 182 | نالیہ لڑائی  |

پیشکش: شتاق احمد فیسٹوریل پرنٹرز سلسلہ حسن مطبوعہ آئن سن پرنٹنگ پرس ہائی اسٹیڈیم کراچی  
 فیسٹوریل پرنٹرز سلسلہ حسن مطبوعہ عبداللہ باران روڈ کراچی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کو ہدایت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے مل جتنا ثواب ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان کو ملے گا جو اس کے دلوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے مل جتنا کافروں کے ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔" (بخاری، مسلم)

## سرگوشیاں

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جون ۲۰۱۲ء کا آچل حاضر ملاحظہ ہے۔

گرمی اپنے شباب پر ہے اس بار ملک بھر میں درجہ حرارت انتہائی درجہ کو چھو رہا ہے۔ آگے آگے دیکھے ہوتا ہے کیا۔ درجہ حرارت میں اضافے کے ساتھ ساتھ بجلی کی لوڈ شیڈنگ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ پچھلے شمارے میں بھی بجلی کا رونا رویا تھا اب مسئلہ مزید پیچیدہ اور کام کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہم سب کو اس دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کام اور اعمال کو موقع دے اور ہمیں اس عذاب سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

میں اپنی تمام بہنوں کی شکر ابرہوں کہ آپ کی پسندیدگی ہی ہمارا حاصل برحق ہے۔ آگے اور آگے کی طرف لے چلتی ہے۔ سالگرہ نمبر کی پسندیدگی کے لیے میں تمام قاری اور لکھاری، بہنوں کی بھی شکر گزار ہوں کہ ان کے تعاون کے باعث ہی آج کل کو جانے سنوارنے کے بعد آپ تک پہنچنا ممکن ہوا۔ ان شاء اللہ! سندرہ بھی آپ تمام قارئین، بہنیں اپنی پسندیدہ مصطفیٰ کی تحریریں پڑھیں گی۔ ہر ماہ آچل کو جانے سنوارنے میں آپ کی آراء اور مشوروں سے بڑی روشنی ملتی ہے۔ آپ کی ہی رہنمائی سے ہمارے لیے ممکن ہوتا ہے کہ آپ کی پسند کے مطابق آچل کو ترتیب دے سکیں۔

آج کل میں کچھ اہم تبدیلیاں آپ کے مشوروں کی روشنی میں جاری ہیں امید ہے کہ آپ کو پسند آئیں گی۔

اس ماہ کے ستارے۔

"اسیر محبت"۔ یادِ قاضی رضوی محبت کے اسیروں کی داستان بیان کر رہی ہیں مکمل ناول کی صورت میں۔

"بی بیوں منزل عشق"۔ صاحبزادہ بی بی ایک بیٹی ہوتی لکھاری ہیں بی بی بلال شریک محفل ہیں ایک بہترین مکمل ناول کے ساتھ۔

"رنگ گلاب"۔ حسین انجم انصاری کا ناول۔

"صبح کو رات دفا"۔ آئی ایم ایم۔ انسان بندہ اور کثیرا عقیدہ حق کے افسانے۔

"زم زم"۔ رافعہ ملک پہلی بار مختصر افسانے کے ساتھ شریک محفل ہو رہی ہیں۔

ماہ جولائی کا شمار رمضان میں آچل اور ماہ اگست کا غیر نمبر ہوگا کیونکہ ٹوٹ فرمایاں۔

ماہ جولائی کے ستارے۔ میرا شریف طوڑ سندس بینین عقیدہ ملک اور بھی آپ کی پسندیدہ دیگر مصنفین کی دلچسپ تحریریں۔

نوٹ۔ ہم بہنوں سے بار بار کہتے رہے ہیں کہ ہر سلسلے میں شرکت کے لیے الگ صفحہ استعمال کریں اور اس سلسلے پر اپنا نام اور شہر نام لکھا کریں مگر بہت سی بہنیں ایک ہی صفحہ پر تمام سکلوں کے بارے میں لکھ کر بھیج دیتی ہیں جس سے سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے۔

دعا گو قیصر آرا

## حکم و ملامت

## نعتِ آیت

یاب ثنا میں کعب کی دلکش ادا لے  
خدا کے غیر کے آگے کبھی سوال نہ کر  
نفتوں کی دوپہر میں سکوں کی ریا لے  
نہی ﷺ پاک کی سنت میں کتنی راحت ہے  
حسان کا شکوہ بیلا مجھ کو ہو عطا  
کھرچ کھرچ کے تو مجروح اپنے گال نہ کر  
انجید جبریل بوقتِ ثناء لے  
تجھے عزیز بنادے گا رب العزت خود  
بصیرتِ عظیم کا ہوں میں بھی مقتدی  
شعارِ دین میں ذلت کا احتمال نہ کر  
بیاریِ الم سے مجھے بھی شفا لے  
خدا کے پیاروں کی صورت میں ڈھال لے خود کو  
جائی کا جذبہ لہجہ قدسی نصیب ہو  
خدا کے غیر کی مانند چال ڈھال نہ کر  
حدیث کا صدقہ شعر کو اذن بقا لے  
نہ اپنی ریش کو ہر صبح نالیوں میں بہا  
مجھ کو عطا ہو زور بیانِ ظفر  
مرے حضور ﷺ کی سنت کو پال نہ کر  
حسن کی ندرتوں سے مرا سلسلہ لے  
حصولِ دولت دنیا میں بھی قناعت ہو  
حالی کے درو سے ہو مرا فکر استوار  
فقط تو دین کے کاموں میں اعتدال نہ کر  
ادراکِ خاص حضرتِ اقبال کا لے  
متاعِ زیت کو اپنے دیال نہ کر  
جو مدحِ نبی ﷺ میں رہا ہر مراد و شاد  
خداے پاک کی اطاعت میں بھی ہنر دکھا  
اس کاروانِ شوق سے تائب بھی جا لے  
بس ایک مال کمانے میں ہی کمال نہ کر  
حفظِ تائب  
اثر جون پوری



# حجواب آب

مدہ

**انعم خیان..... ہری پور ہزارہ**

جنہذا برادر بھتیگی سلامت رہو! آپ کے گلے شکوے اپنی جگہ بجا مگر ڈاک کی بدانتظامی کی وجہ سے جب آپ کی کوئی چیز نہیں موصول ہی نہیں ہوئی تو ہم اس کو شائع کیسے کریں گے؟ آپ کی جب جب جو بھی چیز موصول ہوتی ہے ہم کو شائع کرتے ہیں کہ اسی ماہ شائع کریں۔ آپ کی دونوں کہانیاں منتخب ہوئی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی شائع بھی کر دیں گے۔ اب امید ہے کہ آپ کے تمام شکوے دور ہو چکے ہوں گے۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین

**سعیدہ نواز..... سرگودھا**

ذیر سعیدہ خوش رہو! شکایتوں بھرا خط موصول ہوا۔ پڑھ کر آپ کی پریشانی کا اندازہ ہوا۔ آپ کی کہانی ”دشمن تیرا دیوا کی میری“ پڑھ لی گئی ہے اور قابل اشاعت بھی ہے۔ ان شاء اللہ جلد شائع بھی کر دیا جائے گا۔ امید ہے کہ اب آپ کی شکایات دور ہو گئی ہوں گی۔ آپ کی غزل اور دیگر چیزیں متعلقہ شعبہ جات کو بھیج دی گئی ہیں۔ ہمارے لیے تمام باتیں یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ ہمارے لیے کوئی خصوصی اہمیت نہیں رکھتا۔ آپ نے بے غلط سوچا۔ دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کو امتحان میں کامیاب فرمائے۔ آمین

**ام کلثوم دائے..... اختر آباد، اوکاڑہ**  
پیارے کلثوم سلامت رہو! پہلی بار آمد پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ اپنے افسانے بھیج سکتی ہیں۔ مگر اس کے لیے اسی سلسلے کے آخر میں لگے پاس کو بھور

پڑھ لیجیے گا اور اس کے مطابق اپنی کہانی لکھ کر بھیج دیجیے گا۔ آپ کی غزلیں نظمیں اور دیگر چیزیں متعلقہ شعبوں میں بھیج دی گئی ہیں۔ اگر معیاری ہوں تو ضرور شائع ہو جائیں گی۔

**عتیقہ ملک..... نامعلوم**

ذیر عتیقہ سدا خوش رہو! آپ کی کہانی لکھی گئی ہے اور جلد ہی قریبی اشاعت میں دیکھ سکیں گی۔ آپ کا نام خاتون کے رسالوں میں جانا تا ہے۔ آپ آجمل میں پہلی بار شرکت پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ کا اسی تعاون آجمل کو میسر رہے گا۔ آپ نے کہانی پر اپنا مکمل پتہ تحریر نہیں کیا اور جو فون نمبر آپ نے لکھا تھا وہ بھی مکمل نہیں ہے۔ تو جلد از جلد اپنے مکمل ہے اور فون نمبر سے ارادے کو آگاہ کریں۔ اللہ آپ کی شکلات کو آسانی میں تبدیل فرمائے۔ آمین

**کومل دیاب..... لاہور**

پیارے رباب سدا خوش رہو! پہلی بار شرکت پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ اپنی کہانی لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔ لیکن اس کے لیے طویلہ کار بتایا گیا ہے اس کے مطابق اپنی کہانی پر مبر فرما کر ادارے کو ارسال کر سکتے ہیں۔ تعارف باری آنے پر شائع کر دیا جائے گا اور آپ کی غزل متعلقہ شعبہ کو ارسال کر دی گئی ہے۔ دعاؤں کو اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

**مسز نگت غفار..... کراچی**

ذیر نگت خوش رہو! آپ کی کہانی لکھی گئی ہے۔ مگر ابھی پڑھی نہیں گئی جلد ہی پڑھ کر اہمیت یافتہ پر آپ کو جواب دے دیا جائے گا۔ دونوں سالگرہ نمبرز پسند کرنے کا شکریہ دے دیا گا کہ آپ کی پریکٹیشن دور فرما کر آسانی والا ملا دیا فرمائے اور آپ کو اشتیاق اور تندرستی عطا فرمائے۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

**مسز فیصیحہ آصف خان..... ملتان**

پیارے فیصیحہ سدا خوش رہو! آپ کا نام آجمل کے صفحات اور قارئین کے لیے کوئی نیا نہیں۔ آپ گاہے گاہے آجمل میں لکھتی رہی ہیں۔ آپ کی تازہ ترین تخلیق موصول ہوئی ہے۔ جلد ہی پڑھ کر آپ کو بتا دیں گے۔ آجمل کا سالگرہ نمبرز پسند کرنے کا شکریہ یہ سب آپ بہنوں کی محبت اور فوج کا نتیجہ ہے کہ آجمل آج اس مقام پر ہے۔ ان شاء اللہ ہماری کوشش ہے کہ اس کو بہتر سے بہتر کریں کی طرف لے جائیں دعا کے لیے جزاک اللہ

**نورین شفیع..... ملتان**

گڑیا نورین سدا خوش رہو! آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو آپ کے بھائی کی واپسی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سب پر اپنا خاص کرم فرما کر آپ کے گمشدہ بھائی کو واپس ملوایا ہے۔ آپ نے سچ کہا کہ ماں کی دعا میں بھی ریاکاری نہیں جاتیں۔ ہم آپ کی والدہ کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کے تمام دکھ اور تکالیف کو راحت و سکون میں بدل دے۔ آمین

**فوزیہ سعید..... ملتان**

اچھی فوزیہ خوش رہو! ہر اچھی کہانی اپنی جگہ آپ بناتی ہے۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور کچھ فوجی سی محبت اور کوششوں کے ساتھ کریں تو آپ اور کچھ بھی بہتر لکھ سکتی ہیں۔ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور دیگر مشہور لکھارہوں کی کہانیوں کو بغور پڑھتی ہیں۔ جس سے آپ کے قلم میں مزید نکھار پیدا ہو سکتا ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ

**زاهدہ ملک..... دیپالپور**

لاڈل زاهدہ خوش رہو! دعا گو ہیں کہ اللہ آپ کو ہر امتحان اور میدان میں کامیابی اور کرامتی عطا فرمائے آمین۔ آپ کی نظمیں متعلقہ شعبے تک بھیج دی گئی ہیں اگر قابل اشاعت ہوں تو ضرور شائع ہو جائیں۔ دوست کے پیغام میں جتنے پیغام ہر ماہ وصول

ہوتے ہیں وہ شائع کر دیے جاتے ہیں۔ جو کہیں ملتے ان سے ڈاک خانے والے اپنا پتہ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کے لیے ادارہ بے بس ہے۔ جہاں تک تعارف کی بات ہے تو وہ باری آنے پر ہی شائع ہوتا ہے ان شاء اللہ امید کریں کہ جلد از جلد آپ کا تعارف شائع ہو جائے گا۔ امید ہے کہ آپ کی شکایات دور ہو چکی ہوں اور آپ کے حکم کی تعمیل میں جواب حاضر ہے۔ دعاؤں کے لیے اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

**بنیٰ نذیر چوہدری..... کوٹ رادھا کشن**

پیارے بنیٰ خوش رہو! آپ کا نام آجمل کے لیے کوئی نیا نہیں ہے۔ آپ جب جاباں کہانی لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔ اس کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے۔ آپ کی کتابوں کا سن کر بہت خوشی ہوئی اور بے ساختہ دل سے دعا لگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابی اور ترقی عطا فرمائے۔ ہم آپ کی کہانی کے منتظر رہیں گے۔ جزاک اللہ شہر۔

**رخسانہ اقبال..... قائد آباد، خوشاب**

اچھی رخسانہ ہم آپ کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ آپ کی تمام مشکلات اور پریشانی دور فرما کر آسانی والا معاملہ فرامائے۔ آپ کے حالات زندگی پڑھ کر بس دعا ہی کی حاجت ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ارسال کر دیجئے پڑھ کر ہی بتایا جاسکتا ہے کہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ

**سوپرا شاہین..... پنڈی گھیب**

پیارے سوپرا بھتی خوش رہو! پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آجمل پر پند کرنے کا شکریہ یہ سب آپ کی محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ آجمل اس مقام تک پہنچا ہے۔ آپ آجمل کے ہر سلسلے میں بلا اجازت شرکت کر سکتے ہیں۔ آجمل کے صفحات آپ ہی بہنوں کے لیے ہیں۔ اللہ آپ کو امتحان میں کامیابی عطا فرمائے۔



دعاؤں کے لیے جڑائے خبر۔

کامیابی اور صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ آپ کی کہانی میں ابھی بہت کچن پنا ہے۔ اس کے لیے آپ کو سخت محنت، لگن اور مصداقی ضرورت ہے۔ اپنا مصداق وسیع کیجیے۔ دعاؤں کے لیے جڑاک اللہ۔

**عشرت محمد رمضان..... حیدر آباد**  
اچھی عشت خوش رہو! اپنی پہلی بار مد پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمارے لیے تمام ہی باتیں بہت محنت اور اہم ہیں۔ ہماری نظر میں کوئی بھی بہن بی بی گریڈ نہیں ہے سب کو برابری اہمیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے آپ کا خط ملا یہ نہیں تو ہم جواب کیسے دیتے۔ آپ کا خط پڑھ کر اس بات کا اندازہ ہوا کہ آپ مایوسی کا کھلاڑ ہیں ہم سب یہی نہیں کہ اللہ رب العزت نے جو اور صفت قدردانی یا جس طرح اس پر صبر شکر کرنا ایک مسلمان کا فرض ہے سے نکالیں۔ آپ اسے آپ کو مایوسی کے اندھیرے سے نکالیں۔ آپ آج کل کے پرسلے میں بلا اجازت شرکت کر سکتی ہیں لیکن اس کے لیے آپ کو ہر کام میں شرکت کے لیے ایک الگ صفحات استعمال کرنا ہوں گے۔ اگر آپ نے ایک ہی صفحے پر سب پڑھ لکھ کر بھیج دیا تو کسی بھی ایک سلسلے میں شرکت ہو پائے گی۔ باقی چیزیں ضائع ہو جائیں گی۔ اللہ آپ کو ہر میدان کی کامیابی و کامرانی عطا فرمائے آمین

**علیہ ملک جاوید..... لاہور**  
ذیبر عظیم سدا خوش رہو! آپ نے سچ کہا کہ ہمارے ملک کو چاروں اطراف سے مختلف مصائب گھیر رکھا ہے۔ مہنگائی کوڈ شیعہ گدشت گردی بے روزگاری اور نہ جانے کیا کچھ دیکھنا باقی ہے۔ اللہ سبحان تعالیٰ نے بس دعا اور استغفار کی کر سکتے ہیں۔ اللہ آپ کو ہر میدان میں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائے آپ اپنی تجارتی بتانے کے طریقہ کار کو اپنانے ہوئے ارسال کر سکتی ہیں۔ اگر قابل اشاعت ہویں تو اس میں مناسب کانت چھانٹ کر کے شائع کر دیا

مست رہیں رانچیت رہو! آپ کی تحریر میں ابھی اچھی صحت سلامت رہو! آپ کی تحریر میں ابھی بہت کچن پنا ہے۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔ آپ شہور نگاروں کی کہانیاں بغور پڑھیں اور ان سے سیکھیں کہ کس وقت اور کہاں کس طرح کی بات لکھنی ہے۔ ابھی آپ ایک اچھی نگار بن پائیں گی۔ تا امید کی کفر ہے صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اور اپنی خوشیاں جاری رکھیں ان شاء اللہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ بھی ایک اچھی نگار بن پائیں گی۔

**صبا نواز بھٹی..... سانگھڑ**  
ذیبر صبا سلامت رہو! آپ نے سچ کہا کہ فرحت آپا ہمارے لیے بہت محترم اور شفیق ہستی ہیں۔ ان کا ساتھ ہمارے لیے بہت اہم تھا۔ ان کی ہمدردی سے آپ پر آپ نے عمل کیا اور کامیابی پائی اللہ کی بارگاہ سے امید ہے کہ آئندہ بھی وہ آپ کی اسی طرح مدد فرماتا رہے گا۔ آپ اپنی کہانی بھیج دیجیے انہی صفحات کے آخر میں لگے پاس کی ہدایت کے مطابق۔ اللہ آپ کے والدین کو صحت و تندرستی عطا فرما کر ان کا سہا آپ کے سرور و تادیب پر قائم رکھے۔ جڑاک اللہ آمین

**سلمیٰ فہیمہ گل..... لاہور**  
پیاری گل سلامت رہو! آپ کی کہانی نکال کر اوپر رکھی گئی ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی شائع بھی کر دیں گے۔ ہر بار موصول ہونے والی اپنی سبب کو اللہ اشاعت کر دیا جاتا ہے۔ آپ کی جملہ اور ای میلز موصول ہوتی شائع ہوگی۔ اس کے قسط وار ناول کا بھی نمبر ان شاء اللہ جلد آجائے گا۔ امید ہے کہ آپ اپنا قیمتی تعاون ادارے سے قائم رکھیں گی۔ جڑاک اللہ۔

**وجیبہ یاسمین..... پساو پور**  
ذیبر یاسمین سلامت رہو! پہلی بار شریک محفل ہوئے پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ آپ کو استحسان میں

جائے گا۔ دعاؤں کے لیے جڑاک اللہ۔

**پروین افضل شاہین..... پساو پور**  
اچھی شاہین خوش رہو! آج کل کا ساگر نمبر پسند کرنے کا شری ہے۔ یہ سب باتیں آپ کی دعاؤں اور تعاون کے بغیر ناممکن ہوتی ہیں۔ آپ سے ایک درخواست ہے کہ آپ ہر کام میں شرکت کے لیے اس سلسلے کا ضرور دیکھا کریں۔ اس دفعہ آپ کی شرکت اس لیے نہ ہو سکی کہ آپ نے ایک ایک کام پر دو دو یا تھک گئے تھے امید ہے کہ آئندہ اس بات کا خاص خیال بنیں گی۔

**مشتکہ جوابات**  
**افقرا تبسم، اوکاڑہ ذیبر تبسم** ہمیشہ رہو! آپ کا نشانہ موصول ہو گیا ہے۔ مگر ابھی پڑھا نہیں گیا۔ جلد ہی پڑھ کر اپنی صفحات پر جواب دے دیا جائے گا۔  
**نادیدہ، شادنگر** پہلی بار مد پر خوش آمدید آپ کی غزل موصول ہو گئی ہے۔ اگر قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کی جائے گی۔  
**کنیزہ کھنول، چکوال** پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔ اسی میل ایڈریس آج کل میں موجود ہے۔  
**شہزادی عزیز، عبدالعظیم** پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آپ کے خط میں کوئی جواب طلب بات نہیں ہے۔  
**بشری مالا نور، کبوترہ** پہلی بار مد پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کا نشانہ موصول ہو گیا ہے جلد ہی جواب دے دیا جائے گا۔  
**فاطمہ عاشی، چمنک** ساگر نمبر پسند کرنے کا شری ہے آپ کی چیزیں مختلف شعبوں میں بھیج دی جاتی ہیں۔ ان کی قسمت کا فیصلہ معیار ہونے پر ہوتا ہے۔  
**جسسانہ افتخار، کراچی** پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آپ کی کہانی موصول ہوئی ہے جلد ہی پڑھ کر اپنی صفحات پر جواب دے دیا جائے گا۔  
**نمرہ افتخار، اختر آباد اوکاڑہ** آپ کی کوئی بھی تحریر اس لیے شامل اشاعت نہ ہو سکی کہ آپ نے سب ایک ہی صفحے پر لکھ کر بھیج دیا تھا۔  
**صائمہ احمد، سحر** گاندوں بھانڈا۔ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آپ کی لکھنے کا شری ہے۔  
**ایمن وفاق، چنلو** آپ کا خط دیر موصول ہوا اس لیے مشترکہ جواب میں شامل کیا جا رہا

ہے۔ اللہ آپ کے والدین کی مغفرت فرمائے اہم اعمال بوجھ کر کسی کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ہم آپ سے کیا کسی سے بھی ناراض نہیں ہوتے۔ دعاؤں کے لیے جڑاک اللہ شگفتہ خان، حلوال۔ کسی آپ سے بہت بڑھ کر ہر خوش شیر کر سکتی ہیں۔

**نقابیل اشاعت**  
اعجاز اعجاز محنت بدلتے رشتے، عشق کی پرتھیاں پکتی مچھلی ہو لکھ آج کی قسمت کے کھیل کھیلنے کی بات شیشہ استہاراجشن آزادی مبارک ایسا پیچھا دو بارہ نہ خدا کا انصاف شرد گرم۔

**تاخیر سے موصول ہونے والے خطوط**  
فریدی شیر، شاہ کلڈر، رانی اسلام، کوثر اوالہ۔ دیا آفرین، شاہدہ، شازیہ، چوہدری، کمرات، شفق رانچیت، گورہ، مارہ شیر، شاہ کوث۔ پاس چوہدری، فیصل آباد مکان، قصور، مکتوم، کراچی۔ عالیہ کٹی، کبوترہ، کل زریاب، لاہور۔ ارنج کل رانا، مظفر گڑھ۔ راجہ ملک، وہاہ کینٹ، شگفتہ خان، حلوال۔

مصنفین سے گزارش  
☆ مدود صاف خوش غلط نہیں۔ ہاشمہ گائیں صفی  
☆ ایک چاب اور ایک سچو محمد کرکس اور صفی نمبر ضرور لکھیں  
☆ اور اس کی نوکالی کرنا کرنا سے پاس کریں۔  
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔  
☆ کسی نگار کی باتیں نہیں پہلے افغان لکھیں پھر ناول یا ناول پر بھیج آزمانی کریں۔  
☆ نوٹو نوٹ کا تہاں قبول نہیں ہوگی۔  
☆ کوئی بھی تحریر نئی یا یاد دہانی سے تحریر کریں۔  
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا سبب نام یا خوشخط تحریر کریں۔  
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے ہمارے ڈسٹاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔

# امام اعظم ابوحنیفہ

مولف: مشتاق احمد قریشی

امام اعظمؒ اپنی تجارت میں حلال نفع کماتے اور اس نفع کا ایک بڑا حصہ سال بھر جمع کرتے رہتے اور سال پورا ہونے پر اس رقم کو شیوخ اور محدثین کی ضروریات زندگی ان کی خوراک و لباس اور دوسری چیزوں کی خریداری پر خرچ کیا کرتے تھے اور کچھ شرفیاء جن جالی میں تھے وہ شیوخ اور محدثین کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور ان کو تاکہ فرماتے کہ یہ رقم اپنی ضروریات میں خرچ کیجئے اور اللہ کے سوا کسی کا شکر ادا نہ کیجئے۔ میں نے اپنے مال سے کچھ نہیں دیا یہ بعض اہل فضل کے ہیں۔ (تاریخ بغداد)

ایک واقعہ انبیرات الحسنان میں اس طرح درج ہے کہ ایک بار آپؒ کی مجلس میں ایک شخص بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے آیا اور آپ کا ہم نشین ہو گیا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو آپؒ نے اس شخص کو مخاطب فرما کر کہا کہ زانچہرے درو جب وہ شخص اکیلا رہ گیا تو آپؒ نے اس سے کہا جانے نماز کا ٹھکانا اور جو اس کے پیچھے بڑا ہے لے جاؤ۔ اس شخص نے مضطرب ہو کر دیکھا تو اس کے پیچھے ایک ہزار درہم رکھے ہوئے تھے۔ امام صاحبؒ نے اسے کہا یہ درہم لے جاؤ اور اپنی حالت درست کرو۔ اس شخص نے کہا میں تو خوش حال آدمی ہوں اور اللہ کا دیا بہت کچھ بھیرے پاس ہے۔ مجھے ان درہموں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کیا تم نے یہ حدیث نہیں سنی۔ ”الذکوہ بات محبوب ہے کہ اس کی نعمتوں کا اثر بندے پر نظر آئے۔“ پس تمہیں چاہئے کہ تم اپنی حالت سنوار کر رکھو کہ تمہیں دیکھ کر تمہارا دوست کو صدمہ نہ ہو۔ (انبیرات الحسنان)

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے علم حدیث کے حصول کے لیے بے شمار شیوخ سے رجوع کیا اور بعض کبیرہ کے عہدوں کے مطابق امام ابوحنیفہؒ نے کم از کم چار بار ان خصوصیتوں سے احادیث روایت کی ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے ”تذکرہ افعالہ میں علامہ ابن یوسف صافحی و ذکی شافعی نے دعویٰ کیا ہے ان میں تین سو اسی نام امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ کے قہر کے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ بغداد تہذیب الکمال تہذیب الاسماء واللغات تذکرہ افعالہ شخص طبقات افعالہ تہذیب التہذیب الانساب سمعیانی، موطا امام محمدؒ، کتاب الانار امام محمدؒ میں امام اعظمؒ کے شیوخ کے اہمائی حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی علمی ترقی کا بڑا سبب ان کا بڑے بڑے اہل علم و کمال سے ملاقاتیں اور محبتیں تھیں جن کے لیے انہیں اکثر سفر کرنا پڑتا تھا۔ علامہ کرام سے ملنے اور علمی مجلسوں میں شریک ہونے کا امام صاحبؒ کو بڑا ہی شوق تھا۔

امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے: ”اصل امامت وہ ہے جو ہمیشہ طلب علم میں مشغول رہے اور جو شخص سمجھے کہ اب مجھے مزید علم کی ضرورت نہیں وہ علم نہیں حاصل ہے۔“ امام صاحبؒ نے اپنی زندگی میں روایات کے مطابق بیچن کے کئے وہ دن بولوغت پہنچنے کے بعد ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ امام صاحبؒ حج کے مناسک سے تقویٰ حاصل فرماتے اور دورانِ سفر دینی علوم حاصل کرنے کا بہترین موقع بھی مانع نہیں ملتا تھا۔ امام صاحبؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے علوم نافعہ مونی ابن عمر سے حاصل کئے اس طرح انہوں نے

ایک جانب کوئے کے مدرس کے ذریعے ابن مسعودؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم حاصل کئے دوسری طرف تابعین کی وساطت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرائد اور اقوال کا ذخیرہ جمع کیا۔

حضرت امام اعظمؒ نے امام زید بن علی بن زین العابدین رضی اللہ عنہ جو مختلف علوم و فنون اسلامیہ کے ماہر تھے۔ قرأت و علوم قرآنیہ، فقہ علم عقائد، مقالات اور کلام میں اہل پورا پورا حاصل تھا۔ امام صاحبؒ نے تقریباً دو سال ان سے علوم حاصل کئے ان کی خدمت میں رہ کر باقاعدہ تحصیل علم نہیں کی بلکہ مختلف ملاقاتوں کے دوران ان سے استفادہ کیا۔ علامہ نے امام جعفر صادقؒ کو بھی امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ میں شامل کیا ہے گو کہ امام جعفرؒ صرف ان کے ہم عصر تھے بلکہ ہم عصر بھی تھے۔

امام ابوحنیفہؒ نے علم حاصل کیا اور ہر فن کو اس کے ماہر شخص سے ہی حاصل کیا۔ اگر اس سے اختلاف ہوتا تو وہ اس سے صرف مفید اور کارآمد باتیں حاصل کر لیا کرتے۔ وہ اپنے اوپر بڑے خیالات میں بخوبی تمیز کر لیتے تھے۔ اچھی بات کو اپنا لیتے اور بری کو چھوڑ دیتے۔ امام صاحبؒ اس سلسلے میں اپنے تمام ہم عصروں سے منفرد تھے۔ امام صاحبؒ نے اعتدال کا مسلک اختیار کیا اور اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل کیا۔ امام صاحبؒ نے بحیثیت طالب علم علمی دروازے پر دستک دی تمام سالک کی راہ راہرونی کی اور ہر مسلک کو نور بخشا اور دین جنتی کو پیڑ پکھا اور پوری طرح چاچا پرستار کر کے فیصلہ کیا۔ اس قسم کا انتخاب بڑا بڑی عقل انسان ہی کر سکتا ہے جس کی فکری سطح نہایت درجہ بلند ہو اور اس کے سامنے کوئی نیا دھڑ یا بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہؒ جتنیں و جس کے معاملے میں اپنے تمام ہم عصر وہاں سے یک سر منہ نہ تھے۔

امام ابوحنیفہؒ طالب علم کے زمانے سے ہی نظریاتی ذہن کے مالک تھے۔ انہیں ابتداء ہی میں معرکہ آرائی اور مناظرات کا شوق تھا۔ اس زمانے میں بعض مناظرات کا ٹکڑہ بنایا ہوا تھا۔ امام صاحبؒ کے مناظروں میں حصہ لینے کے لیے ہر عصر توفیق لے جاتے۔ وہاں وہ مختلف مذاہب کے فقہی حضرات سے مناظرے کیا کرتے۔ ایک روایت کے مطابق امام صاحبؒ نے اس زمانے میں تقریباً بیس مختلف فرقوں سے مناظرے کئے اور آخر میں اسلامی عقائد کی حمایت اور مدافعت کے لیے بڑے معرکہ کیا کرتے تھے۔ اس معرکہ آرائی نے امام صاحبؒ کی قوت فکر میں جلا پیدا کر دی۔ آپ کا دائرہ علمی وسیع ہو گیا۔ دوسرے بار بار مدینہ منورہ شریف اور دیگر اسلامی ممالک کے سفر کے دوران امام صاحبؒ کو ایسے ایسے مسائل فقہ سے واسطہ پڑتا جن سے پہلے بھی نہیں پڑا تھا۔ بڑے غیر میں مناظرات میں ایسے ایسے فرائد و مسائل پر جو قیاس سامنے آتے جو اس سے پہلے امام صاحبؒ کے علم میں نہ ہوتے تھے۔ اس طرح انہیں اپنے فرائد پر بھی نظر ثانی کا موقع مل جاتا اور اگر غلطی ظاہر ہو جاتی تو وہ اس کی اصلاح فرما لیتے تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا سب سے شاگردوں کو تعلیم دینے کا بھی اہل اصول تھا چونکہ وہ تاجری حیثیت سے مال دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اپنے شاگردوں کا پرانی خیال فرماتے تھے۔ وہ سخت طلبہ کی مالی امداد و معاونت فرمایا کرتے تھے۔ ان کی تمام ضروریات کا خود خیال رکھتے یہاں تک کہ اگر کسی شاگرد کا کھانچ ہوتا ہوتا تو اس کے پاس اتنی کھجاش نہ ہوتی تو اس کی شادی کا تمام خرچہ خود کیا کرتے تھے۔ اس تمام شرفیاء کی حسب ضرورت مدد فرمایا کرتے تھے۔ ایک سب سے بڑا شاگرد اپنے فرائد اور بہت سے چھندے سے بے نیاز ہو کر اپنی تعلیم سے فارغ ہو گیا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اپنے شاگردوں کے اپنے دنیوی مال کے جملہ اخراجات ان کو دینی تعلیم سے لے لیتے جب شاگرد کو تعلیم سے فارغ ہو جاتا تو پھر اس سے فرماتے کہ اب تم نے حلال و حرام کے احکام کو سمجھ لیا ہے اس پر عمل کرنا



تمہارا فرض ہے۔

امام صاحب اپنے شاگردوں کی علمی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی فنی تربیت کا بھی خیال رکھتے تھے تاکہ کسی طالب علم میں علم کا ٹھنڈ اور احساس برتری نہ پیدا ہو کر ایسا بھی ہوتا تو آپ اس شاگرد کا مختلف طریقوں سے امتحان لینا شروع کر دیتے یہاں تک کہ اسے اپنی تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہو جاتا اور وہ راست اختیار کر لیتا۔ امام صاحب کا اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا تعلقی خاص ہوتا تھا کہ کوئی غلطی نہ کیے بغیر احساس برتری کا شکار ہو جاتا تو آپ اس کا پوری طرح نفسی علاج فرماتے تاکہ وہ اپنی صحیح و صحیح علم پوری طرح حرکت کر سکے جب آپ اپنے شاگرد کی علمی استعداد سے مطمئن ہو جاتے تو اسے سند فراغت عطا فرماتے اور نصیحت فرماتے کہ ”تم میرے علم کی دوا اور دل کی مسرت ہو۔“

امام ابوحنیفہ کا صرف ایک بیٹا ہوا جس کا نام انہوں نے اپنے استاد کے نام پر محمد زکریا رکھا تھا وہ بھی اپنے والد بزرگوار کی مانند بزرگ سے تھے۔ حال تھے امام صاحب نے ان کی تعلیم کا خصوصی انتظام فرمایا تھا اور خود ان کی تعلیم کی نگرانی فرمایا کرتے تھے جو علم و فضل کے ساتھ ساتھ بے نیاز و پرہیزگاری میں اپنے والد امام ابوحنیفہ کے جانشین تھے۔ حاتم کے چار بیٹے تھے جن کے نام عمر اسامی، ابوحنان اور عاتق تھے ان میں اسامی نے علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا۔ امامون الرشید نے انہیں عہدہ قضاء پر مامور کیا جس کو انہوں نے پوری دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حسن سیرت کے ساتھ ساتھ خوب صورتی سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ کا قد و میانہ تھا قامت خوش اور موزوں اندام تھے۔ گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف بھی۔ آپ کوشش لایا کی کا ذوق تھا۔ آپ عہدہ اور خوش نما پوشاک زیب تن کیا کرتے تھے۔ اکثر چار باجھ سودرہم بابت کی بخش پھینا کرتے تھے۔ آپ کی فیاضی کا بھی عالم تھا۔ علامہ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ کی پیاد کی عبادت کے لیے چارہ بنے تھے کہ راہ میں انہیں ایک شخص نظر آجا جو ان کا مقروض تھا اس نے دور سے ہی امام صاحب کو دیکھ کر رات بدلنے کے لیے کھانے کی کوشش کی اور دوسری طرف چل دیا۔ آپ نے اسے پکارا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ قریب جاکر پوچھا کہ تم مجھے دیکھ کر رات کیوں بدل رہے تھے۔ اس نے بڑی شرمساری سے کہا کہ حضرت آپ کے ہنر اور درہم کا میں مقروض ہوں جو اب تک ادائیگی نہ کر سکا اس لیے شرم کے باعث آپ سے آگے نہیں ملا سکتا۔ امام صاحب نے اس کی غیرت سے متاثر ہو کر فرمایا جاؤ میں نے سب فرض معاف فرمایا۔“ تہذیب الاسماء علامہ نووی

ایک بار امام ابوحنیفہ صبح سویرے چارہ بنے کہ ایک جگہ عبداللہ بھی کوئی بدو نے پکڑا اور امام صاحب کے پاس لایا اور اسے کہا کہ یہ میرا مقروض دار ہے جو یہاں ادائیگی نہ کر رہا امام صاحب نے عبداللہ سے حقیقت حال معلوم کی تو انہوں نے فطمی انکار کر دیا۔ امام صاحب نے بدو سے دریافت کیا کہ تمہارا کتے درہم کا ڈھنگی ہے۔ بدو نے کہا جالیس درہم۔ امام صاحب نے حیرت کا اظہار کیا اور جالیس درہم اپنے پاس سے بدو کو ادا کر دیے۔ ایک اور ایسا ہی واقعہ ابراہیم بن عبدہ کے بارے میں ہے کہ وہ کسی کے چار ہزار درہم کے مقروض تھے جس کی وجہ سے وہ مذمت کے مارے نہیں آتے جاتے تھے انہیں تھے اور دوست احباب تک سے ملنا چھوڑ دیا تھا ان کے ایک دوست نے ان کا قرضہ ادا کرنے کے لیے اپنے احباب سے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ وہ امام صاحب کی خدمت میں بھی آئے تو امام ابوحنیفہ نے دریافت کیا کہ اگر قرضہ کس قدر ہے؟ تو انہوں نے کہا حضرت چار ہزار درہم اس پر آپ نے فرمایا

اس اتالی قلم کے لیے تم لوگوں کو تکلیف دے رہے ہو۔ یہ کہہ کر امام ابوحنیفہ نے چار ہزار درہم اپنے پاس سے ادا کر دیے۔ (تہذیب الاسماء)

امام صاحب دولت مندی اور عظمت شان کے ساتھ ساتھ علم و خلق اور متواضع انسان تھے۔ وہ پیش میں نہیں آتے تھے اور اپنے ارادت مندوں اور شاگردوں کو بھی صبر و ضبط اور صل کا درس دیتے تھے اکثر دوران درس کی دوسرے امام فقہیہ کا ارادت مندی کی بات پر برہم ہو کر بدکاری و بدگویی پر اتر آتا اور آپ کے شاگرد اور حاضرین مجلس چاہتے کہ اس کی سرکوبی کریں تو امام صاحب اپنی قی سے روک دیا کرتے تھے۔ بڑے مدین کیت کہتے ہیں کہ ایک بار امام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے گستاخانہ گفتگو شروع کر دی۔ امام صاحب بڑے صل سے جواب دیتے رہے لیکن وہ شخص جبری ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے امام صاحب کو زونہن کہہ دیا۔ اس پر امام صاحب نے بڑے صبر و تحمل سے فرمایا۔ اللہ نہیں بخشے وہ بھی کی براعت نہیں کی کسی سے انتقام نہ لیا کہ وہ درست نہیں۔ امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بھی کی براعت نہیں کی کسی سے انتقام نہ لیا کہ وہ درست نہیں۔ امام صاحب کی یہ بھی غریب اور بدعیدی نہیں کی۔ آپ کے ہمسائے میں ایک زمین مزاج موچی رہتا تھا جو دن بھر تو سخت زور دہری کیا کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب خرید لانا۔ رات کو اپنے دوستوں کے ساتھ کرکے شراب پیا کرتا۔ بھاننا کر اپنے دوستوں کی تواضع شراب و کباب سے کیا کرتا اور نشے کی ترنگ میں وہ گانے لگتا۔ ”لوگوں نے مجھ کو کھو یا اور میرے بڑے شخص کو کھو یا جوڑا لی اور خندہ بندی کے دن کا کام آتا۔“ رات کو بھر امام صاحب کے ذکر و اذکار اور عبادت کا ہوا کرتا۔ امام صاحب کے کالوں تک اس گانے کی آواز سن آتی تھیں میں وہ اپنے اخلاق اور صل مزاجی کے باعث خاموش رہتے۔ اور بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ کادرات کو کوال شہر گشت پر تھا۔ وہ جب اصر سے گزرتا تو اس نے موچی کو بھی پکڑ کر قید کر دیا۔ دوسرے دن جب اس کی آواز سن امام صاحب کو نہ سنا دیں تو صبح انہوں نے دوستوں سے تذکرہ کیا کہ کادرات ہمارے ہمسائے کی آواز نہیں آتی۔ حیرت تو ہے۔ اس پر اہل محلہ نے بتایا کہ اسے کوال شہر پکڑ کر لے گیا۔ آپ نے اسی وقت دربار میں حاضری والے پکڑے زیب تن کئے اور دارالامارت پہنچ گئے۔ کوڈے گورنر عیسیٰ بن موسیٰ کو جب اطلاع ہوئی کہ امام ابوحنیفہ ملنے کے لیے شریف لائے ہیں تو اس نے فوراً ہی اپنے دربار میں امام صاحب کے استقبال کے لیے بھیجا۔ امام صاحب کو بڑی عزت و احترام سے آپ قریب بھیجا۔ اس نے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھ کو بلایا ہوتا۔ میں خود حاضر ہو جاتا۔ امام صاحب نے فرمایا ہمارے محلے میں ایک موچی رہتا ہے کوال نے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا ہو جائے۔ گورنر عیسیٰ نے اسی وقت دروغ جیل کو حکم دیا کہ موچی کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ امام صاحب جب گورنر سے رخصت ہو کر چلے تو موچی بھی ساتھ ہو گیا تو امام صاحب نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ”جوہرہ نہیں ضائع نہیں کیا۔“ امام صاحب نے اس شعر کی طرف اشارہ کیا تھا جو وہ نشے کے عالم میں کہا کرتا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں آپ نے ہمسائی کا حق ادا کر دیا ہے۔ امام صاحب کے اس عمل سے وہ شخص اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے تمام پیش پرستی سے توہر کر لی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا اور رفتہ رفتہ علم و مدق میں مہارت حاصل کر لی اور فقہیہ کے لقب سے سرفراز ہوا۔ (الاعالیٰ ابن خلدان، عقود الجمان)

(جاری ہے)





# نویات و اضمحلال

لمیحا احمد

السلام علیکم! میرا نام نورین فاطمہ ہے میرا تعلق سندھ کے مشہور شہر حیدرآباد کے قریب ایک چھوٹے سے ٹاؤن ”ڈکری“ سے ہے۔ میں 12 جنوری 1993ء کو اپنے پُر رونق سے گھر کو مزید رونق بخشنے اپنے پیارے والدین کی فیملی کو مکمل کرنے اس جہاں میں وارد ہوئی۔ ہم سات بہن بھائی ہیں میں لاسٹ نمبر پر ہوں الحمد للہ مسلم پنجابی گھرانے سے تعلق ہے۔ میں آج کل کی مستقبل پر ڈیڑھ مگر لکھا پہلی بار ہے۔ آج کل سے وابستگی 6 سال پرانی ہے اور ابھی تک ساتھ چل رہا ہے۔ مجھے دسمبر اور جنوری والے لوگوں کی ترنہ بہت پسند ہے کیونکہ اس میں قائد اعظم شاعر عبد اللطیف ذوالفقار جٹو حکم محمد سعید دسی شاہ ڈاکٹر یونس بٹ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ فیورٹ رائٹرز میں عمیرہ احمد، سمیرا شریف ام رحمہ اور سعید اہل شامل ہیں۔ فیورٹ شاعروں میں امجد اسلام امجد فیض احمد فیض اور حسن نقوی شامل ہیں۔ فیورٹ کس میں قرآن مجید سے بہتر اور جامع کتاب کوئی نہیں ویسے مجھے نامور صحافی جاوید چودھری کی ”زیرو پوائنٹ“ کا ہر پارٹ لائک کرتا ہے کچھ ٹکڑوں میں بلیک پنک اور اسکا نئے بہت پسند ہیں جب کہ کھانے میں مجھے چکن ڈزائی، تنک اور چائیز راکس پسند ہیں۔ فیورٹ سٹارز میں مجھے افغانستان کے ”میر یوسف نجرانی“ کے سوگ بہت

اتجھے لگتے ہیں جب کہ پاکستان میں شہزاد اور اسے سلیم جاوید اور احمد بھانزیب پسند ہیں میرے مشاغل میں کتابیں پڑھنا، اخباروں کی ایک ایک خبر اپنے مائنڈ میں فٹ کرنا، پشٹو سوگ سننا اور گنگناٹا ہے۔ مجھے بختون نشین ہے بہت خاص قسم کا لگاؤ ہے بختون ہر فرد سے مجھے بہت عقیدت ہے اور اسی وجہ سے مجھے افغانستان بھی پسند ہے مجھے اس ملک کے بارے میں بہت سی معلومات ہیں مجھے افغانستان جانے کا بہت شوق ہے جب میں افغانوں پر ہونے والے ظلم کے بارے میں سوچتی ہوں تو دل دھل جاتا ہے اور مستقبل میں بختونوں کے لیے کچھ کرنے کا ارادہ ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے جتنی پاکستان سے عقیدت ہے اتنی ہی افغانستان سے ہے اور ہاں بانی جیزین تو بتانے والی رہ گئی کہ مجھے شاعری کرنا ہے حد ابھی لگتا ہے اور ”مقدمہ سنڈے میگزین“ کی مستقبل قاری ہوں۔ مجھے پالش کا موسم بہت بھاتا ہے مگر اکثر اس موسم میں لیکن ہوجاتی ہوں اور میری میٹ فرینڈز میں سعیدہ کرن صبا لطیف اضاء حسین، حمیرا رانا، عائشہ رانا، نوشین غیاث کرن رازق اور تحریم شامل ہیں۔ قاری بہنوں میں عطرہ سعیدہ سکندر، شامکہ اکرم سمیرا مشتاق ملک بہت خوب لگتی ہیں اور ہاں ایک بات بتانا تو بھول گئی آج کل کے ٹیکلور قاری برکت رائی میرے چاچو ہیں اب بات ہو جائے تو ازراحم کے بارے میں تو میں مزاجا ٹھنڈی مگر بے حد محاسن ہوں۔ میرے استاد اتحادی ہے حد کی زیادہ تر خاموش پسند ہوں اس کے باوجود لوگوں کے دل میں جگہ بناتی ہوں اور اس سب سے بڑی ہیبت کو اپنی سوچنا ہے میں بہت زیادہ ہر چیز پر کائی ڈر کرتی ہوں

بہت کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو میرا منہ ہوتا ہے اور دوسروں کے کان ( بڑی بڑی بات ہے نا) مجھے مستقبل میں بہت کچھ کرنے کا شوق ہے لیکن میرا اولین مقصد دینی انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری زندگی کی آخری سانس اس مقصد کے حصول کے لیے صرف ہوجائے۔ میرے لیے دعا کیجیے کہ میرا یہ مقصد پایہ تک پہنچے اور آخر میں تمام قاری سسرز کے لیے پیغام ہے کہ اپنا کردار مضبوط بنائیں اسی سے انسان کی پہچان ہے اپنا خیال رکھیے کافی اللہ اللہ۔

## مارہ کون

السلام علیکم! حاضرین و ناظرین کیا حال چال ہیں آپ سب کے؟ جی تو مابدولت کو مانو یعنی ناریہ کرن کہتے ہیں۔ مابدولت ذریعہ غازی خان کے ایک قصبہ کوٹ چھٹے میں رہائش پزیر ہیں اور مغل قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ڈیئر فرینڈز قارئین بھی منی سائیٹوں مابدولت 14 اپریل کو اس دنیا میں روشنی کی کرنیں نکھیرنے نازل ہوئی۔ ارے گرم والی نہیں ٹھنڈی والی کرنیں جی تو ڈیئر قارئین! آپ کیسے ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ آج کل پڑھ کر تو سخت بیمار بنندہ بھی بغیر دوا کے ٹھیک ہوجاتا ہے اس لیے آپ سب بھی ٹھیک ہوں گی۔ جی تو اب آتے ہیں اپنی خوبیاں اور خامیوں کی طرف۔ میں ستاروں پر یقین نہیں رکھتی۔ میں ہر کسی کو اپنا دوست سمجھتی ہوں آپ چاہیں اب یہ میری خامی جھجھکیاں اور مجھے وہ لوگ سخت نا پسند ہیں۔ جو ستاروں پر یقین رکھتے ہیں۔ جی تو

کچھ تعارف ہو جائے گھر والوں کا۔ ماشاء اللہ سے ہم آگے بڑھن بھائی ہیں یعنی جی ہاں اور چار بہنیں اور مابدولت کا نمبر چھٹا ہے۔ سب مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ خاص طور پر میرا چھوٹا بھائی عبد الباقی وہ میری ہر بات مانتا ہے اور جب موڈ ٹھیک نہ ہو تو بکڑتا بھی ہے۔ مجھے پڑھنے لکھنے اور ڈرامنگ کرنے کا بہت شوق ہے۔ ڈرامنگ تو میری آل ریڈی ز ہوسٹ ہے۔ مجھے اسٹائش لوگ بہت اتجھے لگتے ہیں اور بلاوجہ جھوٹ بولنے والے اور اپنی تعریف میں زمین و آسمان لیک کر دینے والے لوگ بہت بُرے لگتے ہیں۔ میں بہت بولڈ اور خود اعتماد ہوں۔ (ارے) بدبیز میں منہ چھپ نہیں ہوں سب کے ساتھ تیز کے ساتھ بات کرتی ہوں مجھے فرینڈز بنانا اچھا لگتا ہے۔ اسی لیے میری بہت اچھی پیار کے جام سے لبریز فرینڈز ہیں ان کے نام سدراہ نادیہ جویریہ نقیہ نادیہ کرن ذرین عمارہ کوثر شال ہیں۔ سدراہ تو میری جان ہے اور نادیہ تو ٹیکر کا ٹکڑا ہے۔ نقیہ کے بارے میں تو میں ہوں ایک لطیفہ ہے بالکل جو ہر کسی کو ہنساتی ہے اور سب فرینڈز بہت اچھی ہیں۔ ہمارا فرینڈز کا ایک گروپ ہے جس کا نام Happy Group ہے۔ پٹی گروپ اس لیے کہ ہم ہر وقت ہنسی مسکرائی رہتی ہیں۔ (ارے آپ میرا تعارف پڑھتے پڑھتے بور نہ ہوں پلایز!) ہاں ہاں ذرا آگے بھی تو پڑھیں مجھے اپنے امی ابو بھائی بہنیں دوستوں اور دنیا کی ہر اس چیز سے پیار ہے جو اچھی ہو۔ مجھے چاند رات کا رویٹلک ماحول بے حد پسند ہے۔ مجھے تین چیزوں سے جنون کی حد تک شغ ہے چاند کی چاندنی سے گلاب کے پھولوں سے اور آج کل

سے۔ گلاب کے پھول تو ہر وقت میرے گھر میں موجود ہوتے ہیں، میں روزانہ صبح لوہے ڈرانگ روم کو پھولوں سے سجاتی ہوں۔ ایڈو پٹر کرنے میں مزہ آتا ہے، میری وساحت کی شوقین ہوں۔ میرے ایویریوں کی چٹھوں میں فورٹ منرو لے جاتے ہیں۔ وہاں بلا لگا کرتے ہوئے بہت مزہ آتا ہے۔ میرا دل کرتا ہے کہ میں صحرا کی سیر کروں، اونٹ پر بیٹھ کر صحرا کی خوب صورتی کو دیکھوں۔ کھانا پکانا مجھے نہیں آتا البتہ دہی بھلے، کھیر، کسٹرڈ اور چپس بہت مزے دار بناتی ہوں، بقول عبد الباری (مارہ) تمہارے جیسے دہی بھلے تو کوئی بنائی نہیں سکتا۔ بڑی کھڑکی ہوں لیکن بہت زیادہ نہیں۔ ہر وقت صاف ستھری رہتی ہوں اور فارغ اوقات میں ایک ہاتھ میں آئجل اور دوسرے ہاتھ میں گرما گرم چپس یا بھاپ اڑاتی چائے ہوتی ہے۔ مجھے آئجل پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ جتنا آئجل سے میں نے سیکھا ہے اور کسی سے نہیں سیکھا۔ آئجل سے میری وابستگی 2007ء سے ہے۔ اپنے آئجل کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیونکہ بقول حاجی آمنہ (مارہ) تم تو آئجل کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کر دیتی ہو، میری بابیز میں بیڈمن، ڈرانگ کرنا اور کرکٹ دیکھنا ہیں۔ کرکٹ کی تو میں دیوانی ہوں اور بیٹس پلیئر ز احمد شہزاد اور شعیب ملک ہیں۔ مجھے اسٹاکس کپڑے سلوانے اور اوگرنگی ٹیل والے جو تے پہننے کا بہت شوق ہے۔ ڈائزر بننا چاہتی ہوں اور بنوں کی بھی۔ مجھے شاعری بہت پسند ہے لیکن یاد نہیں رہتی۔ شاعروں کے مجھے نام نہیں آتے البتہ شعر ضرور آتے ہیں، میرے موصوفیورٹ ناؤز "منابع چائے" تو جو چلے تو جان

سے گزر گئے، طلوع سحر سے شام محبت اور کچھ خواب" ہیں۔ میری موصوفیورٹ رائٹر عشاق کوثر سردار ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ میں نہیں لکھ اور شرارتی ہوں، کبھی کسی کو اداس نہیں رہنے دیتی اور بہت بولتی ہوں تو آپ کو اندازہ ہوئی کیا ہوگا کیونکہ میں آپ کے ساتھ ٹانگ اسٹاپ جو بول رہی ہوں۔ مجھے ڈائری لکھنے کا بہت شوق ہے اور میں ابھی بھی بہت ہول رات کے وقت چاندنی رات میں جھولے پر بیٹھ کر ڈائری لکھنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے اپنے ہال بہت پسند ہیں، میرے موصوفیورٹ ٹرک، بلیک، ریڈ، سکاٹی بو اور بی بی ٹنک ہیں۔ سردی مجھے بالکل بھی پسند نہیں البتہ بہار کے موسم کی عاشق ہوں۔ اوکے ڈیئر فرینڈز! اسی کے ساتھ آپ سے اجازت چاہوں گی اور آپ اپنی رائے سے مجھے ضرور آگاہ بھیجے گا کہ میرا تعارف آپ کو کیسا لگا۔ آئجل کے لیے آڈیو سارا سارا پارک کوئی حساب نہ لگا سکے۔ میری دعا ہے کہ آئجل دن دہی رات چوٹی ترقی کرے آمین اور اللہ آپ سب کو سدا خوش رکھے آمین۔

## نٹاؤٹ

لیس جی! ہم حاضر ہیں، ارے ارے کیا ہو گیا ہم سے مراد میں ہوں، کوئی فوج نہیں ہے میرے ساتھ۔ جیلز جی! اب آپ کو اپنے بارے میں بتاتے ہیں، مابولت شاء وقار 21 نومبر کو اس دنیا میں تشریف لائی اور جلد ہی وہاں جانے والی ہیں یہ بعد میں بتاؤں گی کہ کیوں؟ مستقبل میں پائلٹ

لہا جاتی ہوں اگر زندگی مہلت دے تو..... چار کہیں اور ایک بھائی ہے میں سب سے بڑی ہوں۔ مجھے میرے دادا جان جن کو پیار سے بوکھی ہوں انہوں نے پالا ہے مگر 2009 میں اس دنیا سے رخصت فرما گئے اور اپنی لاڈلی توہنہ کر گئے مگر اب جی فکر مت کریں، میں بھی آری ہوں آپ کے پاس۔ ابو جی! میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں اور آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دوست کوئی نہیں ہے، کچھ لوگوں نے ایسا اعتبار توڑا ہے کہ اس کی کرچیاں اب بھی درد دیتی ہیں جب سے اپنا ایک فارمولا ہے اعتبار کرنا اچھی بات نہ کرنا اس سے بھی اچھی بات۔ رہی بات خایوں کی تو بہت ہیں اعتبار جلدی کر لیتی تھی غصہ بہت آتا ہے۔ لوگوں کی پچان نہیں کر پائی، فضول خرچ ہوں۔ جی بھر کے محنت نہیں کرتی، شرارتیں کرتی تھی مگر اب تو زندگی نے مجھ سے بہت بڑی شرارتیں کر ڈالی ہیں کہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھی ہوں، خوبیاں ہیں کہ نماز پڑھتی ہوں، پیار بہت کرتی ہوں بے وفا لوگوں سے بھی۔ جب کوئی زیادہ درد دے تو بس پڑتی ہوں قسمت یہ۔ آئسو صرف اللہ اور ابو کے لیے بھائی ہوں۔ گرمیاں شاہیں بہار، رات بارش بہت پسند ہے۔ شاعری جنوں ہے میرا یہ۔ یہ دراخت میں ملائے اپنی آنکھیں بہت پسند ہیں کیونکہ ان میں سبز گولڈن اور شہتیتوں کلر ہیں گرماں آنکھوں نے بہت دکھ دئے اس لیے نفرت ہے مجھے اپنی آنکھوں سے، کبھی کبھی تو بلیک لیز بھی لگنے پڑے مجھے۔ چپلن جی بورمٹ ہوں اگر کوئی مجھے اپنے لائق سمجھے تو دوستی کا ہاتھ بڑھادے، میرا سارا خلوص اس کے لیے محبت بیاڑا دلوا گیا سب اس کے نام حاتم کی زندگی بھی۔ آخر

## مصطفیٰ حلیل

سویت آئجل فرینڈز اور قارئین کو میرا پر خلوص سلام قبول ہو۔ یقیناً آپ سب لوگ ٹیکہ ہوں گے۔ اوہو اپنا نام تو بتانا بھولی ہی گئی مابولت کو مدیحہ کہتے ہیں۔ میں ضلع گجرات کے ایک گاؤں سرایہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ تک نیم "مدو" ہے۔ فرینڈز "مدی" بھی ہتی ہیں جو کہ مجھے بہت پیار لگتا ہے۔ 6 مارچ کو بہار کے موسم میں اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی، اس لحاظ سے میرا اشار حوت (Pices) ہے۔ میں اسٹارز پر بہت یقین رکھتی ہوں، ہم آئجل کھن بھائی ہیں۔ پانچ کہیں اور تین بھائی، میرا امیر آخری ہے اسی لیے میں بہت زیادہ لاڈلی ہوں، گھر میں میری بہن اور دوست امرین سے بہت جتنی ہے۔ بانی کہیں بھی بہت اچھی ہیں۔ لائبہ میری بھانجی ہے اور مجھے جان سے پیاری ہے۔ میرے والدین کے عظم ترین والدین ہیں۔ میرے ابو جی مجھے وکیل بنانا چاہتے ہیں اور ان شاء اللہ میں ان کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گی، میرے بڑے بھائی فیض مجھے جان سے پیارے ہیں ان کی بیوی بہت اچھی ہیں اور بے حد پیاری ہونے کے ساتھ میری بھائی کہانی ہیں۔ اس سے چھوٹے دو بھائی ہیں محسن اور شانی۔ محسن والی بال کے بہت اچھے کھلاڑی ہیں





ہمارے گھر میں موجود 50 سے زیادہ ونگ کپ اس بات کا ثبوت ہے اور شانی جو کہ بہت خوب صورت اور معصوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو کامیاب کرے اب آتے ہیں خوبیاں اور خامیوں کی طرف خوبیاں بہت ہیں میں پانچ وقت کی نمازی ہوں وقت کی بہت پابند ہوں ہر ایک کی مدد بے لوث ہو کر کرتی ہوں۔ حساس طبیعت ہوں کسی کو دکھ میں نہ دیکھ کر بہت لڑکتی ہوں دوستوں اور رشتہ داروں سے بے حد محبت کرتی ہوں چاہے کوئی قدر کرے یا نہ کرے۔ خامیاں تو دوسرے ہی باتیں ہیں خیر ہم دوسری چیز ہر کا پیالہ پی لیتے ہیں غصے کی بہت تیز ہوں۔ پتائی نہیں چلتا کہ کیا کرتا ہے کیا نہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہوں خود کو Compose نہیں کر پاتی۔ اب بات کرتے ہیں پسند و نا پسند کی سب سے پہلے کھانے کی بات کرتے ہیں مجھے کھانے میں پرانی اور چکن رول بہت پسند ہے لباس میں شلوار میں اور ساڑھی بہت پسند ہے۔ رنگ سیاہ جنون کی حد تک پسند ہے چوہری میں ایئر رنگ اور بریسلٹ، میک اپ مجھے سوٹی نہیں کرتا بقول میری بہن اسرین کے پرفیومز میں مجھے جارجی ریڈ بارش میں نہانا اچھا لگتا ہے بشرطیکہ گڑے نہ لگے ہوں (ہاہاہا)۔ کالج ٹرپ پر جانے کا بہت شوق ہے مگر مجھے اجازت نہیں ملے گی اگر میری جاؤں تو پھر بھی نہیں کیونکہ میرا بھائی محسن بہت سخت ہے وہ بھی اجازت نہیں دے گا۔ نمود و نمائش سے نفرت ہے ان لڑکیوں اور لڑکوں سے نفرت ہے جو شخصیت پرستی کے قائل ہوتے ہیں۔ پسندیدہ شخصیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پسندیدہ نغمہ ز میں ایک ہی ہے عارف اسلم

## بھونکے ممالک

ڈاکٹر قاسم صاحب

ادارہ

زیارت کرنا۔  
سدرة ملاح..... ضلع جہلم  
سوال:- آپ کے تمام ناگزہ زبردست ہیں۔ مگر  
”بہادوں کے سنگ سنگ“ کی تو کیا بات ہے۔  
Fantastic یہ آپ نے کب لکھا تھا کیا یہ آپ کا پہلا

ناول تھا؟  
جواب:- جی ہاں یہ میرا پہلا ناول تھا جو 97ء میں  
تحریر کیا تھا۔  
سوال:- آپ اپنی کہانوں میں اتنا روایتیں کیسے لے  
آتی ہیں ذرا بتائیے؟  
جواب:- محبت محض رومانس نہیں محبت ہمارے ہر  
رشتے میں موجود ہے سب سے بڑی محبت اللہ سے  
شروع ہوتی ہے۔  
سوال:- آپ کی نئی کہانی ”بھنگی پکڑیں“ پر اچھی جا  
رہی ہے لیکن اس کا نام اداس سا ہے۔ کیا کہیں گاس  
بارے میں؟ ہم تو آپ کی اتنی خوب صورت کہانیاں  
پڑھتے رہے ہیں۔ کیا ہم امید کریں کہ اس کا انڈیا  
”آپ“ بہادوں کے سنگ سنگ“ کی طرح کریں گی؟  
جواب:- اے اللہ! ”بھنگی پکڑیں“ پر آپ کو  
میں نہیں لگتی۔

سوال:- نئی لکھنے والیں کو کوئی خاص نصیحت؟  
جواب:- قلم کی حرمت کا خیال رکھیں۔  
شبانہ امین راجپوت..... کوٹ راندا کشن  
سوال:- کچھ پڑے بارے میں بتائیے؟  
جواب:- شبانہ خوش رہو۔ ہر اسٹار کس اس کی تحریر  
میں ہوتا ہے آپ میری تحریر پڑھ کر میرے بارے میں  
جان سکتی ہیں۔  
سوال:- آپ کی پسندیدہ مصنفہ یا مصنف کون  
سے ہیں؟  
جواب:- بانو قدسیہ فریدہ اشفاق! ابن مفتی کلیم  
ایم کے کرشن چندر۔  
سوال:- آپ نے کسی خاص واقعہ سے متاثر ہو کر

ڈاکٹر قاسم صاحب علیکم السلام ظاہر صاحب کی میرے  
پاس کال آئی اور مجھے معلوم ہوا اس بارہ آپ کی عدالت  
میں بھی حاضر ہونا ہے اور میں جج کی عجم کی طرح  
ہی عجم کرتی..... کیا اللہ آپ کو کروں؟ بات دراصل یہ  
مجھ کی خرابی طبیعت اور کچھ صبر و صفت کے باعث میں  
آج کل کا مطالعہ نہ کر سکتی تھی اور اس وجہ سے مجھے معلوم نہ  
ہو سکا تھا اور ظاہر صاحب کی کال میرے لیے کسی دھماکہ  
سے کم نہ تھی۔ بہنوں کے پیلز پڑھنا اچھا لگتا کہ عدالت  
تیزی سے گزرتی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا میں عدالت  
میں نہیں اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہوں سب  
کے ہاتھوں میں جھٹوں کے گلدستے ہیں۔

چار بجے میں میرے شوہر بے حد محبت کرنے والے  
اور خیال کرنے والے ہیں بچے میرے بڑے اور بہت  
کاپریو ہیں۔  
اب آتی ہوں آپ کے سوالوں کے جوابات  
کی طرف! پہلا خط فاطمہ عاشری نے لکھا ہے جھنگ  
صدر۔

فاطمہ عاشق..... جھنگ صدر  
سوال:- آخر آپ کیسے اتنا بچل لکھتی ہیں؟  
جواب:- آپ کی صحبتوں اور دعاؤں کے فضل  
لکھتی ہوں۔  
سوال:- آپ کے نزدیک کیا ہے؟  
جواب:- میرے نزدیک محبت ہی ہر رشتے کی  
اساس ہے۔  
سوال:- آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟  
جواب:- میری سب سے بڑی خواہش ہے  
شہادت کی موت۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی



لکھنا شروع کیا؟

جواب:۔ کسی واقعے سے نہیں۔

سوال:۔ آپ کی کوئی ایسی تحریر جس کے شائع ہونے پر لوگ آپ سے لہجہ پڑتے ہوں کیونکہ رائٹر کا اکثر ایسے واقعات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

جواب: مجھے لڑائی جھگڑے سے چڑ ہے۔ میں بہت محتاط ہوں کھڑکی نہیں ہوں۔

سوال:۔ مجھ سمیت اپنے تمام پرستاروں کو اچھا سا پیغام دیں؟

جواب:۔ میری دعا اور خواہش ہے 'میری قوم کی مائیں' ہمیشہ اور بیٹیاں بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نقش قدم پر چلیں۔

بقیہ کتب..... عبدالحمید

سوال:۔ آپ کی زندگی کا کوئی یادگار لمحہ؟

جواب:۔ جب میری نگاہ بیت اللہ پر پڑی تھی اور مجھے لگا میں پتھر کی ہوئی ہوں، میری دھڑکن رک پئی تھی خوفِ مسرت، رشک کی ایسی ہیبت طاری ہوئی تھی مجھ پر کہ میں حواسوں سے کوسوں دور ہو گئی تھی، خاندان پر بھی نظر کی دعا سجا رہی تھی ہے مگر مجھے آج تک یاد نہیں کہ میں نے کیا دعا مانگی تھی؟ میری زندگی کا وہ لمحہ جس سے نہ بھول سکوں گی۔

سوال:۔ فارغ اوقات میں آپ کا فیورٹ مشغلہ؟

جواب:۔ مطالعہ کرنا۔

سوال:۔ آپ کی دو فیورٹ شخصیات؟

جواب:۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والدین۔

سوال:۔ آپ آج کل میں کون سی تبدیلی چاہیں گی اور آج کل کی پسندیدگی کی چیز؟

جواب:۔ اب جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ بہتر ہیں اور آج کل چاہیے بالکل نئی ہماری طرح ہی لگتا ہے۔

سوال:۔ اقرأ آپ آج کل آپ کا ناول "بیکنگ

پکوں پر" بڑی خوب صورتی سے آگے کی جانب کاغزوں سے اور تمام قارئین سے اچھا رسپانس مل رہا ہے تو آپ کیسے محسوس کرتی ہیں؟

جواب:۔ اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں اور مطمئن ہوں۔

سوال:۔ ہماری تقریر یا ہر رائٹر کا کہنا ہے کہ ہماری ہر تحریر میں ہماری اپنی جھلک کہیں نہ نہیں ہوتی ہے تو آپ کی ایسی کوئی تحریر جس میں آپ نے اپنی شخصیت کا کوئی پوشیدہ پہلو اجاگر کیا ہو؟

جواب:۔ میری ذات ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔

سوال:۔ آپ کی جب پہلی تحریر شائع ہوئی اس وقت مدبرہ کون تھیں اور کوئی تعریفی کلمات جو انہوں نے آپ کے لیے کہے ہوں۔ آپ کی ٹیلیکرام کہیں اس وقت؟

جواب:۔ فرحت آئی تھیں اور فرحت آئی ہے بہت تعریفی کلمات ہیں پھر اور ہر باران سے تعریف سن کر قلم میں ازبجی بھر جاتی تھی۔

سوال:۔ آج کل سے پہلی بار رشہ بڑھنے سے لے کر اب تک آپ نے آج کل کو کیا پایا اور اب ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں کیا کہیں گی؟

جواب:۔ آج کل میں جو نئے سلسلے شروع ہوئے ہیں ان سے آج کل بہک اٹھا ہے اور پہلے سے بہتر ہو گیا ہے۔

سوال:۔ آپ آئی تھیں کہ قیصر آئی فرحت آئی کی کو پورا کرنا میں کس حد تک کامیاب رہی ہیں؟

جواب:۔ قیصر آئی بہترین مدبرانہ صلاحیتوں کی مالک ہیں۔ ان کی رہنمائی میں آج کل میں چاند ستارے چمک اٹھے ہیں اور وہ کسی حد تک آئی کی جی بھی پوری کر رہی ہیں مگر بحیثیت انسان کے فرحت آئی کی جگہ کوئی پوری نہیں کر سکتا ہے۔

سمیرا انور..... جھنک

سوال:۔ آپ کی کیا بات ہے آپ کی تجارت میں بہرہ اور بیرونی کے کام بہت مفرد ہوتے ہیں۔

جواب:۔ بہت چھان بین کے بعد میں کریکٹرز کے راسخی ہوں ہمارے ہاں عموماً کہانیاں اور ڈراموں کریکٹرز سے انساںز ہو کر نام رکھے جاتے ہیں اس میں اسلامی تاثر نہ کرتی ہوئی۔

سوال:۔ آپ جی جب انوکھ حالات کا سامنا ہو تو کیا کرے؟

جواب:۔ پیاری بہن! حضرت علی رضی اللہ عنہ جی کی ٹیوٹ (شخصیت) کا قول ہے مصائب کا مقابلہ کرے اور نعمتوں کی حفاظت کرے اور کیا کرے اس مان کا ایمان بنائیں تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

سوال:۔ آپ کی تجارت میں ایسا لگتا ہے کہ آپ ہاں طبیعت کی مالک ہیں؟

جواب:۔ بالکل درست کہا ہے آپ نے.....

سایت "بکسنگ" سے بھی زیادہ مہنگا ہے مجھے ایسا سون ہوتا ہے۔

سوال:۔ آپ کو کہانیاں تحریر کرنا آپ کا شوق یا کچھ ایسا خاص جو آپ کو کہانیاں لکھنے پر مجبور کرے گا؟

جواب:۔ معاشرے میں چھپن یا نمایاں رشتوں کا علم ہونا تقدس، جھپٹوں کی مٹھاس کو نفرتوں کی کڑواہٹ میں بدلتے دیکھ کر میرا قلم اٹھتا۔

سوال:۔ آپ کس شہر میں رہتی ہیں اور "بیکنگ پکوں پر" کی کردار آپ کے ذہن میں کیسے آتی ہے؟

جواب:۔ کراچی میں رہاںش پذیر ہوں پری جیسے کردار ہمارے اس معاشرے کا حصہ ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟

جواب:۔ آج سے آپ میری بچی دوست ہیں۔

سوال:۔ اقرأ آپ کی ایک شے آپ بہت ہی گہرائی میں ہیں آپ کی اس خداوند صلاحیت کو سلام کرتی ہوں۔

جواب:۔ آپ کی جھپٹوں کی تہذیب سے مشکور ہوں۔

سوال:۔ اقرأ آپ اپنے متعلق اپنے امی ابو کے متعلق کچھ بتائیے؟

جواب:۔ میرے والدین حیات نہیں ہیں اور اپنے رے میں کیا بتاؤں؟ بہت بڑی ہوں۔

سوال:۔ اقرأ آپ کا سب سے پسندیدہ ناول کون سا ہے۔ اور آپ کا سب سے پہلا ناول کون سا ہے؟

جواب:۔ میرا پہلا ناول "بہاروں کے سنگ سنگ" تھا اور میرا پسندیدہ ناول ہے "سجدا کا چپا کٹی"

سوال:۔ السلام علیکم اقرأ آپ آج کل کے

جواب:۔ اللہ کا سب سے بڑا متحدہ اللہ ہمیں

جواب:۔ اللہ کا سب سے بڑا متحدہ اللہ ہمیں

جواب:۔ اللہ کا سب سے بڑا متحدہ اللہ ہمیں

جواب:۔ صنم و عظیم اسلام آج کل میں کس لکھ رہی ہوں۔

سوال:۔ آپ کی زندگی کا سب سے یادگار دن؟

جواب:۔ مکہ شریف اور مدینہ منورہ میں گزارے دن۔

سوال:۔ کہانیاں تحریر کرنا آپ کا شوق یا کچھ ایسا خاص جو آپ کو کہانیاں لکھنے پر مجبور کرے گا؟

جواب:۔ معاشرے میں چھپن یا نمایاں رشتوں کا علم ہونا تقدس، جھپٹوں کی مٹھاس کو نفرتوں کی کڑواہٹ میں بدلتے دیکھ کر میرا قلم اٹھتا۔

سوال:۔ آپ کس شہر میں رہتی ہیں اور "بیکنگ پکوں پر" کی کردار آپ کے ذہن میں کیسے آتی ہے؟

جواب:۔ کراچی میں رہاںش پذیر ہوں پری جیسے کردار ہمارے اس معاشرے کا حصہ ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟

جواب:۔ آج سے آپ میری بچی دوست ہیں۔

سوال:۔ اقرأ آپ کی ایک شے آپ بہت ہی گہرائی میں ہیں آپ کی اس خداوند صلاحیت کو سلام کرتی ہوں۔

جواب:۔ آپ کی جھپٹوں کی تہذیب سے مشکور ہوں۔

سوال:۔ اقرأ آپ اپنے متعلق اپنے امی ابو کے متعلق کچھ بتائیے؟

جواب:۔ میرے والدین حیات نہیں ہیں اور اپنے رے میں کیا بتاؤں؟ بہت بڑی ہوں۔

سوال:۔ اقرأ آپ کا سب سے پسندیدہ ناول کون سا ہے۔ اور آپ کا سب سے پہلا ناول کون سا ہے؟

جواب:۔ میرا پہلا ناول "بہاروں کے سنگ سنگ" تھا اور میرا پسندیدہ ناول ہے "سجدا کا چپا کٹی"

سوال:۔ السلام علیکم اقرأ آپ آج کل کے

جواب:۔ اللہ کا سب سے بڑا متحدہ اللہ ہمیں

جواب:۔ اللہ کا سب سے بڑا متحدہ اللہ ہمیں

انسان بنایا پھر مسلمان بنا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
آپ کی بنا کر پیدا کیا مجھے زندگی کا بڑا احسان اور انعام  
ملتی ہے۔

عروسہ شہزاد

سوال:- پیاری اقرامیغیر احمر سے پہلے تو آپ  
یہ بتائیے کہ وہ کون سے عوامل یا محرک تھا جس کی وجہ سے  
آپ نے قلم اٹھا اور ادبی دنیا میں قدم رکھا؟

جواب:- محبت، چارناں کی دلائی کا پرچار کرنا۔

سوال:- پہلی کہانی کوئی سی اور کیا وہ حقیقت پر مبنی  
تھی؟ اور وہ پہلی پہلی اشاعت پر کیا اثرات تھے؟

جواب:- پہلی کہانیاں میرے سویرے بے حد خوشی ہوئی  
تھی ہر کہانی کا طالع حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔

سوال:- کوئی کہانی افسانہ کہانی شامل اشاعت ہونے  
پر سب سے پہلے کس نے خبر دی اور خوشی کا اظہار کیسے  
کیا؟

جواب:- میرے بھائی نے بتایا تھا اور بی بی پاری ارشد  
کے کہ خوشی منائی تھی۔

سوال:- میرے لیے تو آپ کی تمام تحریریں قابل  
تعریف و ستائش ہیں۔ آپ کی اپنی نظر میں آپ کی  
لافاقی شاہکار تحریر کیون سی ہے؟

جواب:- میں ابھی ایسی تحریر نہیں لکھ پائی جو لکھنا  
چاہتی ہوں۔

سوال:- اپنے لکھے مسودے اور پھر شائع شدہ ناول  
ناولٹ افسانے کوئی بااثر پر مبنی ہیں؟

جواب:- نہ کسی ایک بار..... اور بی بی باربار۔

سوال:- ناس درجہ بدلتے حالات پر ہجرت ہوتی ہے  
تو اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں؟

جواب:- مجھے اپنے مذہب سے گہرا لگاؤ ہے اپنے  
وطن سے میں بے حد محبت کرتی ہوں مذہب مذہب میں  
بھی اور ملک میں بھی جو انتشار اور بددینی پھیلا دی گئی  
ہے یہ صورت حال اس طرح میں بیٹلا گیا ہے۔

طیبہ زبیر..... شادیوال عجبزات

سوال:- اپنی پہلی کے بارے میں بتائیے اور اس  
بھی بتائیے۔

جواب:- پہلی کے بارے میں آپ نے پڑھ لیا ہے  
اسٹاریم ایوب۔

سوال:- آپ کی Age کتنی ہے (اوپر سے)۔

جواب:- کیا پچھلیا آپ کو کتنا عمر ہو گیا ہے لکھتے ہوئے؟

جواب:- 22 سال

سوال:- آپ اپنی کوئی ایک خامی اور ایک خوب  
بتائیں؟

جواب:- ہر کسی پر اعتبار کر لیتی ہوں، معاف کرنا  
درگزر سے کر لینا۔

سوال:- کوئی ایسا ناول جو آپ سمجھتی ہوں کس اس نے  
میری زندگی بدل دی ہے اور آپ کو بہت پر میری ملی ہو؟

جواب:- بہاروں کے سنگ سنگ۔

سوال:- آپ کی زندگی کا حاصل کیا ہے؟ فیوجہ

جواب:- میں آپ لوگوں کے درمیان موجود ہوں  
اپنے قلم کی شناخت سے اور فوجہ میں اپنا نام ایسٹرن ونگ  
میڈیا میں دیکھنا چاہوں گی۔

جواب:- آپ کی تحریر میں جو محبت کی جوشیدت  
اور دیوانگی کی حد تک انار اور حق پاجت اور حق جانی الفت  
مجھے بہت متاثر کرتی ہے۔ جو یہ ہوں یا شانزل خان  
آفریدی صادم ان سب کی محبت میں ایک اشتقاق ہوتا  
ہے۔

جواب:- انار دیوانگی اور اشتقاق محبت کے ہی روپ  
ہیں۔

سوال:- آپ نے یہ انداز کس طرح اپنایا اور کس  
متاثر ہو کر لکھا؟

جواب:- اپنی حساسیت سے گہرا اثر لکھا تھا۔

سوال:- آج کل کی اسٹریٹ محبت جو ہر جگہ کے کلچر  
موجود لوگوں کو ہر دوسری لڑکی سے ہو جاتی ہے۔ اس

میں کچھ کہا چاہیں گی؟

جواب:- اسٹریٹ محبت ہے راہروی کا وہ تقاضا ہے  
اسے ایمان بھی سزا جاتی ہے مغربی تہذیب کی ان

اگر اس سے اللہ ہمارے دل کو محفوظ رکھے آمین۔

سیدہ کنزی زین..... منشی بساوا الدین

سوال:- آپ کی کیا آپ نے اپنا ناول ”پیشگی پلوں  
کی بات سے متاثر ہو کر لکھا تھا؟

جواب:- طلاق کے بعد جو بچوں اور خود ان پر مش  
میں طرح زندگی بے رنگ ہو جاتی ہے یہ میرا موضوع

سوال:- آپ کو اپنے اس ناول میں کون سا کردار  
سب سے زیادہ پسند ہے؟

جواب:- بری، طغرل!

سوال:- آپ کی آج کل کیا کرتی ہیں؟

جواب:- آج کل میں ایک ”سوپ“ لکھ رہی ہوں  
جو ان لکھنے پر خیریت بھی پڑے گی۔

سوال:- آپ کی آپ نے کہا کہ لکھنا سب سے  
شروع کیا اور آپ کی پہلی کہانی کون سی تھی؟

جواب:- میں نے 90ء سے تحریر کا آغاز کیا تھا۔

سوال:- آپ اپنی تمام باتیں کس سے شیئر کرتی  
ہیں؟

جواب:- مجھے اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا اور اراحد  
پسند ہے۔

سوال:- آپ کی زندگی کا سب سے خوب صورت  
لمحہ اور سب سے بد صورت کون سا تھا؟

جواب:- عمرے کی ادائیگی کے دوران گزرا ہر لمحہ  
بہت خوب صورت تھا..... بد صورت لمحوں میں بہت

سوال:- آپ کی جی کو کوئی کہانی لکھنا چاہے تو اس کے  
لیے آپ کی نصیحت ہوگی؟

جواب:- محبت کا پیغام عام کر کے نوٹے رشتوں کو  
اپنے قلم سے جوڑیں۔

سوال:- جب آپ کسی سے پہلی باتیں ہیں تو سب  
سے پہلی بات کتنی ہیں؟

جواب:- اخلاق! مجھے سادہ اور باہر تو لوگ اچھے  
لگتے ہیں۔

فاخرہ ایمان..... لاہور

سوال:- آپ آج کل میں کم کیوں دکھائی دیتی ہیں؟

جواب:- شاید ہی لکھنے پڑھنے ہو جاتا ہے۔

سوال:- آپ کہانی خدائی میں یا حقیقی؟

جواب:- نہ ہی ہاں اور نہ ہی کی آمیزش ہوتی ہے۔

ربیعہ زبیر..... کراچی

سوال:- دشت آرزو میں زون کے علاوہ آپ کا  
فیورٹ کردار کون سا تھا؟

جواب:- دشت آرزو کا مسموم۔

سوال:- دشت آرزو کا وہ کون سا سین ہے جب  
آپ کو روکا گیا۔

جواب:- اس وقت جب ”دشت آرزو“ میں حمزہ کو  
لے جاتے ہوئے چند سارے ڈانٹوں دیکھتا ہے۔

اچھا وقت تھی جلدی کرتا ہے یہ مجھے آپ لوگوں  
کے درمیان سے اٹھنے ہوئے محسوس ہو رہا ہے آپ کے

سوالات سننے میں ڈھٹا اٹھا ہے۔ اپنی دعاؤں میں سرور  
یاد رکھیں گا اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو مودعرت

زنگی خبر گیری تو ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی آپ کی  
خیر خواہ ”اقرامیغیر احمر“

تاجیگر سے محسوس ہونے والے خطوط

عطیہ جاوید ملک لاہور۔ پڑھیں افضل شائین

بہاولنگر۔ فائزہ شاہ زارا جی ایم پور رینا مٹان۔ فریحہ

شیر شاہ کڈڑ۔

(لاکھی کا شخصیت ہیں عشنا کٹر ماراجن کے لیے

آپ کے سوالات 5 جون تک وصول ہو جائے چاہیے)

جون 2012

29

انجیل



بہنوں سے درخواست ہے کہ جوابات مختصر اور جامع لکھا کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ تمہیں اس مسئل میں شرکت کر سکیں

## میر گل، دعا اینڈ ملائکہ

گل..... اورنگی ٹائون، کراچی

۱۔ آج کل کی خامی پہلے ہٹاؤں کی یہ صرف تین سے چار گھنٹوں میں مل کر ہو جاتے ہیں اب بتائیے بھلا کوئی پورا مہینہ کن کن گزرا ہے اور آج کل پچھلے آٹے ہی ختم ہو گیا ہوتا ہے؟ اور اب خوبیاں یقین مانے کے اس میں کچھ بناوٹ یا مصنوعی تعریف نہیں کر رہی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج کل کا معیار دو سال قبل لگے لگا تھا مگر اب یہ دوبارہ ایک مضبوط درخت بن چکا ہے اور اس میں نکھار پیدا چکا ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ ہر نئے کھیتے والے کی چیزیں موجود ہوتی ہیں "ہے کوئی ہمارے آج کل جیسا تو سامنے آئے۔"

۲۔ کسی ایک تحریر نے نہیں بلکہ عفت آبی کی ہر تحریر نے محبت کا سکھائی اتر آبی کی تحریروں نے خودداری سکھائی "تم میری زینت کا حاصل ہو اور محبت دل پہ دنگ" کی بات کر رہی ہوں۔ اس میر زمانے "کچھ مینیوں مران داشق وادی" میں جذباتی لکھنا سکھا یا عفت آبی نے لفظوں کے آہنگ سے جہان کی رفیقوں سے دور تنہائی میں بھی میل لگا سکھا یہاں "افسوس جان" اور "اے منہ کوئے جانان" کے الفاظ کا ظلم دلوں کو یوں جکڑتا ہے کہ حد تک اور دیر میرا ہے "جس دج سے کوئی مشکل کو چلا" میں سچائی اور دھن پہ مرنے کا شوق دیا۔

۳۔ ہائے ظالم! کیوں خوش پر ہنگ چڑھتی ہیں ہم نے راز شہنے کی کوکش تو بہت کی ہے۔ مگر ابھی تک

اس میں کامیاب نہیں ہوئے ہاں غریب ضرور شائع ہوا ہیں مجھ تا جیڑ کی اور لکھنا تو چاہتے ہیں اور لکھا بھی ہے معاشرے پر اپنے ارد گرد بکھرے مسائل پر اور محبت تو مجھے ایک معاشرتی حقیقت ہے۔

۴۔ خواہش میں تو دل لیتے ہیں حقیقت میں کہاں ایسے بلند نسب! ویسے خط کو آدھی ملاقات بھی کہتے ہیں۔ تو جی مدیرہ آج کل فرحت آبی (محرور) قیصر آبی شہلا آبی تا شکہ آبی اور امیر آبی سے تو ملاقات ہوئی رہتی ہے والا اب تو بہت پر غلوں اور بحث کرنے والا پایا خصوصاً قیصر آبی کے جو ابھی بہت دل دینے ہیں اور راز شہن آبی آج کل کے ذریعے ہی "حفت عمر طاہر" سے ملاقات ہوئی (بہنوں کی عدالت میں) تو انہیں بھی بہت ناگس اور گریٹ پایا۔

۵۔ مدیران آج کل سے کوئی شکایت نہیں ہے ان کی حوصلہ افزائی ہی ہے جو میں مستقل طور پر آج کل میں لکھ رہی ہوں دور رس کن آتم کنہ دامن۔ ہاں اس ایک لکھ سا لکھ کہہ لیں کہ میرا افسانہ شائع کر دیا کریں چاہے کچھ کرے کیونکہ میرے ہر افسانے میں کوئی نئی کہانی ہوتا ہے۔

## طیبع ذہیر..... شادیوال گجرات

۱۔ آج کل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آج کل بہت جلدی مل جاتی ہے سوچ سوچ کے خامی کیوں نہیں ہیں۔

۲۔ آج کل میں میرا شرف طور کا ناول "یہ چاہتیں ہیں شہتیں" اس ناول نے میری زندگی بدل کے رکھ دی ہے۔ بہت زبردست ناول ہے یہ ای ناول کی وجہ سے تو آج کل پڑھنا شروع کیا تھا۔

۳۔ اگر میں آج کل کی رائٹر ہوتی تو اسلام کو زیادہ سے زیادہ ہائی لائٹ کرتی اور اس موضوع پر ناول لکھتی۔

۴۔ عفت بھٹا میرے ملاقات چاہتی ہیں ان کو بہت اچھا پایا اور ان کی شخصیت بہت زبردست ہے وہ ہر ایک کی آئیڈل ہیں۔

۵۔ جی کوئی شکایت نہیں ہے۔ آج کل مدیران سے کیونکہ میں لکھی ہوں جو ہر ایک کی مجبوری سمجھتی

۱۔ اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

۲۔ ہاں راز شہن..... میرا پورا زاد شہیر

۱۔ آج کل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آج کل AI

In One جڑیدہ ہے۔ مذہبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی اور ایسا موضوع ہے جو یہاں بیان نہیں ہوتا۔ چاہے کہاں کے اندر ہو ایسا حالات کی شکل میں۔ خامی ابھی تک ہے تو کوئی نظر نہیں آتی۔ جب محسوس ہوئی تو ضرور آگاہ کروں گی۔

۲۔ آج کل کی ساری تحریریں ہی کچھ نہ کچھ سبق لے رہی ہیں۔ بہر حال گزشتہ ماہ میرا احمدی "سر پرانز" بڑھ کر زندگی کا ایک نیا سبق ملا۔

۳۔ ابھی تک تو میں نے نئی اور رشتم میں ہی لکھ رہی ہوں۔ چونکہ نئے افق سے میں نے کچھ کھیلنا کا آغاز کیا تھا۔ سو قلم نگاری کا عادی ہو گیا ہے۔ اگر کبھی مجھے آج کل میں لکھنے کا موقع ملا تو میں کسی بچے والے کوئی موضوع بنائوں گی۔ جس میں مرکزی کردار اپنی دہری شخصیت کی بنا پر اپنے اندر عجیب و غریب خواہشات اور سوالات کا ٹھکانا بناتا سمندر رکھتا ہوگا۔

۴۔ ابھی تک میری نئے افق کی ایک پرانی رائٹر شہناز بانو سے ہی ملاقات ہو پائی ہے۔ "عفت طبع" میں لکھ کر اور اپنے اندر خوب صورت باتوں اور کہانیوں کا خزانہ سینے اپنی فکر سے بہت ہی کم نظر آئے والی شہناز بانو میری دوست اور راہبر ہیں بلکہ میری ماں جیسی ہیں۔

۵۔ ابھی تک تو مجھے مدیران سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے۔ البتہ اپنی پہلی کتاب کے بعد اس کے غائب ہونے یا نہ ہونے پر ہی میں اس سوال کا جواب دے سکوں گی۔ لیکن جہاں بات ہو فرحت آبی، قیصر

آراء مشتاق احمد رانگل اور عمران احمد بھائی کی تو ان جیسے تجربہ کار دیرم کی کسی جڑیدہ کٹھن نہیں ہوتے ہیں۔ خدا نہیں ان کا لکھا ساتھ عطا فرمائے۔ آمین

## رابیعہ بصری ملک..... واہ کینٹ

۱۔ جیسے ہمارے بنائیت ممکن نہیں بالکل اسی طرح

خامیوں کے بنا خوبیاں ممکن نہیں۔ انسان کی تخلیق کردہ چیزیں کسی بھی پرکشت میں ہو سکتیں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کی بیش رہی جاتی ہے اور یہی کوٹاہی ہی تو دراصل انسان کے انسان ہونے کی دلیل ہے آج کل بھی ایک انسان ہی کی تخلیق ہے اس لیے ہم اسے بہترین تو کہہ سکتے ہیں مگر پرکشت نہیں۔ اس میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں یقیناً خامیاں ہیں جن میں کوئی خامیوں کا خامیوں پر ہیقت لے بنانا اس کی کامیابی کی ضاعت ہے۔ اور میری نظر میں یہی سب سے بڑی خوبی ہے۔

۲۔ اگر کوئی تحریر زندگی بدل سکتی تو بھلا کس کا رونا کون رونا؟ تحریریں زندگی نہیں بدلتیں البتہ آج کی اور شعور ضرور دیتی ہے جن کی بدولت زندگی کو سمجھنا اور سہل ہو جاتا ہے۔ آج کل کا ایک سلسلہ "ان کی شخصیت" میرا ذہن طور پر بہت ہی نپیدہ سلسلہ تھا اس کی بدولت بہت کچھ کھلے کھلا لیکن بدھشتی سے اب اس کوں ہاں سے مگدائے بول دیا گیا ہے۔

۳۔ آج کل میں ایک تحریر لکھ کر روانہ تو کی تھی جو کہ تاحال کشیدہ ہے۔ تجربے آخری بہت پسند ہے اب یہ لکھتی اور دیکھتی کسی موضوع جو میری ہوس ہے خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارا کچھ تحریریں دوسروں کی اصلاح کا سبب نہیں معاشرے کی عکاسی کریں۔

۴۔ ہاں جی آج کل کی کسی نہیں بلکہ دودھ راہیٹرز سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ کیسا پایا؟ تو جتنا یہ ہی کیوں گی کہ دونوں بہت باکمال ہیں۔ خصوصاً صاحب میرا کہیں دلوں سے آگ لکھنا چھوڑ دیا ہے۔

۵۔ ایسی کوئی خاص شکایت تو نہیں ہے۔ تمام مدیران اپنی ذہنی و فنی انجام دے رہے ہیں۔

## سعید انور..... جھنگ

۱۔ آج کل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ نئے لکھنے والوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ انہیں مزید لکھنے پر آمادہ کرتا ہے اور جہاں کہ بات خامی کی ہے تو جس سے بہت زیادہ اور لگاؤ ہوس کی خامیاں نظر



۱۲۔ جس دھجے کو قتل میں گیا، سیرا شریف طوری ایک ایک تحریر بھی جس نے ہمیں حب الوطنی کے جذبے سے شرار کے زندگی کا ایک نیرا سا دکھایا۔  
۱۳۔ رائٹر بنتا مشکل کام ہے۔ اگر میں رائٹر ہوتی تو معاشرتی حالات کو پیش نظر نہ کر لوگوں کے دلوں میں انصاف کا جذبہ ضرور پیدا کر لی اور زندگی کا مقابلہ کرنے کے قابل بنائی۔ آپ دعا کریں کہ میں بھی ایسی رائٹر بن جاؤں۔

۱۴۔ انہوں نے آپ جی کی کسی رائٹر سے ملاقات نہیں ہو سکی مگر آپ جی کو دی جانے والی خیالانی سالگرہ پارٹی میں سب سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیا۔ تمام رائٹر زسے ملنے کا بہت شوق ہے۔

۱۵۔ شکایت یہی کہ انہوں کو اپنی اپنے پیاروں سے ہوتی ہے اور جہاں تک میری بات ہے مجھے آپ جی سے شکوہ ہے کہ "فرل ان سے چیخ مری" سلسلہ کیسٹ بن کر دیا لیکن اب بہوں کی عدالت سے کسی حد تک بھی دور رہا ہے۔

**دانی اسلام..... گوجرانوالہ**

۱۔ میرے نزدیک آپ جی دوسرے ڈائجسٹ کی نسبت جلد مل جاتا ہے۔ اور خامی یہ ہے کہ اس میں میرے پیچھے ہوئے خطوط بہت کم شائع ہوتے ہیں۔

۲۔ "محبت دھتک رنگ اودھ کر" اور یہ چاشنی شمشد نے میری زندگی پر گھرا لڑا۔

۳۔ اگر میں آپ جی کی رائٹر ہوتی تو جوشے کو کھلے ہوتے ہیں ان کے بارے میں ضرور لکھتی۔

۴۔ ابھی تک تو میری کسی آپ جی کی رائٹر سے ملاقات نہیں ہوئی لیکن میرے عیدہ احمد سے ملنا چاہتی ہوں اسے جانا چاہتی ہوں۔

۵۔ جی بی بی کی آپ جی مدبران سے شکایت ہے کہ وہ میرے خطوط شائع نہیں کرتیں۔ آپ جی تو میرا واحد حامی ہے جس کے ذریعے میں اپنے دل کی بات لکھتی ہوں اس لیے آپ جی مدبران سے گزارش ہے کہ اس مرتبہ میرے

تمام خطوط شائع کر کے مجھے خوش ہونے کا موقع دیں۔

**بشوی ملا نور..... کوئٹہ**

۱۔ آپ جی کی کیا تعریف کروں اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں میرے پاس۔ آپ جی سب سے بہتر ہے اس میں کوئی غنا نہیں۔

۲۔ یوں تو ہرگز بہت اچھی ہوتی ہے مگر ایک کہانی تھی وہ ماندہ الفت کی بی باکسن والی جس میں آخر میں احسن سے شادی ہوتی ہے۔ بی بی باکسن بہت اچھی تھی اور اس نے میری زندگی کو نیا رنگ دیا۔

۳۔ محبت پہ لکھتی اور سب سے زیادہ دوستی پر لکھتی مہنگائی پر بھی۔

۴۔ ہائے ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ کسی رائٹر سے ملاقات ہو۔ اگر کبھی ہوں تو ان شاء اللہ چھاپاؤں گی۔

۵۔ نہیں ہم کو شکایت آپ کی سے ہے۔ بس اپنے آپ سے دو غمے ہوئے ہیں

۱۔ بظاہر تو خوش ہوں لیکن حق باتیں ہم اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہیں کہانیاں بہت ہی نازک کر رہیں۔

**فوزیہ سعید..... کوٹ ادو**

۱۔ آپ جی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کتنی کہانیاں بہوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور انہیں کسی باپوں نہیں ہونے دیتے۔ ہمارے پیارے آپ جی کی خامی تو کوئی بھی نہیں ہے۔ ہوتی تو میں ضرور بیان کرنی خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا وقت آئے کہ ہمیں آپ جی کی خامیاں تلاش کرنی پڑیں۔

۲۔ آپ جی کی سب سے بڑی چیزیں بہت زبردست ہوتی ہیں۔ لیکن آپ جی کی سب سے بہت رائٹر سیرا شریف طوری کی چاشنی بہت شمسدیں" نے زندگی کے معنی سکھا دیے۔

۳۔ سیرا شریف آپ جی سارہ نعل انہوں اور محبت میں گندھی ہوئی ملکہ ہیں آپ جی کے لیے۔

۴۔ آپ جی اچھی قسمت کہاں کہ رائٹر ہلوا سکوں ویسے اگر ایسا چاہتا ہوتا بھی تو میں زندگی سے منسلک ہر ناپاک

اور شے کی خاص طور پر اپنے پیارے وطن محبت اور دوستی کے لیے۔

۳۔ فی الحال تو کسی بھی رائٹر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کاش ایسا ہو جائے میں آپ جی کی رائٹر بن کر انصاف سے مل سکوں۔ میں سیرا شریف طوری اور نازیکول ناجی جی سے ملنا چاہوں گی یہ تو ملنے کے بعد بتاؤں گی کہ کیا پایا۔

۵۔ نہیں جناب ایسی کوئی شکایت نہیں جو میں بیان کیوں۔ دعا ہے کہ ہمارا آپ جی آسمان کی بلندیوں کو چھوئے۔ آمین

**زاجدہ ملک..... اربہ شاہ..... حیدرآباد**

۱۔ آپ جی کے ہر ایمر اور نصیحت سلسلہ ہے آپ جی کی خوبی آپ نے خوبیاں کیوں نہیں لکھ سکتے۔ نگے آپ جی کے ساتھ انصاف کیا کریں آپ تو جی ہمارے لاڈلے مہنگے آپ جی میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ اصل متون میں جینے کا حُک کہ ہم نے آپ جی سے ہی سیکھا ہے۔

۲۔ آپ جی کی ہر چیز معیاری اور ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ میں نے کہنا آپ جی نے ہمیں جینے کا شعور دیا ہے۔

۳۔ سو کوئی ایک تحریر جس نے زندگی بدل دی۔ سیرا شریف طوری کا "یہ چاشنی بہت شمسدیں" ہو یا نازیکول نازی کا "یہ جو رنگ دشت فراق ہے" تمام تحریر اپنے آپ میں بدل دی۔

۴۔ آپ جی کا نام لینے سے ہمیں یاد آتا ہے کہ کیا کچھ دل ہم کی رکھتے ہیں۔ تو کیوں نہ یاد آتے ہے سر پر رکھیں۔

۵۔ میں نے تو وہ آپ جی کو سر پر سجا رکھا ہے۔

۶۔ آپ کا خوب پوچھا آپ نے ان شاء اللہ مجھے نہ صرف رائٹر بنانے بلکہ صرف آپ جی کی رائٹر بنانے کیونکہ میری دل ہے کہ جس لاڈلے آپ جی نے مجھے قلم

قلم سے پر مجبور کیا ہے میری تحریر بھی اسی کے لیے ہوئی چاہیے۔ اور میں آپ جی کے ساتھ جو کہیں کر سکتی تو جی جناب میں آپ جی کی رائٹر بنوں گی اور میں انصاف لکھ رہی ہوں۔

۷۔ اپنے آپ جی کے لیے اور میرا موضوع ہے "پاکستان اور حب الوطنی" اور پاکستان کے موجودہ

حالات پر۔

۸۔ آپ جی کی کسی رائٹر سے کبھی ٹکراؤ (بہاؤ) مطلب بھی اجا یک ملاقات نہیں ہوئی۔ یقین ہے کہ جس طرح ان کی تجا پر چاند اور شام رات ہوتی ہیں ویسے وہ خود بھی انتہائی اچھی ہوں گی اور میں ان کو ہمیشہ اچھا ہی یادوں کی۔ آپ جی کا پورا انصاف ڈی وڈیو اور طائر ہے اور فخر شائس بھی۔ مجھے آپ جی کا ادارہ بہت پسند ہے۔

۹۔ شکایت جی جی کیوں نہیں لکھ سکتیں بھی انہوں سے ہی ہوتی ہیں۔ لیکن مدبران آپ سے لاڈ کو شکایت بڑی دیر نہیں ہے۔ البتہ ہمارا آپ سے لاڈ کو شکایت بڑی دیر سے ہے۔ میں جتنے بھی خطوط لکھوں لاڈ کا تاثر کروں منت کروں پر ہمارے رول کی انہیں۔ برائے سہرا بی بی تو میرا خط پیغام شائع کر دیا کریں۔ میں آپ جی فرینڈز کے پیغام کو غور غور سے چھتی ہوں کہ آخراں میں ایسا کیا ہے جو لاڈ کے خدا میں نہیں۔ پر کہیں سے مجھے اپنا قصور نظر نہیں آتا۔ سارے قسمت کی نظر ملی ہے۔

**عالیہ کاظمی..... کوئٹہ**

۱۔ آپ جی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر کسی کو موقع فراہم کرتا ہے اپنے سرورق پر آنے کا دوسرا آپ جی میں جو چیز سنجوہ شائع ہو جاتی ہے ورنہ دوسرے ڈائجسٹ تو صرف نام کے ہیں۔ ان شاء اللہ آپ جی میں کوئی خامی نہیں۔

۲۔ آپ جی میں یوں تو بہت ساری تحریریں ہیں مگر "ورمانہ الفت" اور "بس اک جہن پر چائی تھا" یہ دونوں ناول اور ۱۴ اگست یہ ایک کہانی بھی لیکن شب احمد شاہ نورانی میرا کام نام تھا یہ کہانیاں میں بھلا نہیں کتنی اور میری زندگی میں اک کردار دیا گیا ہے۔

۳۔ زیادہ سے زیادہ دوستی آمین اور محبت پر۔

۴۔ ابھی نہیں ہوئی کہ رول تو ان شاء اللہ چھاپاؤں گی۔

۵۔ کہانیاں بہت کم ہی لکھتی ہوں۔ پھر انصاف دینے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۲۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۳۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۴۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۵۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۶۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۷۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۸۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۹۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۰۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۱۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۲۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۳۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۸۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۴۹۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۰۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۱۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۲۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۳۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۴۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۵۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۶۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۵۷۔ جتنے میں محنت لگاتی ہوں۔

۱۔ انچل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے اس کی وجہ سے کفر دان سمجھے لیکن یہ دوستوں کے ساتھ دلیانے کا اچھا ذریعہ ہے اور باقی رسالوں کی نسبت جلدی مل جاتا ہے اور خامی اور کوئی کس ایک سے اس میں چیزیں چھپنے کا بہت انتظام کر دیا جاتا ہے بہت عرصے میں چیزیں چھپتی ہیں اور کبھی کبھی نہیں ہوتی۔

۲۔ اس کی کوئی تحریر نہیں جس نے زندگی بدل دی ہو۔  
۳۔ معاشرے میں پیدا ہونے والی بدعنوانیوں پر۔  
۴۔ انچل کا دور رسائز سے ملتی ہیں ایک فیصحا صرف دوسری صدی ہجری ال کا شاف سے ملتی ہیں اور بہترین ملاقات رہی بہت اچھے طریقے سے دونوں ملیں۔  
۵۔ کوئی نہیں ہم شکایت کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔

### عروسہ شہوار

۱۔ انچل کی سب سے بڑی خوبی کی بات کی جائے تو پہلا جملہ یہی ہوگا کہ انچل کا پناہ لگ ہی ایک معیار ہے بلاشبہ انچل کا چناؤ اس کی تحریریں ہوتی ہیں جو واقعی قابل اشاعت ہوتی ہیں۔ اپنا معیار لیے ہوتی ہیں اس زمرے میں چاہے کوئی نیا لکھنے والا ہو یا پرانا لکھاری اور جہاں جہاں نظر دوڑائی جائے خامی کی جانب تو دور دور تک خوبیاں نظر آتی ہیں وہی ایک ہر ماہ تمام کی تمام بہنوں کی افلاکات انچل کا حصہ بننے سے رہ جاتی ہیں۔ مگر یہ خامی بھی خوبی لیے ہوتی ہے۔

۲۔ بہت ساری تحریریں ایسی ہیں جن کو پڑھ کر ہم خود میں تبدیلی محسوس کرتے ہیں لیکن مشتاق احمد قریشی کا دانش لکھ پڑھ کر اماندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے اندر خود کی ذات میں نہ اور کسی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ صحیح مانے دانش لکھی تمام تحریریں انسان کو سننے اور کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتی ہیں اپنا محاسبہ کرنے پر آمادگی ہیں۔

۳۔ آہم خوش کیا اور رائزہ بھی پیارے انچل کی اگر ہم انچل کے رائزہ ہوتے تو جانب سن صرف اور صرف ان سکون پیدار محبت اور چاہت جیسے موضوعات کی بھر مار کر دیتے۔

۴۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم جس رسائز کی تحریریں پڑھتے ہیں اس کی تحریریں ذہنی لگا کر نہیں کہنے کی کوئی شکر کرتے ہیں ان کی تحریر سے جو اخذ کرتے ہیں وہی ساری خیال تصور ان کے بارے میں قائم کر لیتے ہیں اور وہ شور ایسا بلند ہوتا ہے کہ کوئی کی برداشت نہ ہوگی ہاں البتہ ملاقات پر چوبیس کے ضرور محسوس ہوتے ہیں ان کے بارے میں جیسا سوچا گیا ان کو دیا گیا؟

۵۔ کوئی شکایت کی گئی ہے یا چھاپا لیا ہے تو گوارا نہ کر لیا کرتے ہوئے تحریریں ساجی کمال کرتے ہوں ناں جی ناں ہمیں کوئی شکایت ہے نہ شکوہ۔ مدیران کو جو معیاری لگتا ہے وہی اشاعت پاتا ہے ہمیں تو اس بات پر یقین ہے۔ انچل سے اگر کوئی شکایت ہوگی تو در زبان نہیں آئے دینی تو پھر کیوں ہم اپنے الفاظ شافی الفاظ دہرا کر لفظوں کی حرمت میں کی کریں۔ بس محبت ہے محبت ہے محبت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

### شمع مسکین..... جامیور

۱۔ انچل تو ہمارا شاہانہ اللہ سے خوبیوں کا شہزادہ ہے۔ اس کی ایک سب سے بڑی خوبی جو اس کو انفرادیت بخشتی ہے وہ ہے اس کا وسیع قلب جو ہر آنے والی کی رسائز یا قاری کو خوش دلی و فرخ اندی سے اپنے اندر گہرا ہم کرتا ہے۔ ہم اپنے تمام پیشتازہ راز انچل سے شیر کرتے ہیں۔ وہ ہمیں اس کی راہ دکھاتا ہے اور ہمیں یہ راہیں مل جھوکو کام دیتا ہے۔ اسے بھی خامی تو کوئی نظر آتی ہی نہیں ہے۔ آٹھوں پر محبت کی پٹی بندھی ہے۔

۲۔ ایک وقت باپوسیوں کی انتہا کا تھا۔ زندگی بے معنی سی لگنے لگی تھی۔ ایسے میں میرا آپنی نے ناپییدوں سے نکال کر بہا لیا۔ ”چاپیں شدتیں“ کی صورت جی واقعی مجھے اس نے ہی احساس دلایا کہ جذباتیت سے کام لے کر ہے۔ سدھرے نہیں۔ اگر ہم جذبات کے تصور سے نہیں لنگھتے تو یہ ہماری زیت کی تمام خوشیاں لے جائے گا اور یہ عارضی پریشانیوں مستقل ہمارے مقدر میں لکھی جائیں گی۔ اسی تحریر نے ہماری زندگی میں بدلاؤ

۱۔ اس کا اور میں اس کا کر بیٹ میرا آپنی کو دل کی۔  
۲۔ اونٹنی جلائی سے ہمارا راز پوچھا جا رہا ہے۔  
۳۔ ہم باہد ملتیں کی رسائز بننے کا ارادہ رکھتی ہیں اور آپ بات کرتی ہیں موضوع بنانے کی۔ یہ نہ ہو اور موضوع بنائیں اور اصرار کیا تیار ہو اور ہم اپنے ساتھی کا ہمارا پناہ ملواری کو آتش کی تذکر کریں۔ میں کرکٹ کے موضوع پر لکھی کر کرکٹ کو کیسے سیاست نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ انڈیا سے بیت میں کون سے نقصان اور بارش کون سے مفاد پہنچا ہیں۔ بھی خیر میں کرکٹ پر مضمون تو نہ تھی لیکن یہی تحریر میں کرکٹ کا حوالہ بہت زیادہ ہوتا۔

۴۔ کاش ایسا ہو جاتا مگر ہم نہیں ہے۔ صرف خواہش ہی ہے کہ کسی رسائز سے ملو، انچل میرا شریف طور آقا صغیر احمد سے ملوں ویسے انچل کے توسط سے اپریل میں میری ملاقات عفت سحر طاہر سے ہوئی۔ اسے بہت حساس کچھ شرج اور بہت کیئرنگ پیلا۔ خوش اخلاق اینڈ خوش گفتار محسوس ہو میں۔

۵۔ نہیں بھی اپریل تک تو کوئی شکایت نہیں تھی مگر میں مجھے شکایت ہے کہ قیصر آغی سے میں نے اپنے تعارف کے بارے میں پتا کیا تھا کہ ملا ہے یا نہیں۔ مگر کوئی جواب نہیں دیا جو کہ میں نے جون 2011ء میں پوسٹ کیا تھا۔ اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ بس یہی چھوٹی سی شکایت تھی۔

تاخیر سے وصول ہونے والے خطوط کنزرا کنول پکوال۔ کل رہا باب لاہور۔ منزه یا مین کلاب۔ محنت سید محمد رمضان حیدر آباد سندھ۔ وجہہ یا بکین۔ بھاد پور۔ سارے چوہدری۔ حجرات۔ عائشہ سلیم فیصل آباد۔ اقرابیم ادا کاڑہ۔ فائزہ اللہ رکھا۔ ریاب ثالث مرید کے۔ پریوش کوندل منڈی بہاؤ اللہ دین۔

## آنچل کے ہمراہ

- (۱) رمضان کے حوالے سے کوئی فرمائش جو آپ آنچل سے کرنا چاہیں؟
- (۲) رمضان کے مقدس و بارکرت مہینے میں آپ کی کوئی ایک عادت جو آپ کو بے حد پسند ہو؟
- (۳) ماہ رمضان کے حوالے سے کوئی خصوصی دعایا وظائف جو آپ آنچل بہنوں سے شہر کرنا چاہیں؟
- (۴) ماہ رمضان میں سحر و افطار کی مصروفیات کے باوجود آنچل کے کس سلسلے کو پڑھنا نہیں بھولتیں؟
- (۵) اس ماہ رمضان میں آنچل کے لیے آپ کی خصوصی دعا؟

آپ ان سوالات کے جوابات 08 جون تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کر سکتی ہیں۔



یہ عشق تھا فقط عشق جس کا مسئلہ تھا  
اس امتحان میں سجدے نہ استعارے تھے  
خدا کرے کہ تیری عمر میں گئے جائیں  
وہ دن جو ہم نے تیری ہجر میں گزارے تھے

بال نما کرے میں اس بل ایسی گھبر اور جامد  
خاموشی چھا گئی جیسے یہاں صرف درد و یار کے علاوہ  
کوئی انسان ہی نہ ہو حالانکہ اس وقت کمر گھر کے  
تمام کینوں سے بھرا ہوا تھا مگر سب کے لبوں پر جامد  
چپ اور آنکھوں میں ڈھیر سارا استغیاب و حیرت کے  
ساتھ ساتھ دکھ اور غصہ بھی ہلکورے لے رہا تھا۔  
سب بھی ایک نظر آغا جان کے سیات مگر  
پتھر لیے چہرے پر نگاہ ڈالتے تو دوسری جانب  
بچرموں کی مانند سر جھکائے اس سر پھری باغی لڑکی  
کو دیکھتے جس نے کس آرام و اطمینان سے اپنے  
چند بھلوں کے بارود سے اس کھر کے صدیوں  
پرانے اصول و قانون پر درازیں ڈال کر علم  
بغاوت بلند کیا تھا۔

”جائے اس لڑکی کے ساتھ آغا جان کیا سلوک  
کریں یہ ہمت ہم سے تو ہوئی نہیں اور اس نے لڑکی  
ہوتے ہوئے کر ڈالی۔“ گھر کے لڑکے اسی بچ پر  
سوچے جارہے تھے وہ ورشہ کی اس قدر جرأت و  
بہادری پر دنگ تھے مگر کہیں کہیں دل میں مسرت کے  
جانچو گی گھٹسار ہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ورشہ کی اس

دلیری کی بدولت ان کی زندگی میں بھی کچھ تبدیلیاں  
آجائیں۔  
”ہوں تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔“ طویل  
خاموشی کے بعد آغا جان کی بھاری و سخت آواز فضا  
میں گونجی تو سب ہی نے اپنی اپنی سوچوں کو فی الفور  
جھٹک کر آغا جان کی جانب کچھ سنبھلے اور جھپٹا نہ انداز  
میں دیکھا یقیناً ورشہ ذوالفقار پر کوئی کڑی دفعہ لگنے  
والی تھی۔ ورشہ نے اترے چہرے سمیت آغا جان پر  
صرف ایک نگاہ ڈالی اور پھر سے چہرہ سجدے میں  
گرایا البتہ سر کے اشارے سے ہاں ضرور کر ڈالا۔  
آغا جان نے بغور یہ اشارہ دیکھا اور پھر کچھ دیر اس  
کے کھٹکے ہوئے سر کو دیکھا۔

”ٹھیک ہے اگر تمہاری مرضی اور خوشی اسی میں  
ہے تو ہم تمہارے فیصلے پر راضی ہیں۔“ آغا جان کی  
آواز پر ورشہ نے کھانگی کی تیزی سے سر اٹھایا باقی سب  
نے بھی انتہائی الجھنے سے آغا جان کو دیکھا جب کہ  
حذیفہ بھائی نے انتہائی بے قراری سے پہلو بدلا تھا۔  
آج سے پانچ سال پہلے یہی بات حدیث نے آغا  
جان سے نہائی میں بھی تھی مگر..... اگر اس وقت ردا



یہاں موجود نہ ہوتی تو وہ یقیناً صدائے احتجاج بلند کرتے آغا جان نے ایک نگاہ خاص حذیفہ کے ستے چہرے پر ڈالی آنکھوں سے اظہار شکوہ پڑھ کر ایک بار پھر روشنی جانب دیکھا جس کا چہرہ اس بل روشنیوں تکبیر رہا تھا۔

”آغا جان! ٹھیک ہی تھیک یو سوج.....“ ورشہ فرط سرت سے لبریز لہجے میں بولی آغا جان کی جانب بڑھی یہی تھی کہ اس کے جملے پر اس کے قدم یک دم ٹھک گئے۔

”شہر یار بیٹا! ہمارے اصول کے مطابق ورشہ کے حصے کی تمام جائیداد صرف تمہاری ہے اب ورشہ کا اس پر اپنی پرکھتی ہیں ہے اور ہاں کھر کے لوگ ورشہ سے تعلق رکھتا ہوں تو ہمیں اعتراض نہیں مگر ورشہ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

”آغا جان!.....“ صدر اسے اپنی دولت کے چھن جانے کا طعنی نہیں تھا کیوں کہ آغا جان نے اس خاندان کی صدیوں پرانی روایات کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی جلدی چھٹی دولت اور جائیداد کو صرف اسی شرط پر دینے کا فیصلہ کیا تھا جب لڑکے اور لڑکیاں صرف خاندان میں ہی شادیاں کریں بصورت دیگر اگر کوئی خاندان سے باہر اپنی پسند سے شادی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اسے اپنی جائیداد سے ہاتھ دھونے پڑے گا اور اسی صورت میں تمام جائیداد اس کو مل جائے گی جس سے وہ منسوب ہو اور شہر یار تعمیر کو ورشہ کا منگیت ہونے کی بدولت اس کی تمام جائیداد مل گئی تھی۔ ورشہ کو دکھ جائیداد چھن جانے کا ہرگز نہیں تھا کیوں کہ وہ یہ فیصلہ کرنے سے پہلے محبت کی پُر خارہاہ پر قدم رکھنے ہی جان کی تھی کہ میرے بات اس کے گمان میں نہیں تھی کہ آغا جان اسے اپنی محبت، شفقت اور قربت سے بھی محروم کر دیں گے۔ حذیفہ کی آنکھوں

میں اب اطمینان و سکون تھا کیوں کہ آغا جان نے اسے بھی اپنی لوگ سے شادی کرنے کی یہی شرط عائد کی تھی جس پر وہ اپنی پسند سے دست بردار ہو کر اپنی چھوڑاؤ دار کالہا بن گیا تھا۔

”ورشہ تم میں تو بڑا لگتا ہے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم نے سوچا بھی کیسے کہ تمہاری شادی خاندان سے باہر ہو جائے گی۔ اتنی بے جا ہوئی تم نے بھی بھول گئیں کہ شہر یار کی امانت ہو اس کی منگیت بڑا پانچ سال پہلے ہی تمہاری شادی شہر یار سے طے ہو چکی ہے پھر بھی؟ پھر بھی تم نے یہ قدم اٹھایا۔“ مہوش ٹیکم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی اکلوتی بیٹی کو بری طرح پیٹ ڈالیں۔ نگانے کسی کی محبت کے فریب کے جال میں پھنس کر ان کی اتق بنی تھی شہر یار جیسے امیر کبیر لڑکے سے دست برداری کا اعلان کر کے خود بھی جائیداد سے ہاتھ دھو کر ناپادان چھاڑ کر بھکاری بن گئی تھی اور تو اسے سارے کھر والوں کی نظر میں مقرب بھی شہر کی تھی۔ وہ بخوبی دیکھ رہی تھیں کہ سب اسے شہرارت غصے، حسرت اور آفسوس سے دیکھ رہے تھے۔

”بھائی! اگر میری فریال ایسی حرکت کرتی تو میں اس کا گلا ہی گھونٹ دیتی۔“ چھوٹی چھوٹی رعزت سے بولیں۔

”ارے آج تک اب خاندان کے کسی لڑکے نے یہ قدم اٹھانے کی جرأت نہیں لی اور انہیں دیکھو جیسا تک بھری لڑکی اپنی پسند سے اپنا جیون ساتھی بن رہی ہے۔“ جمبلی تانی جی جلیلا کر بولیں آخراں کے بیٹے حذیفہ پر آغا جان نے ردا جو مقرب دی تھی۔

”آغا جان اب میرے شہر یار کیا ہوگا؟ اس لڑکی نے پانچ سال پرانے رشتے کو کتنی آسانی سے ٹھکرا دیا آخر میرے بچے کا کیا قصور تھا؟“ تانی اہی

بولے بولیں سامنے سوئے پر شہر یار خاموش رہا تھا سب ہی کی نگاہیں شہر یار پر تھیں۔

”آغا جان! میں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں؟“ آپ نے ورشہ کو اس کے پسند کا شریک سفر ہونے کی اجازت دے دی ٹھیک ہے آپ نے اس خاندان کے اصول کے مطابق اسے جائیداد سے مل کر دیا..... مگر آپ نے ورشہ کی خاطر اس اصول کو بھی توڑ دیا آغا جان جائیداد چھنا آپ کا مقصد نہیں تھا آپ نے صرف ہم سب کو جائیداد کی ڈوری میں ڈال لیے باندھا کہ ہم باہر شادیاں نہ کریں مگر ان کے بعد تو یہ اصول یہ قانون ٹوٹ گیا تھا۔“

”شہر یار بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے آغا جان! جب آپ نے ورشہ کو خاندان سے باہر اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دے دی تو آج کے بعد اس اصول کو بھی توڑ دیجیے۔“ تایا ابو بھی ناگواری سے بولے۔

”میں آپ کے اصول کے مطابق خاندان میں شادی کرنے کو پہلے بھی تیار تھا اور اب بھی ہوں..... مگر آغا جان..... کیا یہ دوسروں کے ساتھ نا انصافی نہیں کہ ورشہ کے لیے آپ نے اپنی تمام روایتیں توڑ ڈالیں اور ہمارے لیے.....“ شہر یار نے تصدأ جملہ ادا کر چھوڑ دیا۔

”مگر ورشہ کو آغا جان نے جائیداد سے محروم بھی کر دیا ہے۔“ ذوالفقار صاحب ورشہ کے والد جمبیدی سے بولے۔

”جائیداد اور ہم نہیں ہے چچا جان! ہمارے گھر کے اصول ہیں۔“ شہر یار بردباری سے بولا۔

”آغا جان! دیکھیے میرے بچے کی سعادت مندی وہ اب بھی آپ کی مرضی کے مطابق خاندان میں ہی شادی کرنے پر راضی ہے مگر بروائی کا تقاضا تو

یہی ہے کہ آپ اب سب لڑکوں کو ان کی پسند اور خاندان سے باہر شادی کی اجازت دے دیجیے۔“ تانی اہی کی بات پر لڑکوں کے دل بلیوں اچھلنے لگے۔

”آف یہ محبت بھی اور کو ان کو سی آرمایش دکھائے گی۔“ ورشہ نے ہم کر مچوایا۔

”آغا جان! بھائی صلح ٹھیک کہہ رہی ہیں انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ باقی سب کو بھی اجازت دے دی جائے۔“ بڑے چھو پانے اسے لاڈلے بیٹے ذوالفقار کو دیکھا جسے شہر یار کی بہن عدینہ کے لیے زبردستی راضی کیا جا رہا تھا۔

گھر کے سب بولے انہیں اپنی اپنی رائے سے نواز رہے تھے۔

”ٹھیک ہے آج کے بعد یہ اصول اس گھر سے خارج کیا جاتا ہے تم سب اپنی مرضی کا شریک سفر ہونے کے لیے خود مختار ہو۔“ بہت بڑے بعد آغا جان کی جھکی تھکی کمر زور آواز ابھری لڑکوں پر جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ”چوں کہ شہر یار کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے وہ پانچ سال ورشہ کے ساتھ منسوب رہا بقینا شہر یار کے دل کو گھسیں گی ہوگی لہذا ورشہ کو سزا کے طور پر اپنی جائیداد سے دست بردار تو ہونا ہی پڑے گا اور..... یہ اصول ورشہ کے بعد تو نا ہے لہذا اسی سابقہ اصول کے تحت اس کی جائیداد شہر یار کو ہی ملے گی۔“ صدائے اصول پسند آغا جان نے اپنا فیصلہ سنایا اور کمر اچھوڑ گئے ورشہ نے بے ساختہ ان کے پیچھے جانا چاہا مگر اس کے قدم زمین نے پکڑ لیے۔

ورشہ کمرے میں آئی اور نہ ہال ہی ہو کر بستر پر ڈھکے لیٹ رہا اس کی نگاہوں میں آغا جان کا کٹہر چہرہ سامنے آ رہا تھا کتابچہ کے تختے آغا جان اس نے اسے یاد ہے کہ بچپن سے لے کر آج تک انہوں نے

اس کی کوئی بات نہیں نالی تھی اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا مگر..... ایک محبت کرنے کے جرم کی پاداش میں آغا جان نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنی شفقت اپنی محبت سے محروم کر دیا تھا وہ گرم گرم آنسوؤں کی آنکھوں سے گرے اور پھر یکے بعد دیگرے آنکھوں سے بے رنگ موتی گرتے چلے گئے۔

”ہشتم علی! دیکھو تمہاری محبت میں میں نے اپنے آغا جان کی محبت اپنے پیاروں کی شفقت قربان کر ڈالی ہے تم پہلیز کسی مجھے باپس مت کرنا“ خدا کی قسم ہشتم علی خان! اگر تم نے مجھ سے اتنی محبت نہ کی ہوئی تو میں بھی آغا جان کی مرضی کے خلاف نہ جاتی۔ ابھی انہیں دکھ نہ دیتی، ابھی ان کا سر جھکنے نہ دیتی۔“ ورشدورشد بولنے خود سے بولی۔

کوئی تعویذ ہو رد بلا کا محبت میرے پیچھے پڑ گئی ہے ایک دم متجہم بنے ورشد کی توجہ اپنی جانب مڑدول کی موبائل پر ہشتم علی کا نام جگ جگا رہا تھا۔ ورشد نے بے ہوشی میں تین گھنٹے گھولا۔

”تمہاری ہر خوشی تمہارے ہر غم تمہارے آنسوؤں تمہاری ہنسی میں ہشتم علی ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے۔“ ہشتم علی کا منہ پڑھ کر وہ اور زیادہ دھکی ہو گئی اور نیچے میں منڈال کر بے آواز رو دی۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی روتے روتے نجانے کب نیند اس پر ہمران ہو گئی تھی گھڑی صبح کے دس بجاری تھی وہ اسپرنگ کی مانند بیڈ سے اچھل کر کھڑی ہوئی۔

”اومانی گاڈ! دس بجے تو مجھے اسپتال میں ہونا چاہیے تھا۔“ ورشد بڑبڑائی اور پھر جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھپکے مار کر وارڈ روم کی جانب بڑھ گئی پندرہ

منٹ بعد وہ پورٹیکو میں کھڑی اپنی کار اشارت کر رہی تھی کہ جب ہی اس نے بیک مر سے صدف کو اپنی چارہ کی پٹی انشراح کے ہمراہ آتے دیکھا وہ چند لمحے کے لیے ہانک سا کست ہی ہو گئی یقیناً کل شام وہ ہونے والے حادثے کی خبر تانی ای نے اسے دے دی تھی۔ صدف اسے گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر بھی تکی وہ انشراح کو گود میں اٹھائے گاڑی کے قریب چلی آئی۔

”ارے صدف! یہ آج سویرے سویرے کیسے؟“ ورشد اپنے لہجے کو ہشتم علی نازل بنا کر خوش گوار لہجے میں بولی۔

”سویرے؟ نہیں ورشد بہت دیر سے..... اتنی دیر سے کہ پانی سر سے گزر گیا اور میں خبر بھی نہیں ہوئی۔“ صدف دکھ سے طرے پٹے میں بولی وہ اس کی کزن ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی دوست بھی تھی۔ ورشد کے اسٹیئرنگ پر ہتے ہاتھ یک دم ڈھیلے پڑ گئے ساتھ ساتھ اعصاب بھی۔

”صدف! ہم پھر بات کریں گے اس وقت مجھے ڈاکٹر خزان کا بہت ضروری لکچر.....“ نہیں ورشد! ہم پھر بات نہیں کریں گے ان کیٹ اب بات کر کہ کوئیہ بچا ہے کیا؟ تمہیں تمہاری نئی زندگی مبارک ہو!“ اجنبی انداز میں کہہ کر صدف داخلی دروازے میں چھپا کر سے گھس گئی۔ ورشد سُن ہی بیٹھی رہ گئی پھر بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھال کر گاڑی اشارت کر دی۔

ہشتم علی خان کے چہرے پر اس وقت گمبیر سوچوں کی لکیریں چھنی ہوئی تھیں! آنکھوں میں تابیجھ آنے والے تاثرات رتھال تھے اور عانی ہونٹ حتی سے ایک دوسرے سے پیوست تھے سب کچھ ہشتم کو ہتا کر ورشد بھی کم صم ہی ہو گئی تھی۔ کل دوپہر کو ورشد

”جی ہاں! مجھ سے تو یہی کہا ہے۔“ عہد یہ رکھا ہی سے بولتی دروازے سے پلٹ گئی۔ آج ایک نئے بعد آغا جان نے اسے یاد کیا تھا اس کا دل یک دم مسرتوں سے بھر گیا وہ جلدی سے ابھی کو بنا فائل Save کیے آغا جان کے کمرے کی جانب لپکی۔

”آغا جان! آپ نے مجھے بلایا؟ آپ نے مجھے معاف کر دیا؟“ آپ بہت اچھے ہیں آغا جان! مجھے آپ سے.....“

”تم غلط سوچ اور سمجھ رہی ہو ورشد.....!“ آغا جان نے ورشد کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی ورشد نے انتہائی چونک کر آغا جان کے حد سے زیادہ سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھا اس پل ان کے تئور اسے بہت کچھ بتائے تھے وہ بچھی گئی اور آہستہ سے سر جھکا گئی۔

”تمہیں بس یہی کہنا ہے کہ اس لڑکے کے والدین کو ہمارے پاس بھیجتا کہ ہم تمہاری ذمہ داری سے جلد از جلد سکون ہو جائیں۔“ آغا جان کی گمبیر آواز ان لفظوں کے پیرا بن لیے اس کی ساتوں میں اتزی تو یک دم اسے گانے بہت سی لکیریں اٹھائیں اس کے اندر آگ آئی ہوں عجیب سی چھین اور سٹن کا احساس ورشد کو ہوا آنکھوں کے جام تیزی سے سلبا بن گئے۔

”آغا جان کیا آپ.....!“ ایک بار پھر آغا جان نے اس کی بات کا پانی اور انوں پر بھی کتاب چہرے کے آگے کر لی۔ واضح اشارہ تھا کہ وہ یہاں سے چل جائے ورشد نے غلٹی آنکھوں سے آغا جان کو ان کی مخصوص کرسی پر بیٹھے دیکھا اور پھر من من بھر کے قدموں سمیت وہاں سے چلی آئی۔

اس وقت ورشد کا غصہ ساتویں آسان کو چھو رہا تھا





کی طرح جھومنا شروع کر دے اور چلا چلا کر دنیا والوں سے کہے "دنیا والو! دیکھو مجھ کو یوں تو مجھ پر مسو قہقہہ لگائو میری ہنسی اڑاؤ۔"

ساکت بیٹھے بیٹھے ایک اس کے لبوں پر بڑی جان دار مسکراہٹ آئی۔ مگر یہ کیا..... ایک دم آنکھوں میں کسی نے خنجر کی نوک بے دردی سے اتار دی اسے لگا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں کو پھوڑ ڈالا ہو بے ساختہ ورشہ نے اپنی آنکھوں سے نکلنے سیال کو اپنی انگلیوں میں لیا شاید..... شاید خون نکل آیا ہو مگر وہ تو شفاف پانی تھا اپنی نیکی انگلیوں میں وہ لہو کا رنگ تلاشنے کی جوت آنکھوں کے رستے دل سے نکلا تھا۔

"ورشہ تم..... ٹھیک ہو نا؟" شہنشاہ علی خان نے سامنے بیٹھی ورشہ کی قبر ہوتی حالت کو دیکھ کر استفسار کیا مگر جواب نہ مارا۔ "میں جانتا ہوں ورشہ کہ تمہارے دل پر اس وقت کیا بیت رہی ہے مگر میں مجبور ہوں میرے گھر کی حالت میرے والد کی بیماری میری بہنوں کا مستقبل ابھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں ابھی تم سے شادی کروں اور پھر پایا کی اجازت..... ورشہ نے اچانک سر اٹھا کر جن لگاہوں سے شہنشاہ علی خان کو دیکھا وہ پوری جان سے لرزا تھا۔ "ورشہ میری زندگی بیکار تم....."

"کوئی بات نہیں شہنشاہ! تمہیں جو ٹھیک لگتا ہے تم وہ کرو گھر تم کرو میں اتنا دیکھتی ہوں تمہارے راستے کا پتہ نہیں بنوں گی۔" ورشہ نے شہنشاہ کی بات درمیان میں ایک کر کے عجیب و غریب لہجے میں کہا کہ شہنشاہ کو لگا جیسے کسی تیز دھار اُٹے سے اس کے

سارے اعضا کا کاٹ ڈالے ہوں۔

"دیکھو ورشہ میں....."

"میں نے کہا تا شہنشاہ! اس اُٹے..... اپنی انگلیوں کو کٹی سے اپنی نیکی میں بھینچ کر ورشہ چٹان

جیسے لہجے میں بولی اور پھر تیزی سے کرسی سے اٹھ کر داخلی دروازے کی جانب بڑھ کر باہر نکل گئی اس سے شہنشاہ کو لگا جیسے ورشہ کے جانے کے بعد کسی نے اسے اندھیر اور محض زہد قبر میں اتار دیا ہوئے ساختہ اس نے شرٹ کے اوپری بٹن کو کھولا اور گہری گہری سانس لینے لگا۔

☆☆☆☆

وہ دو دن سے اپنے کمرے میں مقید تھی، مہوش بیگم ماں کا دل رکھتی تھیں۔ یہ ٹھیک تھا کہ بانی گھر والوں کی طرح وہ بھی ورشہ سے سخت خفا تھی مگر وہ بھی وہ دیکھ رہی تھی کہ آج کل ورشہ کس قدر بھیجی ہو چکی تھی نظر آ رہی تھی اور اب تو وہ دو دن سے وہ اپنے کمرے سے بھی باہر نہیں نکلی تھی۔ مہوش بیگم نے ملازمہ کے ہاتھوں جب بھی کھانا بھجوا دیا تو وہی وہاں آ گیا تھا۔

"معلوم نہیں ہے لڑکی آخر جانتی کیا ہے؟ کیوں اپنی جان کی دکن بن گئی ہے۔ ملازمہ کو ایک بار پھر بولی ٹرے واپس لاتے دیکھ کر وہ بڑبڑا کر رہ گئیں۔ ٹرے کو ورشہ نے شاید جھجھکی نہیں تھا۔ اب مہوش بیگم کے غصے اور کھلی پرستیا کی تپ اور پریشانی غائب آ چکی تھی وہ ورشہ کے کمرے کی جانب بڑی بے تابانی سے بڑھیں۔

"ارے امی آپ....." بستر پر کمرہ ورنڈ حال سی بڑی ورشہ نے ناں کو اتنے دنوں بعد اپنے کمرے میں دیکھ کر حیرت سے کہتے ہوئے اٹھنا چاہا مگر پھر بے دم ہو کر بستر پر گر گئی۔

"ورشہ میری بچی.....؟" مہوش بیگم سفید لٹھے جیسے چہرے اور لاغر سے وجود کو دیکھ کر بدمردی طرح تڑپ اٹھی۔

"کیا ہو گیا میری چننا یہ....." ٹو نے اپنی کیا

حالت بنا ڈالی کھانا کیوں نہیں کھا رہی اور دو دن سے کمرے سے باہر بھی نہیں نکلی۔ میری گڑبا! کیوں کھا رہی ہے نہیں..... مہوش بیگم اسے اپنے سینے سے لگا کر وہاں ہو کر بولیوں کی تھان میں اتنے دنوں بعد گہری ہلکے ورشہ کی آنکھوں کے ساحل پر ایک دم طغیانی آ گئی۔ بہت دیر تک دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے سے بولی رہتی رہیں۔

"اچھا اب بس کر خود کو بلکان مت کر..... تیری ماں تیرے ہر فیصلے پر تیرے ساتھ ہے تو جی لے اپنی پسند کی زندگی میں تیرے ساتھ ہوں۔" مہوش بیگم نیکی چلیں سمیت مسکرا کر ورشہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

ورشہ نے ایک نگاہ ماں کو دیکھا آخر وہ انہیں کیسے بتائی کہ جسے اپنی زندگی بھر کسی نے اسے پیاروں کے دلوں کو توڑا تھا کسی نے اس کے دل کو اپنی روح کو زندگی سے محروم کر کے اسے زندہ لاش بنا دیا ہے اور شاید اب خود اپنی ہی لاش کو تا زندگی اپنے گھٹنوں پر اٹھائے اسے اس کو بوجھ کو دھونے ورشہ نے ایک اذیت محسوس کر کے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"اچھا تو بیٹھ میں خود اپنی بیٹی کے لیے کھانا لانا ہوں۔" مہوش بیگم نے کہہ کر جلدی سے بستر سے اٹھیں اور پھر تھوڑی دیر بعد اسے بڑی چاہت سے کھانا کھلا رہی تھیں۔ ماں کی محبت و ممتا پر ورشہ کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔

♥♥♥

"صف! ابس جلدی سے کوئی اچھی سی لڑکی اچھوٹو لو میں جلد از جلد اپنے شہریار کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔" تانی امی کے پورٹن کی جانب آتے ہوئے ان کی آواز اس کے کانوں میں بڑی تو چند لمحوں کے لیے ورشہ کے قدم ٹھہر گئے پھر سر جھٹک کر

وہ شہریار کے کمرے کی جانب آ گئی ادھ کھلے دروازے سے شہریار کی بڑی فریش اور چمکتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ آج سے پہلے اس نے شہریار کی آواز میں اتنی ٹھنک اور خوش محسوس نہیں کی تھی۔ وہ دروازہ ناک کے اندر داخل ہو گئی شہریار نے صوم کے دروازے کی جانب رخ کیا تو کچھ گھٹے کے لیے وہ کمرہ بڑا کر دیکھا خوشی و طمانیت کا محسوس اس کے چہرے پر ابھی بھی واضح تھا۔

"وہ ورشہ تم..... تم یہاں کوئی کام ہے کیا؟" شہریار نے فون کا تسے ہوئے ورشہ سے پوچھا۔ "وہ اونچلی میں..... میں شہریار آپ سے....." وہ نگاہیں جھکا کر انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔ "میں آپ سے معافی....."

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ورشہ! بلکہ مجھے تو تمہیں شکریہ کہنا چاہیے کہ تم نے تین زندگیاں برپا کر دی ہیں۔" شہریار نے اترتے ہوئے شادی کر چکی لڑکیوں کو آتی ہوئے تم اس شخص کو کھول نہیں پاتیں اور نہ وہ نہیں..... شہریار کی بات پر ورشہ اپنی جگہ ٹک کر رہ گئی اور آنکھیں جھک گئیں اسی دوران شہریار کا فون بج اٹھا۔

"میں چلتی ہوں۔" ورشہ رعت سے بولی اور بجلی کی تیزی سے باہر نکل آئی دروازے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ وہیں کھڑے کھڑے شرمندگی کے مارے زمین میں گھٹس جائے گی۔ وہ لاؤنج کی جانب آئی تو ناچنے بیٹھے ہوئے بھی اس کا سامنا صدف سے ہو گیا۔

"وہ تم آئی ہو بیسی ہو؟" صدف انتہائی سرسری لہجے میں بولی ورشہ نے ایک نگاہ صدف پر ڈالی۔ صدف ابھی وہ وزن ہونے کے علاوہ بہت گہری سہیلیاں تھیں جسے مرگاب..... "میں ٹھیک ہوں! انشراح کیسی ہے؟ تم رہنے آئی



ہو؟“ درشہ خوش دلی سے بولی جو اباصدق نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔  
 ”میں ذرا اصرار کو دکھائیوں۔“ یہ کہہ کر صدق وہاں سے ہٹ گئی درشہ کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ بکھر گئی پھر بوجھل قدموں سے وہ وہاں سے پلٹ آئی۔



اس نے اپنے آپ کو ہسپتال میں بے پناہ مصروف کر لیا تھا۔ آغا دلا میں آج کل شہر پارکی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ تالی امی کے میکے والے بھی دیگر شہروں سے آگئے تھے گھر میں خوب گہما گہمی تھی وہ درشہ کی شادی سے پہلے شہر پارکی دہن لے آتا چاہتی تھیں۔ شام کو کھجکی ماندی درشہ گھر آئی تو اسے آغا جان کا پیغام ملا کہ وہ اس سے آکر ملے اس بار درشہ کو خوشی کے بجائے بے پناہ پریشانی نے آنکھیرا۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ آغا جان یقیناً شبھظ کی بابت دریافت کریں گے جب کہ شبھظ جس نے اسے ساحل پر لاکر بڑی بے رحمی سے ڈبو دیا تھا لڑتے قدموں کچکپاتے دل کے ساتھ وہ آغا جان کے سامنے حاضر ہوئی پہلے کی نسبت وہ اسے خامے کزور لگے چہرے پر بھی مخصوص شفاقت کی بجائے پشیمردی کے رنگ عیاں تھے ذکھ کی تندرہ اس کے جگر سے اٹھی تھی آغا جان کی اس حالت کی ذمہ دار صرف وہ تھی۔

”ہم نے تم سے کہا تھا کہ وہ لڑکا.....“ اتنا کہہ کر وہ درار کے پھر ہمارے لیے ہوئے۔ اس کے والدین تمہارا ہاتھ ملاکنے ایسی تک کیوں نہیں آئے؟ میں چاہتا ہوں کہ شہر پارکی شادی سے پہلے تمہیں رخصت کر دوں۔“ آغا جان کا جملہ نہ کر درشہ نے ہراساں ہو کر ان کی جانب دیکھا بیروں تلے زمین

کھسک جانے والا محاورہ اس پل اسے بخوبی سمجھ میں آیا۔  
 ”وہ..... وہ آغا جان اتنی جلدی کیا ہے شہر پارکی شادی کے بعد.....“ وہ تھوک نکلتے ہوئے شبھظ اپنے گلے سے الفاظ کو نکال کر ہونٹوں کی جانب دھکیلتے ہوئے بولی تھی کہ آغا جان نے بہوت سے بات کاٹ کر کہا۔

”ہمیں جلدی ہے تم کل ہی اس کے والدین کو یہاں آنے کا کہنا گلے مجھے کوسا دی سے تم نہیں اس گھر سے رخصت کر دیں گے۔“  
 ”جی.....“ درشہ کا منہ کھلکا کا کھلا رہ گیا۔ ”مگر آغا جان.....“ وہ ہلکے سے بڑبڑائی آکر کیا کہہ آغا جان سے کون سا بہانہ بنائے وہ درشہ کے چاروں جانب دھماکے ہونے لگے۔

”ادھ میرے مالک! کیا کروں آخراں بخنور سے کیسے نکلوں؟“ وہ تپ کر دل میں بولی۔ آغا جان سے اب ایک لفظ کہنے کی بھی درشہ میں ہمت نہیں تھی وہ خاموشی سے پلٹ آئی۔

”کیا کروں! آخراں طرح میں سب کو حقیقت بتاؤں کہ جس شخص کی خاطر میں نے ان سب کی محبتوں کو خاک میں ملا دیا تھا ایسی نہ مجھے اپنے جوتوں کی مٹی کی طرح جھڑا کر اسے پردہ زین کر دیا ہے۔ کیا کروں میں میرے مالک! تھک کر وہ کاؤچ میں گرتے ہوئے خود سے بولی اسے لگا جیسے اس پل اس کا دل بند ہو جائے گا۔ شدید دہنی دباؤ کا شکار وہ چار سو اے گہرا اندھیرا اپنی دکھائی دے رہا تھا۔ تنہا اپلی اور شکست خوردہ کی وہ اس پل کوئی کندھا کوئی ہم درد کوئی بھی تو نہیں تھا اس کے پاس وہ بے ساختہ ہلکا کر رو دی۔  
 ”شبھظ علی خان! میں تمہیں کبھی معاف نہیں

کروں گی میں تم سے نفرت بھی نہیں کروں گی کیوں کہ لڑتے ہی محبت کا دوسرا روپ ہوتی ہے اور میں تم سے یہ بھی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہتی مگر..... آغا جان! انہیں کیسے حقیقت بتاؤں ایک نازم ایک نئی اہیت کیسے دوں مجھے معلوم ہے آغا جان! آپ بظاہر اہت سے لاکھ تھاہیں مگر میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ امی اب آپ کو میرے اجازت دل کی داستان یقیناً دلا دے گی مگر میں..... نہیں ایسا کر رہی نہیں ہونے دوں گی۔ کچھ آتشو جھل علی خان تمہیں بھی اپنی آنکھوں سے بہانے ہوں گے۔“ خود سے بولتے بولتے درشہ آخراں میں اپنی ازلی مضبوطی اور دہنگ سے بولی پھر کچھ دیر بعد وہ ایک پکا فیصلہ کر کے شبھظ علی خان کا نمبر ملائے گی۔



”دعا کی تھی کہ میں زندگی بھر آپ کی صورت وہاں دیکھی نہ دیکھوں..... مگر شاید قدرت کو میرے کیسے کی سزا دی تھی اور اس سے بہتر میرا تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی کہ آپ میرے سامنے ہوں۔“ درشہ اپنے نازل انداز سے کہہ رہی تھی جیسے بہت عامی بات کہہ رہی ہو شبھظ نے اسے کبری نکالوں سے دیکھا۔ تب نہ وہاں میں وہ کتنی بدل گئی تھی پہلے سے کمزور سنجیدہ اور آٹھوں میں جلد خاموش کیسے وہ اس درشہ ذوالفقار سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ بنے شبھظ علی خان جانتا تھا۔

”آپ کو میرے ساتھ پیپر بیرج کرنا ہوگا مسٹر شبھظ علی خان! کیونکہ آغا جان کا اصرار ہے کہ وہ شہر پارکی شادی سے پہلے مجھے اس گھر سے رخصت کر دیں۔“ وہ میز پر بے چہرے سے گلدان کو دھرتے ہوئے بولی۔  
 ”مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ بہت

مجبوریوں ہیں..... مجھے نہ آپ کے گھر ہو بین کر جانے کی تمنا ہے اور نہ آپ کی زندگی میں شامل ہونے کا ارمان..... آپ مجھ سے پیپر بیرج کر کے صرف مجھے اس گھر سے نکال دیں پھر آپ اپنے راستے میں اپنے راستے آخراں سائیت کے ناتے اتنا تو کر سکتے ہیں نا آپ.....“ آخراں سے وہ چہرہ اٹھا کر اپنی گلابی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے بولی کلمہ شبھظ کو اس سے پہلی ملاقات یاد آگئی اس نے بے ساختہ اپنے بولوں کو سنج کر درشہ کو ایک نظر دیکھا۔  
 ”بابا کو کب آپ کے گھر لے کر آؤں؟“ شبھظ نے زچھے لہجے میں پوچھا۔  
 ”بابا کو لائیں یا نہ لائیں آپ کی مرضی ہے بس آپ مجھے کو میرے گھر کراچ کے لیے آجائے گا۔“ یہ کہہ کر درشہ نے اپنی بات ختم کی اور وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔



اگلے دن شبھظ علی اپنے والد اور دو بہنوں کے ہمراہ آٹالو میں موجود تھا شبھظ کی شاندار پرستی کو سب نے دل میں سرگراں کر لیا تھا نہیں ہونے دیا۔ آغا جان بھی شبھظ اور اس کے والد سے مل کر مطمئن ہو گئے۔ درشہ ان کی بہت عزیز بولی تھی وہ اس کے اس اقدام سے سخت ناراض تھے مگر اس سے بے پروا ہرگز نہیں تھے۔

تالی امی اور دونوں پھوپھوں کے موڈ سخت خراب تھے البتہ چچی نازل تھیں جب کہ مہوش بیگم بھی شبھظ اور اس کی چھٹی سے کافی خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھیں اور درشہ ماں اور آغا جان کے چہرے پر پہلے سکون کو دیکھ کر خود کو ہلکا جھکا محسوس کرنے لگی۔ صرف نے اسے جب سپاٹ لکھے میں مبارک باد دی تو درشہ سے

آج رہا نہ گیا ہے ساختہ صدف کا ہاتھ تھام لیا۔  
 ”صدف پلیر تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھو نا۔۔۔۔۔  
 کتنے دن ہو گئے ہمارے انہیں بھی نہیں گئیں۔“ ورشد  
 لجا بخت سے بولی تو صدف اسے ایک لگاؤ دیکھ کر روشنی  
 اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے شہظل کی بہنیں مہوش بن گئیں  
 کے ہمراہ اس کے کمرے میں چلی آئیں جب کہ  
 صدف خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔



شہظل کی بہنیں اس سے کافی لچکا رہی تھیں  
 دونوں نے ورشد سے زیادہ بات بھی نہیں کی تھی۔  
 شہظل کے سادہ سے کمرے میں وہ اسے چھوڑ کر  
 چاچکی تھیں آج ورشد ذوالفقار اور شہظل بن گئی  
 تھی۔ تمہا کمرے میں ورشد نے اسے سادہ سے سرایا  
 لگاؤ ڈالی وہ چند کھٹول کی دہن ہر گز نہیں لگ رہی  
 تھی۔ اس نے متلاشی لگاؤ نہیں اودھ اودھ دوڑائیں، جلد  
 ہی کمرے کے ایک کونے پر پڑا اس کا سوٹ یس  
 دکھائی دیا ورشد نے اٹھ کر سوٹ یس کھولا اور انتہائی  
 معمولی جوڑا نکال کر واٹ روم کی جانب بڑھ گئی  
 تقریباً ادھانگہ شاور لینے کے بعد وہ کمرے میں  
 آئی تو اپنی چھوٹی تندرست اور کھٹائی کی ٹرسے کے ہمراہ  
 اپنا منتظر پایا۔

”وہ۔۔۔ وہ بھائی شاید آپ نے ٹھیک سے کھانا  
 نہیں کھایا ہوگا تو میں نے سوچا۔۔۔۔۔“ سائرہ اتنی گھبرا  
 کر بول رہی تھی جیسے اس نے کوئی بہت بڑا جرم کر ڈالا  
 ہو۔ ورشد نے اٹھا کر انہیں کمرے میں لے کر اس کو عمر  
 لڑکی کو بغور دیکھا جس کا وقت بہت تازہ دکھائی دے  
 رہی گی۔

”اس اوکے“ آپ یہ نہیں چھوڑ دیجئے میں تھوڑا  
 سا کھالوں گی۔“ ورشد نے آج سارا دن چھٹیں نہیں کھایا  
 تھا لہذا کھانے کی اشتہا انگریز خوش بو نے اسے شدید

بھوک کا احساس دلایا۔  
 ”ٹھیک ہے بھائی میں چلتی ہوں آپ کو کسی چیز  
 کی ضرورت ہو تو پلیز بتائیے گا۔“ سائرہ ورشد کی  
 بات سن کر تیزی سے اٹھی اور دروازے کی جانب لپکی  
 سائرہ کی بدحواسی ورشد کی سمجھ میں نہیں آئی پھر سر  
 جھٹک کر وہ کھانے کی جانب متوجہ ہوئی، کھانا کھاتے  
 ہی اسے نیند اور جھک کر بچھ پور احساس ہوا اس نے  
 وال کلاک کی جانب دیکھا، گھڑی بارہ بج رہی تھی  
 کچھ سوچ کر ورشد نے دروازہ لاکڑ کیا اور مزید کچھ  
 سوچے بستر پر دراز ہو گئی۔



الٹیٹ۔۔۔۔۔ تم نے ورشد سے شادی کیوں کی؟  
 آخر تم ہو کیا شہظل علی خان! تمہاری اوقات نہیں کتم  
 میرے خاندان کی لڑکی سے شادی کرتے ہیں نے  
 اس دن کو بھی سمجھی کیا تھا کہ ورشد سے شادی کا خیال  
 بھی دل میں مت لانا، جس دن تم اپنے گھر والوں کو  
 یہاں لا دھکے تھے۔“ شہظل سر جھٹکے اسے سامنے  
 والے کی ن ترانیاں سن رہا تھا مگر بولنے کی جسارت  
 نہیں کر پا رہا تھا، وہ بولتا بھی تو کیسے اس نے تو اپنی  
 زبان یہاں تک کہ اپنی محبت بھی شاید چ ڈالی تھی۔  
 ”اوکے“ شہظل علی خان اگر تم یہ گستاخی کر ہی چکے ہو تو  
 ٹھیک ہے تم ورشد کو طلاق دے دو۔“ مقابلے کے  
 الفاظ شہظل کو بڑی طرح تڑپا گئے۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سب کچھ تمہاری  
 مرضی اور پلان کے مطابق ہوا ہے تم نے سب کچھ  
 حاصل کر لیا ہے تو پھر۔۔۔۔۔ تم اس بات کو کیوں ایشو  
 بنارہے ہو کہ میں نے ورشد ذوالفقار سے شادی  
 کر لی۔۔۔۔۔ کیا تم یہ چاہ رہے تھے کہ وہ تمام عمر  
 کنواری بیٹھی رہتی؟“ شہظل دبے دبے احتجاجی  
 لہجے میں بولا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ورشد کی شادی ہوئی مگر کسی اچھے اور  
 امارے برابر کے خاندان کے لڑکے سے، تم سے  
 نہیں سمجھے!“ وہ دہاڑا۔ شہظل نے اسے کشتی  
 لگا ہوں سے دیکھا۔  
 ”کیوں۔۔۔۔۔ سمجھتے کیوں نہیں۔۔۔۔۔؟ جب مجھے  
 اپنی محبت کے واسطے دے کر ورشد کی زندگی میں بھیجا  
 تھا جب تو تمہیں سمجھتے ہو کہ کوئی پائلیم نہیں ہوتی تھی۔“  
 شہظل سینے پر دونوں بازوؤں کو باندھتے ہوئے بولا۔  
 ”میں نے تمہیں ورشد کی زندگی میں صرف اسی  
 لیے بھیجا تھا کہ ورشد تمہاری طرف مائل ہو کر مجھ سے  
 دست بردار ہو جائے۔“

”اور تمہیں اس کے حصے کی جائیداد مل  
 جائے۔“ شہظل کے طنز پر شہریار نے اسے کھوٹی  
 لگا ہوں سے دیکھا۔

”تمہارا کام نہیں تک تھا اور اس کام کا میں نے  
 تمہیں ٹھیک ٹھاک معاوضہ بھی دیا تھا۔“ شہریار کے  
 اس جملے پر شہظل نے تپتی سے ہونٹ میچنے لگے۔  
 ”اور وہاں۔۔۔۔۔ تم نے اپنے پاس کی تم کھائی تھی کتم  
 اس راز کو کبھی کی کے سامنے عیاں نہیں کرو گے کہ میں  
 نے تمہیں ورشد کی زندگی میں اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ  
 خود ہی مجھ سے کٹتی توڑے اور میں مریم سے شادی  
 کر لوں۔“

”ہاں تاکہ ورشد آغا جان اور باقی گھر والوں کی  
 نگاہ میں گر جائے اور اپنی جائیداد سے بھی ہاتھ  
 دھو بیٹھے اور تم۔۔۔۔۔ ایک مظلوم اور فرماں بردار پوتے کا  
 تاج سر پر سجا کر ورشد کی جائیداد بھی سپیٹ لو اور اپنی  
 محبت کو بڑے مان و احترام سے اپنے گھر لے آؤ۔“  
 اور باقی گستاخ کھلائے صرف ورشد ذوالفقار۔۔۔۔۔  
 شہظل زہر خند سمجھ میں تمام حقیقت بھٹا چلا گیا۔  
 ”محبت اور جنگ میں سب جائز ہے مائی ڈیئر!

مریم میری محبت سے اور ورشد آغا جان کی مرضی۔۔۔۔۔  
 میں ورشد جیسا اسٹیڈیز پر گز نہیں لے سکتا تھا کیوں کہ  
 ورشد ایک سر پھیری اور خام لڑکی ہے اور تم تو جانتے  
 ہونا کہ لڑکیوں کا اوپر ی پورشن خالی ہوتا ہے ورنہ وہ  
 اتنی بڑی جائیداد سے دست بردار ہونے کی حماقت  
 سمجھی نہیں کرتی۔“ شہریار پیٹ کی جیبوں میں ہاتھ  
 ڈال کر شائے بے پروائی سے اچکاتے ہوئے انتہائی  
 بے غیبتی سے بولا اس پل شہظل کا دل چاہا کہ وہ اس  
 ذہیل انسان کا خون کر ڈالے اور اس کے بعد خود کو بھی  
 پھانسی دے ڈالے ورشد کی زندگی پر بہن لگانے میں  
 شاید اس کا ہاتھ شہریار سے نہیں زیادہ تھا کیوں کہ  
 شہظل نے تو اسے محبت میں غریب دیا تھا اور شہریار  
 نے دولت ہتھیانے کی خاطر۔“

”بھئی چھٹی سپہا بے شہریار تم بے فکر ہو یہ راز  
 میرے سینے میں دن رے گا ہاں براہ مہربانی آپ تم  
 مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا دوستی تو  
 ہمارے درمیان کبھی بھی نہیں تھی صرف مفادات  
 تھے جواب پورے ہو چکے ہیں۔“ یہ کہہ کر شہظل اس  
 کے آفس سے باہر نکل آیا۔



صحیح سات بجے ورشد کی آنکھ کی تو سنے درود پوار کو  
 دیکھ کر چند ثانیے وہ حیران رہ گئی اس کی کچھ سمجھ میں  
 نہیں آیا کہ اس وقت وہ کہاں ہے پھر آہستہ آہستہ  
 شعور بیدار ہوا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔  
 تقریباً ساڑھے سات بجے وہ اسپتال جانے کے  
 لیے تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل تو پہلا سامنا اس کا  
 مازوسے ہوا۔

”ارے بھائی! آپ جاگ گئیں؟“ وہ خوش  
 گوازی سے بولی پھر اسے کہیں جانے کے لیے تیار  
 دیکھ کر یک دم خاموش ہو گئی۔ ورشد سوئے گی کہ



اسے بتائے یا نہ بتائے کہ وہ اس وقت اپنی جاب پر جا رہی ہے۔

”آپ پیلز دو منٹ ٹھہریے میں آپ کے لیے ناشتہ لے کر آتی ہوں۔“ مازہ کی آواز پر وہ یک دم چونکی۔

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے آپ پیلز یہ بتا دیں کہ یہاں سے رکتی جیسی کہاں سے ملے گی؟“ ورتھ بھولت سے اسے منع کرتے ہوئے بولی۔ اسی لمبی ڈرائنگ روم کے سوئے پر دروازہ شہباز کی آنکھ کھلی۔

”اچھا وہ میں آپ کو بتا دی ہوں مگر پیلز ایک کپ چائے ہی لے لیجیے۔“

”میں وہاں بیٹھیں میں چائے پی لوں گی“ آپ مجھے پیلز بس اسباب کی لوکٹیں بتا دیجیے۔“ وہ نرمی سے مازہ کی آغوش فرم کر کے بولی تو مازہ بڑی مہارت سے اسے بتانے لگی۔ شہباز خاموشی سے سب سنتا رہا جب اسے محسوس ہوا کہ مازہ بچن میں اور ورتھ گھر سے باہر جا چکی ہے تو دبے قدموں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا اندر قدم رکھتے ہی اسے ورتھ کی مہک کا پھر پورا احساس ہوا کمرے کی فضا آج بدلی بدلی گھری گھری کی گراپیل کی طرح بالکل ترتیب سے تھا بس ایک سوٹ کپس کا اضافہ نظر آ رہا تھا وہ دیر سے رات گھر میں داخل ہوا تھا چونکہ ایک ڈبلی جلیٹ جاس اس کے پاس ہمہ وقت رہتی ہی لہذا کسی کو اس کے آنے کا معلوم نہیں ہوا وہ خاموشی سے ڈرائنگ روم میں جا کر لیٹ گیا اور سوئے سوئے نہجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ شہباز ڈھال سا ہو کر بستر پر ڈھکے گیا زندگی اس کے لیے بھی آسان نہیں تھی مگر اب تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے زندگی کے آزمائشی پرندے نے اسے بڑی طرح اپنے

بچوں میں دبوچ لیا ہے وہ جتنا اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا اتنا ہی اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔



شہر یا کسی شادی چار دن بعد بھی اور ورتھ دل میں خست الجھن کا شکار تھی وہ شہر یا کسی شادی ہرگز امید نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آغا جان کی ناراض نگاہیں صرف کارو کا انداز اور اتنی ہی ایسی تملانی نظریں وہ اپن کا سامنا کرنے کی بالکل ہمت نہیں کر رہی تھی اور پھر خاندان والوں کی چٹکولیاں..... وہ فرائڈ کا راستہ تلاش کر رہی تھی اور آج اسے وہ دل بھی گیا ان کے اسپتال کی جانب سے ڈاکٹروں کا ایک تیشیل اندرون سندھ جاری تھا کیوں کہ وہاں کیسز اور ویرینہ کی دوا پچھلی ہوئی تھی ورتھ نے بڑی خوشی سے اپنا نام بھی لکھوا لیا تھا پرسوں صبح انہیں لکھنا تھا اور پرسوں رات ہی شہر یا کی مہندی کی تقریب تھی۔ وہ رکتہ سے لگی میں چونکی اترتی اپنی سوزنی مہراں دیکھ کر چونک اٹھی کیڑی آغا جان نے اسے میڈیکل میں ایڈیشن ہونے کی خوشی میں دہی تھی مختلف سوچوں میں گھری وہ گھر میں داخل ہوئی تو سانس ہی لاؤنج میں بیٹھے شہباز اور اس کے بابا جان پر لگا ہوا پڑی۔

ورٹھ نے نازل انداز میں سر کو سلام کیا البتہ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کی خیریت دریافت کی اس تمام وقت میں شہباز خاموش بیٹھا رہا۔ اپنے کمرے کی جانب آتے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شہباز نے بابا کو کیا کہہ کر اس سے شادی کرنے پر آمادہ کیا تھا کیوں کہ سب کے رویوں میں اس نے کوئی خاص بات نوٹ نہیں کی تھی بس اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سب اسے یہاں کوئی خاص مہمان سمجھ رہے ہیں۔

”مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہ لوگ میرے

گھر میں کیا سوچتے اور سمجھتے ہیں۔“ ورتھ سر جھٹک کر کہہ رہی تھی بولی اور پھر اپنا سوٹ پیس کھول کر بیٹھ کر کمرے کی لکڑیوں کو کس الماری میں رکھا جائے۔ آپ پیلز وارڈ روب استعمال کر لیجیے یہ بالکل خالی ہے۔“ اچانک عقب سے شہباز کی آواز ابھری تو ورتھ سختی سے اسے ہونٹوں کو پیچھے پھر بنا مڑے وارڈ روب کھول کر اپنے پڑے رکھنے لگی۔

”وہ آج آپ کا ڈاکٹر اور آپ کی گاڑی لے کر آیا تھا کہ رہا تھا کراچی صاحب نے بھجوا دی ہے۔“ شہباز کی آواز ایک بار پھر ابھری مگر اس بار بھی اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

”میں جانتا ہوں کہ آپ اس گھر میں بالکل آرام سے رہے اور اس کمرے کو اپنا کراچیجیے میں نے اپنا انتظام دوسرے کمرے میں کر لیا ہے۔“ مصروف ہاتھ اس پر چنڈیل کے لیے رکے مگر پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہوئی شہباز نے ورتھ کی گردن پر چھوٹی بولی کو دیکھا پھر خاموشی سے وہاں سے پلٹ آیا اس کی کمرے میں غیر موجودگی محسوس کر کے ورتھ نے اطمینان کی گہری سانس لی۔



ورٹھ نے پرسوں صبح اسپتال جاتے ہوئے انتہائی سرسری انداز میں اندرون سندھ جانے کا بابا جان کو بتایا جب کہ شہباز کو اس نے مخاطب تک نہ کیا۔ بابا نے اسے دعا میں دیں اور اپنا خیال رکھنے کی بہت تلقین کی، اندرون سندھ سے چار دن بعد وہ کراچی آئی تو شہر یا کی شادی ہو چکی تھی۔ البتہ آج رات ورتھ کا ہر دم اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ شام ہی بستر پر چلی گئی تھی۔ دوسرے دن ورتھ سو کر اس نے اپنی صحت اتاری اور پھر اگلے دن ہی اس نے دوبارہ اسپتال جانا شروع کر دیا اور پوہنی روکھے پھیکے

خاموش و مضطرب دن گزرتے چلے گئے اس کی شادی کو تین ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا مگر ورتھ کا رویہ شہباز کے گھر والوں کے ساتھ اور روز جیسا تھا۔ آغا لاوہ ایک بار بھی نہیں کی تھی البتہ ہوش بیگم وہ بار بار سے ملنے آ چکی تھیں اور جہیز کے نام پر اپنا زور اور پھر نقدی بہت زور بڑھتی کر کے ورتھ کو کھانسی میں ڈوب گیا ایک چیز بھی نہیں لینا چاہتی تھی مگر ماں کے مجبور کرنے پر خاموشی سے زیورات رکھ لے گئے۔

آج وہ خلاف معمول اسپتال سے جلدی گھر آگئی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا کہ پریشان سی ماہووری بولی۔

”اوہ اللہ کا شکر ہے کہ آپ گھر آ گئیں بھائی! اوہ شہباز بھیا کو دودن سے بخار ہے مگر وہ کی ڈاکٹر کو دکھانے کے بجائے خود ہی سیلف میڈیکیشن کر رہے ہیں اس وقت بخار بہت تیز ہے اگر آپ انہیں چیک کر لیں تو.....“ مازہ نے تصدقاً اچھوڑا چھوڑ دیا۔

”کہاں ہے ان کا کرا؟“ ورتھ پرسوں فیشنل انداز میں بولی اس وقت وہ خود کو صرف ڈاکٹر سمجھتی تھی۔

مازہ کے سنگ وہ استور نما چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئی تو پبلک رینجے پر ہوش شہباز پر اس کی نگاہ پڑی وہ ایک ماہر ڈاکٹر کی طرح اس کا چیک اپ کرنے لگی شہباز کی ہنڈ انکھوں کو لگو گئے کی عدد سے کھول کر اس نے جھانکا تو بڑی طرح چونک اٹھی ہاتھ چند ثانیے کے لیے ساکت ہو گئے وہ ایک تک شہباز کے سرخ پیچھے چہرے کو دیکھتی رہی۔

”اوہ بوتا تم مجھے اس طرح سے اذیت دو گے۔“ ورتھ دل میں بولی پھر مازہ کو ہدایت جاری کی کہ وہ خنڈے پانی کی پیٹیاں اس کے سامنے پڑے اور خود کچھ ضروری دوایں اور اسٹیشن لینے میڈیکل استور چلی گئی۔



ہو جائیں گے۔“ ورشہ بابا کی بات کاٹ کا حلاوت سے بولی پھر شہنشاہ پر ایک نگاہ ڈالی اور دوسری کمرے کے ساز و سامان پر ایک سائڈ ٹیبل اور الماری کے سوا یہاں کچھ نہیں تھا اس نے بڑی مشکلوں سے سب کو اپنے کمرے میں بھیجا اور کچھ ڈھونڈنے لگی سائڈ دروازہ دیکھنے کے بعد اس نے الماری کے کونے کونے کو دیکھا بالآخر نیچے کے خانے میں اسے اپنی مطلوبہ چیز نظر آئی گئی کتنی ہی دیر وہ ان دوائیوں کی شیشیوں کو دیکھے گئی جو آدھے سے زیادہ خالی تھیں۔



ہسپتال میں صبح دس بجے کے قریب ورشہ کسی مریض کی فائل دیکھ رہی تھی کہ معاس کے موبائل کی پیپ بجی اپنے گھر کا نمبر دیکھ کر اس نے غمت میں کال پیک کی دوسری جانب مہوش بیگم تھیں۔

”امی آپ سب ٹھیک ہیں نا!“ ورشہ جانتی تھی کہ اس وقت امی گھر کے کاموں میں بہت مصروف ہوتی ہیں اور اس وقت ان کا فون اسے غیر معمولی لگا۔

”ورشہ تم اس وقت ہسپتال میں ہو؟ ایسا کرو تم ابھی اور اسی وقت گھر آ جاؤ۔“ مہوش بیگم کی اس بات پر ورشہ گھبرا اٹھی۔

”کیوں امی؟ وہاں سب ٹھیک ہے نا ابو..... آغا جان!“

”وہ آغا جان کی طبیعت کچھ دنوں سے خراب ہے آج صبح سے وہ میٹھیں یاد کر رہے ہیں۔“

”کیا آغا جان کی طبیعت خراب ہے آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں ابھی وہاں آ رہی ہوں۔“ یہ کہہ کر ورشہ نے تیزی سے موبائل آف کیا اور اپنی کرسی سے اٹھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ آغا جان کے پاس پہنچی۔ آغا جان اس وقت سو رہے تھے وہ ان کے قریب بیٹھ کر بے آواز آنسو بہانے لگی کتنے کمزور

تقریباً رات کے وقت اس کے بخار کا زور ٹوٹا تو دونوں بہنوں نے سکون کا سانس لیا ورنہ تو سائرہ مسلسل آنسو بہائے جا رہی تھی۔ بابا بھی بہت پریشان تھے۔

”یہ اب ٹھیک ہیں اب آپ لوگ بھی آرام کریں۔ سائرہ پلیز اب تو رونا بند کیجیے۔“ ورشہ نرمی سے بولی تو سائرہ مزید رو دی۔

”بھابی! بھیا ٹھیک تو ہو جائیں گے نا؟ آپ کو نہیں معلوم ہمارے بھیا نے ہماری خاطر گھر کی خاطر کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ انہیں کچھ ہو گیا تو ہم زندہ نہیں رہیں گے۔“ سائرہ روتے ہوئے بولی۔

”ہاں بھابی! بھیا نے اماں کی موت کے بعد ہمارا اس قدر خیال رکھا جیسے ایک ماں رہتی ہے۔ ہم امیر نہیں تھے بابا کی آدھی سے زیادہ خواہ اماں کے علاج میں لگ جاتی تھی بھیا بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے اور اماں بابا کی خواہش کے مطابق خود بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے ساری رات پڑھا کر کرتے پھر اماں چلی گئیں۔ بابا ریٹائرڈ ہو گئے اور بھیا ایک مشین بن گئے ہماری تعلیم و تربیت ہمیں پالنے اور پھر بابا کی بیماری نے انہیں کام کرنے کا حق پرزہ بنا دیا۔“ مائرہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے دل گری سے بولی۔

”بیٹی! میرے شہنشاہ نے اتنی کم عمری میں اس گھر کی تمام ذمہ داریاں سنبھالیں اور اپنی زندگی ہمارے لیے وقف کر دی..... یہ تو اپنی زندگی بھی جیانی نہیں بہت عزیز ہے ہمیں شہنشاہ! یہ ہے تو ہم ہیں ورنہ.....“

”بابا! آپ مایوسی والی باتیں کیوں کر رہے ہیں انہیں صرف موسمی بخار ہے اور کچھ نہیں آپ لوگ ہمت سے کام لیجیے ان شاء اللہ یہ دودن میں ٹھیک



اور لاغر ہو گئے تھے آغا جان! اسی اثناء میں آغا جان نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو درشہ نے تڑپ کر اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔  
”میں بہت بری ہوں نا آغا جان! آپ کو بہت تناسبات میں کر ڈالا آپ مجھے معاف کر دیجئے آغا جان! اور پائیلر جلدی سے ٹھیک ہو جائیے۔“ وہ زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آغا جان نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے۔  
”اپی پیری پی آگئی ہے نا اب میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا“ کئی بے صروت سے ٹو شادی کے بعد اب اپنی صورت دکھا رہی ہے آغا جان کو بالکل ہی بھول گیا؟“ شہد میں ڈوبے فرحت افزا جملے جب اس کی سماعتوں میں پڑے تو درشہ نے انتہائی بے یقینی کے عالم میں آغا جان کے سینے سے سر اٹھایا آغا جان کے ہونٹوں پر نرمی مسکراہٹ دیکھ کر ایک بار پھر اس کی آنکھیں سادوں بہانے لگیں مگر اس بار یہ آنسو خوشی اور مسرت کے تھے۔

درشہ مگنی شدہ ہے اس کے باوجود میں نے ہی درشہ کو یہ سب کرنے پر مجبور کیا۔“ آغا جان تعقیداً بولے درشہ عجیب سے احساسات میں گھر رہی سنتی رہی پھر ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں دودا دے کر سونے کی ہدایت کر کے کمرے سے باہر چلی آئی، ابوجھی اس سے سابقہ شقت اور محبت سے ملے۔ اسی غائبانہ چرخ میں مصروف تھیں اس نے وال کلاک کی جانب دیکھا گھڑی دن کا ایک بج رہی تھی۔ آغا جان کی بھی باتیں اس کے دماغ میں اس پل بری طرح گونج رہی تھیں اپنے کمرے میں آ کر وہ ادھر سے ادھر چکر لگاتی رہی پھر کچھ سوچ کر اس نے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ نمبر ۱۵۰۸ نے اٹھایا۔  
”جی بھائی! بھیا! کو ابھی میں نے ناشتہ کر لیا ہے اور دوا بھی دے دی ہے۔ بخار تو نہیں ہے مگر تھابت بہت ہے۔“ درشہ کے استفسار پر نمبر ۱۵۰۸ نے اسے بتایا تو درشہ نے اسے گھر دیر سے آنے کا بتا کر فون بند کر دیا۔



آج اتنے عرصے بعد اس نے امی کے ہاتھ کا کھانا امی الو کے ساتھ بیٹھ کر کھا یا تھا وہ بہت مسرت و اور مسکون تھی آغا جان اور ابو نے اسے معاف کر دیا تھا مگر یہ بات اسے مسلسل بے چین کر رہی تھی کہ شہظل نے آکر آغا جان کے سامنے اس کی پوزیشن کیوں کھینک کر جانچ لی تھی وہ ڈوبے وفا تھا۔ سنگ دل تھا فرہی تھی پھر بھلا اس سے بھلائی کی توقع کیوں کر ممکن تھی جس نے اسے سچ پھنکار میں لاکر ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا تھا بلکہ شاید وہ تو اپنے سے پرنام بھی نہیں تھا۔ اتنے عرصے سے وہ اس کے گھر میں رہ رہی تھی مگر شہظل نے ایک بار بھی اسے معافی مانگنے یا صفائی دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”مجھے تمہاری ندامت“ تمہاری معافی کی بالکل سزا نہیں ہے شہظل علی خان! تمہاری بے وفائی نے مجھے پتھر بنادیا ہے اور پتھر ہر قسم کے احساسات سے ماری ہوتے ہیں۔“ وہ دل میں خود سے بولی مگر معاف اسے امی کی باہر سے کسی سے باتیں کرنے کی وارنٹ تھی۔  
”درشہ بیٹا! دیکھو شہیار کی بیوی تم سے ملنے آئی ہے۔“ امی کی دوا جب وہ آوازوں پر غور کر رہی تھی امی ایک کیوسٹی لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ درشہ اسے دیکھ کر اپنے بستر سے کھینچ کر امی کے بڑے تپاک سے ملی۔  
”درشہ! مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔۔۔۔۔۔“

آپ جائیز ہمارے پورشن میں چلیے نا میں آپ کو اپنے ہاتھ کی مزے دار چائے پلائی ہوں۔“ مریم کے خلوص برسرِ سازداری پر درشہ مسکراتے ہوئے بولی۔  
”پھر کچھ سریم! آج درج ہو جائے گی مجھے گھر بھی جانا ہے مگر یہ وعدہ رہا کہ آپ کے ہاتھ کی چائے میں ضرور ریوٹیں گی۔“

”بیٹا! وہ حد ہے کہ رشتے کے سلسلے میں کچھ خواتین آتی ہیں تمہاری ساتھی مجھے اس طرف بلارہی ہیں میں تصویر دیر میں آتی ہوں۔“ امی اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے بولیں۔  
”آپ چائے امی میں بھی بس جاری ہوں“ کافی دیر ہوئی ہے ان شاء اللہ پھر آؤں گی۔“ درشہ وال کلاک کی جانب نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔ اسی دوران مریم بخورا سے دیکھ رہی تھی امی اثبات میں سر ہلایں پھر درشہ دونوں سے رخصت لے کر آغا جان کے کمرے میں آئی تو انہیں سوتا دیکھ کر واپس پلٹ گئی۔  
”شہیار کی پسند اچھی ہے۔“ ڈرائیونگ کرتے

ہوئے درشہ سوچ رہی تھی۔ امی نے اسے بتایا تھا کہ مریم شہیار کی کلاس چلی گئی۔  
وہ گھر لوٹی تو نمائندہ اور سائزہ کی کچن میں موجودگی محسوس کر کے وہیں چلی آئیں۔  
”ارے بھائی! آپ آئیں۔۔۔۔۔ میں آپ کے لیے چائے بناؤں۔“ نمبر ۱۵۰۸ سے دیکھ کر خوشی سے بولی۔  
”نہیں میں بیٹکی ہوں! بابا کی کمرے سے ہیں۔“  
”بابا اپنے کمرے میں ہیں۔“ سائزہ کے جواب پر وہ بابا کے کمرے کی جانب آئی آج پہلی بار وہ ان کے کمرے میں آئی تھی سادہ صاف تھرا کر اجس میں مختصر سا سامان تھا بابا بستر پر دراز اخبار پڑھ رہے تھے۔ درشہ نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے اسے خوش گوار حیرت کے ساتھ دیکھا۔  
”آپ کی طبیعت ایسی ہے بابا؟“ پہلی بار وہ ان سے ان کی طبیعت کے بابت استفسار کر رہی تھی۔  
بید کی سائڈ دراز پر بڑھی دواؤں کی شیشیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ شوکر بلڈر پریش اور ہارٹ کی دوائیاں دیکھ کر ان کی پیاری کی نوعیت جان لی۔  
”بابا آپ کو ہارٹ کی تکلیف بھی ہے؟“ درشہ نے استفسار کیا۔  
”ہاں بیٹا! دواں پہلے بائی پاس بھی ہوا تھا۔ بس اس کے بعد سے تو شہظل میرا سایہ بن کر میرا خیال رکھتا ہے ان میں تین تین بار بلڈ پریشر چیک کرتا ہے سمجھو خود کو بالکل بھول گیا ہے۔“ بابا کے لہجے میں اس پل شہظل کے لیے بے پناہ محبت تھی۔  
”اس کا مطلب ہے کہ آج آپ کا بلڈ پریشر چیک نہیں ہوا؟“ امی نے گونجی ہوئی۔ ”یہ کہہ کر درشہ بڑی مہارت سے بابا کا بلڈ پریشر چیک کرنے لگی۔  
کہ باخوش گوار حیرت سے درشہ شوک ہو گئے۔



”شہر یارا! آج میں ورشہ سے ملی تھی۔“ شرت کے کٹھن کوٹنے لگا تھا ایک لمحے کو روکے۔

”اچھا..... مگر کہاں؟“ شہر یار نے حیرت سے استفسار کیا۔  
”یہیں گھر میں آغا جان کو دیکھنے آئی تھی مجھے تو بہت پیاری لی ورشہ!“

”ہوں..... مجھے معلوم تھا کہ آغا جان بہت جلد اسے معاف کر دیں گے! ایسے ہی میں نے ورشہ کو آگے کیا ورنہ یہ سب کچھ میں کرتا تو ڈیڈی جانیداد سے عاقی الگ کرتے اور آغا جان مجھے اس گھر سے بھی نکال دیتے ورشہ ہمیشہ سے ان کی لاڈلی اور پیاری رہی ہے۔“ لہجے میں حسد ہے شہر یار نصیحا بولا تو مریم نے ایک ناگوار دھاس پڑوائی۔

”تم اپنے غلط کردار پر دست برداشت کرنے کی کوشش مت کرو شہر یار اور دو واقعی بات اچھی لڑکی ہے ہم نے اس کے ساتھ بہت نا انصافی کی ہے اسے پھیل دے کر اپنی زندگی بنائی ہے آج ورشہ سے کل گھر پرے ضریر کا بوجھ لی گناہ بڑھ گیا ہے احساس گناہ مرثوت مرثوتے ہوئے ستارا ہے۔“ مریم اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے اضطراب کی کیفیت میں گھر لی بولی۔

”اوہ کم آن مریم! اب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے آغا جان نے اسے قبول کر لیا ہے اور دم دیکھنا پچھوؤں بعد وہ اپنی ڈالی پر اپنی بھی ورشہ کے نام کر دیں گے۔“ شہر یار پھنسا کر بولا۔

”خدا کے لیے شہر یار میں دولت اور جائیداد سے بہت کچھی سوچا کرو۔ زندگی صرف دولت کے سہارے نہیں گذری اور ابھی بہت چیزیں ہوتی ہیں احساسات و جذبات اور جتنیں اگر سب کر لیا جائے تو زندگی پھر زندگی نہیں رہتی۔“ مریم غمگین ہو کر بولی بار

بار اس کی نگاہوں میں ورشہ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔  
”افوہ مریم! پلیز اب ورشہ نامہ بند کر دو میں تیکہ ہوا ہوں اس وقت آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بے مزاج ہو کر بولا۔

”شہر یار! پلیز میری بات وارو شرو کو اس کی کھوئی ہوئی خوشیاں واپس دلا دو اس گھر میں اس کا سابقہ مقام واپس لاؤ۔“ اچانک مریم شہر یار کا بازو تھام کر لجاہٹ سے بولی۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئیں مریم! یعنی میں خود جا کر گھر والوں کو ساری حقیقت بتا دوں..... وہ اب مجھی مجھے عاق کر سکتے ہیں! اپنی زندگی سے بے دخل کر سکتے ہیں۔“

”تو ہونے دو جو کچھ ہوتا ہے شہر یار! ہمیں اللہ کو بھی جواب دینا ہے مجھے ڈر لگتا ہے شہر یار کہ اللہ ہمیں اس کی سزا۔“

”بس مریم! اب اس سے آگے میں کچھ نہیں سنوں گا مجھے سونے دو کل میری بہت ضروری میٹنگ ہے۔“ ناگواری سے کہتا شہر یار بستر پر چلا گیا جب کہ مریم وہیں گہم کی گھڑی رہی۔



دستک کی آواز پر اس نے بس کہا تو پریشان سا شہنظل اس کے کمرے میں داخل ہوا وہ جانتی تھی کہ شہنظل ضرور اس کے کمرے میں آئے گا میگزین سائیڈ پر رکھ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔  
”وہ..... میں..... وہ ورشہ..... میں آپ سے..... شہنظل اس ملی ورشہ کے سامنے ٹھیک سے بول نہیں پادرا تھا۔“ میں..... دراصل آپ سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ.....“ وہ ایک بار پھر حرکت گیا۔

”اس حرکت کی وجہ.....؟“ ورشہ اچانک ساٹ لہجے میں بولی تو شہنظل نے تیزی سے اس

کی حجاب دیکھا۔  
”وہ میں.....!“

”وہ..... میں..... نہیں شہنظل علی خان مجھے وجہ اس حرکت کا کیا مطلب ہے۔ آپ چاہتے کیا ہیں خود ہی کرنا یا اپنے گھر والوں کو برپا کرنا یا پھر ان کی تکلیفوں کو دیکھ کر راحت حاصل کرنا۔“ ورشہ جتنی سے بولی تو شہنظل نے ایک بوجھل سانس فضا کے پردے۔

”جب زندگی تمام راستے ہم پر بند کرے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ شہنظل آہستہ سے بولا۔  
”اچھا دوسروں کی زندگیوں کو بند کی میں دیکھنے والے کی خودی زندگی کیسے ممکن ہوگی؟“ ورشہ طنز میں لہجے میں بولی تو شہنظل نے بے ساختہ سر پکڑ کر اس کی حجاب دیکھا۔

”ورشہ..... شاید آپ اس بات کو بھی محسوس نہیں کر پائیں..... مجھی سمجھ نہ پائیں کہ آپ کو تکلیف آپ کو آسودے کر میرے اوپر کیا قیامت زری ہے میں تو آپ سے معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں ہوں اور اچھا ہے آپ مجھے معاف بھی نہ کریں مجھے اس کی سزا ملنی چاہیے جو میں کاٹ رہا ہوں۔“ شہنظل استغاثہ عجیب و غریب لہجے میں بولا کہ ورشہ کے اندر کی دنیا اصل قیاس ہو گئی اس نے نگاہ اٹھا کر شہنظل کو دیکھا جو لے مسافر کی طرح پلٹ کر کمرے سے باہر جا رہا تھا ورشہ کا دل چاہا کہ شہنظل کو آواز دے کر روک لے مگر اس نے اپنے ہونٹوں کو تھپے سے چھپے ڈالا۔



کچھ ہی دنوں میں شہنظل کے گھر کا ماحول یکسر بدل گیا تھا۔ ورشہ بار بار بھی خاص خیال رکھنے لگی ان کی دوا میں ان کے چپک اپ کی ذمہ داری اس نے اپنے ذمہ لے لی تھی اب ورشہ کے ذہن میں یہ سوال

میں چاہتی ہوں کہ.....

اک ٹھیل جانے تیری محبت کا

تیری چاہت کا

جس میں وہ حسین بل بیٹا سکو

وہ عمر بھر کے لیے یادگار ہو

اپنی ساری محبت جو میرے دل میں ہے

تیرے لیے وہ ان ٹھیلوں میں رکھ دوں

اور تیری آنکھوں میں اتر کر تجھ سے

ججی کو ماٹک لوں اور

وہ ماٹک کہہ دوں جو میرے دل میں ہیں

اس کا ش.....!

اک ٹھیل جانے تیری محبت کا

نوٹیں عرفان کی پسند..... جہلم

کابلانے لگا تھا کہ شہنظل نے اپنے گھر والوں کو کیا کہہ کر اس کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ کیا اور پھر بابانے ورشہ کے طرز زندگی پر کوئی اعتراض کیوں نہیں کیا کیونکہ یہ بات سب کے سامنے عباس کی کہ شہنظل اور ورشہ کے درمیان کسی بھی قسم کا تعلق نہیں تھا اور نہ ہی عباس بابانے اس بارے میں اس سے بات کی اور نہ ہی بڑا ورشہ اور سزا نے اس طرح کا کبھی تذکرہ کیا وہ دیکھ رہی تھی کہ شہنظل آج کل خاصا دل دکھائی دے رہا ہے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقہ اور وزن کی کمی دیکھ کر وہ صاف سمجھ گئی کہ شہنظل ابھی بھی وہ ادویت استعمال کر رہا ہے۔

وہ اندر تک بڑی طرح ڈسٹرب ہو گئی شہنظل کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوں دلدل میں دھنست نہیں دیکھ سکتی تھی آخر بھی اس کے ساتھ دل کا رشتہ تھا وہ اسے یوں پرہیز و پارسا دیکھ کر خاموش تماشائی بن کر بیٹھی رہتی۔  
”شہنظل یہ کیا حماقت ہے..... آخر ان سب باتوں کی وجہ کیا ہے؟“ موقع دیکھ کر اس نے شہنظل کو



آڑے ہاتھوں لیا وہ ابھی ابھی باہر سے آکر اپنے بستر پر گر اٹھا اس کی سخت آواز و تپور بہت تیزی سے اٹھاتا۔

”کون سی حماقت..... میں کیا حماقت کر رہا ہوں؟“ شبھظ انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا اور شکا دل چاہا کہ اس پتھر دل شخص کو میری طرح جھجھوڑ ڈالے جو ہمیشہ اسے تکلیف اور اذیت سے دوچار کر رہا تھا۔

”مگر آپ نے ان ادویات کا استعمال فوراً بند نہیں کیا تو میں سب کو اس بارے میں بتا دوں گی۔“ اپنے غصے پر مشعل قابو پا کر وہ ہموار لہجے میں بولی، شبھظ گھبرا اٹھا۔

”پلیز ورشہ آپ باا کومت بتائیے گا وہ دل کے مریض ہیں انہیں سخت دیکھا گیا لگا۔“

”تو ٹھیک ہے آپ آج ہی سے وہ دوائیں لینا بند کر دیں میں بابا کو نہیں بتاؤں گی۔“ ورشہ تنجید سے بولی۔

”میں ایسا نہیں کر سکتا..... میں نے بہت کوشش کی انہیں چھوڑنے کی مگر.....“ لاچار سے بولتا شبھظ جملہ اوصاف چھوڑ گیا ورشہ کے ساتھ دیکھ کر رہ گئی۔

”شبھظ..... آپ کو یاد ہے ہمارے درمیان بھی کوئی تعلق رہا تھا جیسے وہ فریب دھوکے پڑتی تھیں میری جانب سے تو کوئی کوٹ نہیں تھا.....“ ورشہ کو شبھظ کو اس اقدام سے روکنے کے لیے ناچتا ہونے لگی یہ راستہ اختیار کرنا پڑا۔

”ہوں“ کیسے بھول سکتا ہوں۔“ دوسرے ہاتھوں سے بولی۔

”آپ نے محبت کے نام پر مجھے فریب دیا مجھ سے بے وفا کی کی میرے جذباتوں کو کھوکھلا کچھ کراس سے کھینچا..... شبھظ مجھے نہیں معلوم میرے دل آپ

کے لیے کیا ہے جب اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھتی ہوں تو وہاں مجھے صرف جامہ خاموشی نظر آتی ہے میری محبت کا جذبہ اور نہ نفرت کا..... مگر میں آج آپ نے پوچھتی ہوں..... کیا وفا پی آپ کے دل میں بھی ہے؟“ کبھی بھی نہیں تھی۔ کیا آپ نے مجھے بھی پسند نہیں کیا؟ کیا ابھی بھی میری محبت نے آپ کے دل کو متاثر نہیں کیا؟“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے استفسار کر رہی تھی۔

”ورشہ کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں..... میں تمہارا گناہ گار ہوں بہت بد بخت ہوں بہت کمینہ ہوں کچھ پلیز کیا ایک بار مجھے اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتیں؟“ چاکل شبھظ لہروں کی مانند بھرا تھا وہ ورشہ کے دلوں ہاتھوں کو اپنی پھینک دینا چاہتا تھا بولا ورشہ نے اسے انتہائی خیر کے عالم میں دیکھا اس پل وہ بالکل پہلے والا شبھظ دکھائی دے رہا تھا چند لمحے یونہی دے پائے ان کے درمیان سے نذر گئے ورشہ نے دھیرے سے اپنے ہاتھ شبھظ کی پُر محبت گرفت سے آزاد کیے اور اس کے قریب سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”اگر آپ کو کبیرا ڈر اس بار بھی خیال ہے تو آپ وہ دوائیں پھر بھی نہیں چھوئیں گے۔“ شبھظ نے اسے بے بسی سے دیکھا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔



”بھیمانے بابا سے صرف یہ بولا تھا کہ“ بابا میرا کوئی عزیز جس کے مجھ پر بہت سے قرض بہت سے حساب ہیں آج وہ سخت مشکل میں گرفتار ہے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کٹھن وقت میں اس کی مدد کروں۔“ مانرہ نے ورشہ کے استفسار پر اسے یہ بتایا تو ورشہ نے یہی طرح الجھ گئی۔

”مگر.....؟“ میرا قرض میرا حساب شبھظ ”وہ خود سے بولی اور ایک بار پھر شبھظ کے سامنے آنکھری ہوئی۔

”تو کیا بابا سے بھی آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ میں آپ کی عزیز ہوں اور یہ کہہ کر آپ نے نہیں مجھے اس گھر میں رکھنے پر آمادہ کیا؟“

”ورشہ تم مجھے اتنا کھانا انسان کی ہوتی.....“ وہ تڑپ کر بولا پھر خود ہی ہنس کر اذیت ناک لہجے میں کہنے لگا۔

”ہاں ہوں تو میں کھانا ذلیل انسان.....“ ورشہ کا سر اس پل چل کر اکر رہ گیا اس گھر میں شبھظ کا جو کردار قائم ہے گھر والوں کے ساتھ جو رویہ تھا اور پھر اس کے ساتھ اس تک جو سلوک اس نے روا رکھا تھا وہ اس بات کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا کہ شبھظ اتنا کمینہ اتنا ناراض ہو سکتا تھا اس نے ورشہ کے ساتھ کیا تھا آخر وہ آغا جان سے اس کی وکالت کرنے کیوں گیا؟ اپنے گھر میں اسے اتنے احترام و وقار سے کیوں رکھا، کبھی یہ نہیں جتایا کہ ان کے درمیان کا فاضل یہی سہی کوئی رشتہ ہے اس رشتے کا بھی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا ہمیشہ اس کی نگاہوں کو اپنے سامنے جھکا ہوا بابا..... آخر شبھظ نے کیا؟ کیا شخصیت ہے اس انسان کی؟“

ورشہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”شبھظ! میں آپ کو نہیں جانتی، نہیں سمجھ رہی آپ کو..... مگر یہ طے ہے کہ آپ کے اندر سمندر کی سی گہرائی ہے کچھ تو ایسا ہے جس سے میں لاعلم ہوں۔“ ورشہ اسے دیکھ کر اپنے دل میں بولی اور پھر دو دن بعد ہی اس کی آنکھوں کے سامنے سے کھٹکھٹ تمام پردے اٹھتے چلے گئے۔ وہ آغا جان سے ملنے لگ آئی وہی تھی شام کو کچھ فرصت ملی تو سوچا کہ مریم سے ملاقات کر لی جائے اس نے بہت غلوں سے اسے چائے کی آفر دی تھی اور پھر تائی امی سے بھی ملنے کا

دل چاہا تو وہ ان کے پورن کی جانب آگئی شاید تائی امی اور عذیہ گھر پر نہیں ہیں وہ تائی امی کو کمرے میں نہ پا کر جانے کے لیے مڑی تھی مگر کمرے سے آئی باتوں کی آواز سن کر اس کے قدم کھینچے۔

”شاید یہ سب ٹیسر پر بیٹھے ہیں۔“ سوچ کر اس نے ٹیسر کی جانب قدم بڑھائے وہ اندر داخل ہونے والی تھی کہ شہریار کی کرسی پر بے ساختہ رک گئی۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے مریم تمہیں شاید علاج کی ضرورت ہے۔“ ورشہ شبھظ تمہارے ذہن میں جو تک کی طرح چب گئے ہیں کئی بار کہا ہے کہ بھول جاؤ ان سب باتوں کو۔“

”کیسے بھول جاؤں شہریار! شبھظ کل مجھے میڈیکل اسٹور پر ملا تھا یونیورسٹی کے اس شبھظ سے بہت مختلف آخر وہ بیمار سا پتلی شہریار تھا.....“ ورشہ کے دماغ میں آندھیاں اٹھنے لگیں شبھظ کو مریم اور شہریار جانتے تھے یونیورسٹی کے دورے.....

”اس کا مطلب یہ تینوں ایک ساتھ یونیورسٹی میں تھے۔“ ورشہ نے کیا تے دل سے سوچا۔

”تم سے کتنی بار کہا ہے میں نے کہ شبھظ! میں نے اس کام کے پیچھے دیکھے تھے اس کی کٹی پڑھتوں رکھ کر یہ سب کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔“ شہریار ہنوز تیز لہجے میں بولا۔

”ہونہ! اس کا باپ جب زندگی موت کے درمیان بھول رہا تھا تب تم نے اس کی مجبوری خریدی تھی جب اپنے والدین کے خوابوں کی تکمیل کے لیے اس کے پاس مزید بڑھائی جاری رکھنے کے لیے یہ نہیں سمجھتے تھے تب تم نے اس کی مجبوری نہیں خریدی تھی۔ جب اس کی بہن مارہہ کا انڈس کسٹ کیا تھا اور تم نے اس کے ہاتھوں میں چند کاغذ کرکٹ کراس کی

بہن کی زندگی بچا کر اس کی مجبوری نہیں خریدی تھی۔ پہلے تو ایک اچھے دوست بن کر تم نے اس پر احسان پر احسانات کیے اور بعد میں اسے مجبور کر کے درشل کو قریب محبت دینے کے لیے اس کی زندگی میں بیجھ دیا تاکہ تم مہمان بن جاؤ اور درشل رسوا ہو جائے اور تمہاری جائیداد بھی ڈبل ہو جائے۔ ”مریم بولی گئی جب کہ دیواری اوٹ پر کھڑی درشل منہ جیتی سے ہاتھ رکھتی پچھتی آنکھوں سے حقیقت بتاتی گئی۔ ”تم نے واقعی پتلی پر پتول رکھ کر ہی شبھل کو یہ سب کرنے پر مجبور کیا ہے شہر یارا“ مریم روتے ہوئے بولی۔

”تمہارا میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ شہر یار تملاکر جانے کے لیے مڑا اور درشل کو خود حرکت دے کر اچانک اس کے سامنے آگئی۔ شہر یار کا چہرہ اس لمحے بڑی طرح قہ ہو گیا۔

”ت۔۔۔ تم یہاں۔۔۔ درشل تم کب آئیں؟“ شہر یار کی بھلائی آواز پر مریم نے اچانک کر دروازے کی طرف دیکھا اور درشل کو ایستادہ پا کر اس کے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے۔

”شہر یار عمیر صاحب! آپ کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ آپ کی گول میں آغا جان اور اس خاندان کا خون دوڑ رہا ہے۔ مگر آپ کی پلاننگ کی داد تو ضرور دینی پڑے گی مشر شہر یار عمیر۔!“ درشل آنکھوں میں نفرت و خمار کی چنگاریاں لیے زہر خند لہجے میں بولی تو شہر یار چند دھانیے کے لیے پھر بول ہی نہ پایا۔ ”آپ کو اگر میری جائیداد چاہیے تو ایک بار ٹانگ کر دو دیکھتے اپنی پسند کو اپنانا چاہتے تھے تو مجھ سے کہتے ہیں آغا جان کو دل و جان سے آپ کے لیے منانے کی کوشش کرنی مگر۔۔۔ میرے ساتھ اتنا گھناؤنا کھیل۔۔۔ مگر نہیں آپ نے تو اپنی سوچ اپنی

ذہنیت کے مطابق ہی سب کیا نا۔“

”میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا“ درشل ذوالقدر مار مریم ہی میری محبت میری پسندھی اور تم جانتی ہو کہ آغا جان میرا ہی قصور بھی معاف نہیں کرتے۔“ شہر یار ڈھٹائی سے بولا تو درشل اسے سخت دیکھ کر رہ گئی پھر سفاک انداز میں کہنے لگی۔

”بھنبہ! محبت۔۔۔ محبت کرنے والے اتنے بزدل اتنے ڈرپوک اتنے لالچی نہیں ہوتے۔ جو دولت کے حصول اور اپنے وقاری خاطر دوسروں کی مجبور یوں کو خریدتے پھر عین دوسروں کی خوشیوں پر بیڑول چمڑک کر اس میں آگ لگا کر پھر اس کی تپش میں اپنے ہاتھ سینکتے مگر میں تمہیں یہ سب کچھ کیوں بتا رہی ہوں۔“ درشل نے آخر میں انتہائی جھنجھکی کا ادراکی کر کے کہا۔ ”یہ باتیں تو کسی غیرت مند انسان کی حیثیت سے مالا مال کسی بہادر شخص کے لیے ہیں تم نہیں کیا جانا گے۔“

”شٹ اپ درشل۔“ شہر یار درشل کی اس چوٹ پر تملاکر کر رہ گیا۔

”مجھے واقعی تمہارے آگے ذہن، بجا کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی اور تھر تھکا بھاگتے ہوئے تالی امی کے پوشن سے نکل جیکہ مریم نے بے جان ٹانگوں کے ساتھ اپنا سنا وجود سامنے رکھی کسی پر گرائیا۔

دولان میں آکر کمرے کے سانس لینے لگی اتنا بڑا دھوکا اتنا گھناؤنا چھل۔ وہ انہی تک سے نشینی کی کیفیت میں مبتلا تھی بھلا اس کا تیا ز ادا اس کے ساتھ ایسا کھیل کیسے کھیل سکتا ہے وہ بے دمی ہو کر وہیں گھاس پڑے گئی۔ اچانک ذہن کی اسکرین پر شبھل علی خان کا چہرہ نمودار ہوا تو بے ساختہ درشل کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

”تم شبھل آختم ہی مجھے شہر یار کی اس سازش کے اندیشہ میں کچھ تو بتاتے۔ کیا کچھ نہ کہا تمہیں۔۔۔“

”اسا سلوک روا رکھا تم سے اور تم۔“ قصور وار نہ ہوتے اسے بھی یہ سب برداشت کرتے رہے۔ واقعی جس شخص سے میں نے محبت کی کسی بھی گھٹائی نہیں ہو سکتا کسی بُرائی نہیں ہو سکتا۔ وہ خود سے بول کر زار و قطار دے لگی کہ اسی اثنا میں تانی ای عدنیہ اور صدف کے امراہٹ سے اندر داخل ہوئیں۔

”ارے درشل کیا ہوا؟ تم یہاں بیٹھ کر کیوں دروری ہو۔“ صدف واقعی اس اس حالت میں دیکھ کر پریشانی سے بولی تو درشل نے چونک کر دھیرے سے اسرا خیابا۔

”جوں یہ تم اپنے بھائی شہر یار عمیر سے پوچھنا مگر نہیں۔۔۔ وہ شاید تم لوگوں کو نہیں بتائے گا ہاں مریم سے پوچھ لینا۔“ درشل اپنے کالوں کی صاف کر کے تیزی سے ابھی اور اپنے پوشن کی جانب آکر جلدی سے کیٹ کی جانب بڑھنے لگی ذرا کر اس نے چوکیدار کو مخاطب کیا۔

”بابا! امی کو بتا دیجیے گا کہ میں آج اپنے گھر جاری ہوں! اسنے شوہر کے گھر۔۔۔“ پھر درشل چسپاک سے باپر چھل گئی ابھی اس نے ڈرائیونگ سٹ سنہائی ہی تھی کہ اچانک اس کا موبائل بچا اٹھا۔ شبھل کے گھر کا نمبر دیکھ کر اس نے تیزی سے فون اٹھاا دوسری طرف مائر نے اس کے اوسان پر پوری طرح خطا کر ڈالے۔ شبھل کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ درشل نے گاڑی اشارت کر کے اسٹیلینر پر پاؤں رکھ دیا گاڑی فرار نے بھری تھی۔



وہ بدحواسی سے گھر میں داخل ہوئی اور تیزی سے شبھل کے کمرے کی جانب دوڑی تو شبھل کو پوچھ

سونا جانا! سنو میرے جان جاں محبت برسوں سے دعا کی مانند ہاتھ اٹھائے آسان کی طرف دیکھتی رہتی ہے اور۔۔۔

ہر شب کی آخری دہلیز پر تیرے انتظار سے تھک کر پھوٹ پھوٹ کے روتی ہے۔۔۔

سیما ستا ز عبا کی کی پسند۔۔۔ لاڑکانہ

پلڑے درو سے بے حال پایا۔

”شبھل۔۔۔ شبھل تم ٹھیک ہونا۔۔۔“ وہ خود اکثر ہونے کے یاد جو اس بل بری طرح گھبرا رہی تھی۔ ”اور آپ کو شبھل؟ کیا بہت زیادہ رو رہا ہے۔“ شبھل کوئی جواب دیتا کیونکہ تیز دردی لہر لہر کر رہی اور وہ بے دما ہو کر نہر پر الٹا کر گیا۔ درشل نے بڑی مشکل سے کچپاٹے ہاتھوں سے ایسپونجس روٹن کیا اور اس کی جانب جھک کر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ساڑھ ساڑھ کا ایک مڑا خال تھا اور درشل وہ شاید بے ہوش دھواں ہی کھنکھناتی تھی شبھل کے سینے پر سر رکھ کر روز و رات سے رو کر صرف یہی بولے جارہی تھی۔

”شبھل پیاز مجھے معاف کر دو ایک بار مجھ سے بات تو کر مجھے سب معلوم ہو گیا ہے۔“ صرف بابا ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو سنہاں رکھا تھا وہ درشل کا یار انداز دیکھ کر کافی کچھ سمجھ گئے تھے تھوڑی ہی دیر میں ایسپونجس آگئی اور درشل سنہاں کراپتال لے آئی۔

نشرہ درو ادیات کا استعمال شبھل نے حال ہی میں شروع کیا تھا بابا ایس تائیس برس نہیں تھا وہ اب



پرسکون فینڈ سر ہاتھ ادا کرنے اور رش کو تپایا کہ شہظل کی یہ حالت شاید وہ نہ لینے کے سبب ہوئی ہے۔ وہ کچھ دن سے دوا استعمال نہیں کر رہا تھا اب چوں کہ کافی بہتر تھا لہذا سب نے یہی سکون کا سانس بھرا تھا بالآخر تمام حقیقت سن کر بہت دھکی تھے سارہ مازہ بھی ممکن تھیں مگر ورشہ نے انہیں حوصلہ اور یقین دلایا کہ آئندہ شہظل ان دواؤں کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں۔

”آخروہ جب کہ تھی کہ میرا مضبوط اعصاب کا بیٹا جس نے زندگی کے ہر امتحان کا جواب سردی کے ساتھ مقابلہ کیا وہ آج یوں بہت ہار کر ٹخنے کیے گیا۔“ بابا مقوم لہجے میں بولے تو ورشہ نے غمامت سے سر جھکا دیا۔

”وہ جیسا ہیں بابا! میں ورشہ اور القادیری ہی جیسے آج شہظل.....“ اتنا کہہ کر ورشہ نے ایک سسکی بھری اور پھر سب کچھ بتاتی چلی گئی کہ کس طرح شہر بار نے اس کی بیجوریوں کا فائدہ اٹھا کر اور اسے ورشہ کی زندگی میں بیجا اور وہ سختی اس سے بدگمان ہو گئی کن حالات میں اس نے شہظل سے شادی کی اور شہظل! احساس غمات کے بوجھ سے اندھیرے راستوں کا مسافر بن بیٹھا۔

”ظلم تو تمہارے ساتھ بھی ہوا تھا بیٹی! تم اپنے آپ کو مجرم تصور مت کرو شہظل کو پہلی فرصت میں تمہیں حقیقت سے آشنا کرو دینا چاہیے تھا۔“ سب کچھ سن کر بابا نے انتہا ممکن ہو گئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر حلاوت سے بولے۔

”بابا یقیناً یہاں بھی شہظل کی بیجوری رہی ہوگی“ شہر بار انتہائی کمینہ انسان ہے اگر یہ حقیقت حل جانی تو شہر بار ہی غمت آغا دلا میں دو کوڑی کی رہ جانی اور ایسا وہ کر نہیں چاہتا تھا۔ ورشہ ہنسوج لہجے میں

بولی تو سب نے اس کی بات کی تائید کی۔

علی الصبح شہظل کو تھوڑی دیر کے لیے ہوش آ یا اور ایک بار پھر وہ فینڈ کی دوا یوں میں ڈوب گیا! آکرشہ نے اطمینان کا اظہار کیا! ورشہ نے اپنے سینئر سے شہظل کو کسی ایجنٹ میں ایڈمٹ کرنے کا پوچھا تو انہوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیوں کہ اللہ کا کرم ہے کہ معاملہ ابھی آگے نہیں بڑھا تھا ابتدائی آج سبھی لہذا خصوصی محبت و توجہ اور دل پارے اس سے چیز سے مرعیش نکل سکتا تھا۔ سب نے سکھ کا سانس لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ دن کے وقت شہظل پوری طرح سے بیدار ہو چکا تھا اس وقت کمرے میں صرف مازہ اور ورشہ تھے شیخ اطمینان ہونے کے بعد ورشہ نے بابا اور سارہ کو زبردستی کھڑے کر دیا تھا کہ بابا کچھ دیر آرام کر سکیں۔ شہظل نے اپنے آپ کو اسپتال کے بستر پر پایا تو خاصا حیران ہوا۔

”ہم لوگ آپ کو یہاں لے کر آئے تھے یہاں کل رات آپ کی طبیعت بہت زیادہ بد ہو گئی تھی“ مازہ نے اسے بتایا تو وہ مری طرح شرمندہ ہو گیا اس نے جونی منہ دوسری جانب کیا ورشہ کو سسکی نکالیں سے خود کو گھورتا ہوا پایا وہ گڑ بڑا گیا۔

”وہ..... وہ بابا اور سارہ.....“

”آئیں میں نے گھر پہنچ دیا ہے۔“ ورشہ شہظل کے لیے بولی۔

”بھالی میں ڈرائیونگ سے چائے پی کر آتی ہوں“ سر میں تھوڑا درد ہوا ہے۔ مازہ خدا دلوں کو تبتائی فراہم کرنے کی غرض سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کے جانے کے بعد ورشہ آسکھی سے قدم اٹھا کر شہظل کے قریب آ گئی۔ نام نادم شہظل اس پل اسے بہت ایراگاہہ جگہ بنا کر اس کے ہیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔ شہظل نے ورشہ کو اس قدر قریب بٹھا کر کچھ

اگے سے دیکھا۔

”شہظل.....“ ورشہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح شہظل کے ساتھ پیش آئے بے ساختہ وہ بے آواز رونے لگی۔ شہظل اس کے انسو کو گھبرا گیا۔

”ورشہ پلیز! یہ انصاف کیجئے۔“ شہظل کی بات پر اس نے خدی کی بجائے کی طرح کی میں سر ہلایا تو شہظل شخص ایک نگاہ سے کہہ کر گیا۔

”تم صرف مجھے یہ بتاؤ شہظل..... کیا تم نے مجھ سے کبھی محبت کی؟ کیا تمہارے دل میں میرے لیے تھوڑی سی بھی محبت تھی؟ کیا تم نے مجھے بھی پسند کی نگاہ سے نہیں دیکھا؟ جھوٹ موت کی محبت کرتے کرتے کبھی سچ میں مجھ سے محبت محسوس نہیں کی؟“ ورشہ کے الفاظ انداز اور لہجہ شہظل کو بُری طرح متحیر کر گیا۔

”بولو نا شہظل! پلیز! بتاؤ ورشہ..... ورنہ میں مر جاؤں گی شہظل پلیز!.....“ یہ کہتے ہوئے ورشہ نے شہظل کے سینے پر ہاتھ رکھا تو شہظل جیسے ساکت رہ گیا اسے لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکیں بند ہو جائیں گی مگر نہیں..... ایسا نہیں ہوا دل تو جیسے جھوم اٹھا تھا ایک نئے سرے پر قصاں تھا اس نے ایک گہری سٹکن زدہ سانس فضا میں خارج کی اسے لگا تو تازہ ہوا اتنے عرصے بعد اس کے اندر جاری ہے۔ ورشہ کے انوساں کا سینہ بگڑے تھے شہظل نے اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں ڈالیں اور اس کی زلفوں کو اپنی صلی میں بند کر لیا۔ کتنی چاہت کتنا ارمان تھا اسے کہ ایک بار وہ ورشہ کی زلفوں کو چھوئے انہیں اپنے چہرے پر پھیرا کر دیکھے اس کے گالوں کی نرمی کو محسوس کرے اس کے پاس آ کر اس کے وجود کی خوشبو محسوس کرے اسے انداز تارے۔

”بتاؤ نا شہظل! کیا تم نے مجھ سے کبھی محبت نہیں

فوزیہ سعید

السلام علیکم! آپ کی خبریت خداوند کریم نیک مطلوب ہوں۔ میرا نام فوزیہ سعید ہے اور میرا تعلق ضلع مظفر کوٹھ کے شہر کوٹ اڈو سے ہے۔ 2007 میں خواتین وکری کا کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سے قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر کا کورس کیا۔ آج کل گھر میں چوں کو یونیون رہا ہوں۔

آپ کے لیے میری دعا ہے کہ ابھی ابھی میں نے آپ کو سب سے بہت پسند کرتی ہوں۔ آج آپ کی مرتبہ آپ کے لیے کچھ لکھ رہی ہوں ویسے بہت کچھ لکھتی ہوں صرف اپنی ڈائری میں۔

آپ کی معزز لکھاری نہیں نازیہ بیگم نازی اور سیرا شریف طور کے ناول انتہائی تحریف کے قابل ہیں۔ She is very best Writers سیرا شریف طور کا ناول ”یہ باتیں شہر میں“ بہت اچھا تھا میں اس کو کبھی نہیں بھول سکتی اور اب ”زرد موسم“ کے دکھ میں دعا کرتی ہوں کہ ہماری لکھاری نہیں آپ کے لیے اچھے سے اچھا تھی ہیں اور ہمارا آپ چل دنگی رات چوٹی تری کرے آئیں۔ آپ کے لیے میں نے بہت کچھ لکھا اور ان شاء اللہ آگے بھی آپ کو اپنے ہمراہ رکھوں گی اور ہمیشہ اس کے لیے دعا گو رہوں گی۔ آپ کی تمام قارئین اور محروم بہنوں اور لکھاری بہنوں کو میرا سلام۔

شہظل کے سینے سے اس نے سر اٹھا کر روٹھے انداز میں کہا تو دونوں کی نگاہیں یک دم چار ہو گئیں۔ شہظل کی آنکھوں کی حیر انگیزی سے گھبرا کر اس نے

نگاہیں جھکا لیں۔

”کیا اپنے سوال کا جواب میری آنکھوں میں  
سب لکھا ہے ورثہ! تم نے بھی غور ہی نہیں کیا۔“  
شبظل گھبر سرٹوٹی میں بولا تو ورثہ نے جتے ہوئے  
ترج کر کہا۔

”مجھے آنکھوں سے نہیں تمہاری زبان سے سننا  
ہے شبظل! اور وہ بھی تو مجھے دیکھ کر ہمیشہ نگاہیں  
جھکا لیتے تھے۔“ شبظل کے لبوں پر بے ساختہ جاندار  
مسکراہٹ کھڑی پھر اچانک اس کی پیشانی پر مہر شیت  
کرتے ہوئے بولا۔

”ورثہ! میری زندگی میں صرف تم واحد لڑکے ہو  
جسے میں نے ٹوٹ کر چاہا ہے۔ صرف تم سے محبت کی  
ہے یہ شے کہ میں تمہیں کرب محبت دینے آگے  
بڑھا تھا مگر پہلے ہی سر طے پر غرور ہی محبت کا شکار ہو کر  
فریب محبت میں مبتلا ہو گیا۔“ شبظل کے اظہار محبت  
نے ورثہ کے چہرہ سو جان غنائی بکھیر دی اس کی روح  
جیسے بادلوں کی مانند ہلکی پھلکی ہو گئی۔

”میں تم سے محبت کرتا ہوں ورثہ۔ بہت زیادہ  
محبت کرتا ہوں تم سے مگر کبھی تمہیں سکا میری جان  
بہت مجبور تھیں۔“ وہ اس کے کان میں امرت ٹھولتے  
ہوئے بولا تو ورثہ نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

”شہر یار کی وجہ سے اس گھٹیا انسان کی وجہ سے تم  
نے مجھ سے میری محبت کو دور رکھا میری جان پر ظلم  
کیا۔“ میری جان تمہارے پاس ہے شبظل اور میں  
نے شہر یار جیسے ذلیل انسان کی مہربانی سے اپنی محبت  
اپنی جان سے منہ موڑ لیا۔“ ورثہ کے جملوں پر شبظل  
نے انتہائی چونک کر اسے دیکھا۔ ”مجھے سب معلوم

ہو گیا ہے شبظل! میں نے شہر یار اور مریم کے درمیان  
ہونے والی ساری باتیں سن لیں وگرنہ مجھے قیامت  
تک یہ سچائی معلوم نہیں ہوتی اور میں اپنی جان پر یونہی

ظلم کرتی رہتی۔“ یہ سب سن کر شبظل نے ایک گہری  
سانس اندھ کھینچی۔ ”مجھ سے حقیقت چھپانے کے لیے  
شہر یار نے تمہیں کرب بات پر مجبور کیا تھا۔“ اچانک  
سے یاد آنا ورثہ نے استنساہ کیا۔

”اس نے مجھ سے میری ماں کی قسم لی تھی۔۔۔۔۔ ورثہ  
میں چاروں طرف سے بُری طرح پھنس گیا تھا۔ بے  
ساختہ ورثہ نے اس کے منوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔

”اب ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی بات  
نہیں ہوگی شبظل! بس سب بھول کر ہم نئی زندگی کا  
آغاز کریں گے۔۔۔۔۔ مگر شبظل وعدہ کرو کہ اب تم ان  
دواؤں کے بارے میں کبھی سوچو گے بھی نہیں۔“  
ورثہ یک دم اپنی نازک پھٹی اس کے آگے چھپا لے  
ہوئے بولی تو شبظل نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

”جب تم میرے پاس ہو تو اب کسی چیز کی  
ضرورت باقی نہیں۔“ وہ آنکھوں میں شوق جہاں  
سموئے انتہائی معنی خیزی سے بولا تو حیا کے مارے  
ورثہ کے کال غما اٹھے۔

”شبظل تم نا۔۔۔۔۔ کچھ زیادہ فری نہیں ہو رہے۔“  
وہ مشکل اپنی شرم پر قابو پا کر بولی۔

”اچھا! بتائیے ورثہ صلیب! اب آپ جناب چھوڑ کر  
مجھے تم کہہ جا رہی ہو ماہدوت بخازی خدا سے تمہارا  
پہلی طرح آپ کہہ کر مخاطب کرو۔“ شبظل مصنوعی  
سجھڑی دوعب سے بولا تو ورثہ لکھلا کر بولی۔

”اچھا اب آپ ہی کہہ کر آپ کی زوجہ آپ کو  
مخاطب کرے گی۔“ شبظل نے ہنستے ہوئے اسے  
اپنی ہاتھوں نے پھرایا۔



میں شبظل علی خان دنیا کا خوش قسمت مرد ہوں  
جسے ورثہ جیسی دو شعاع محبت کی دیوی ملی ہے جودن و  
رات میری پوجا کرتی ہے اور میں میں بھی اسے

دلہاؤں سے پیار کرتا ہوں۔ اس دنیا میں شہر یار جیسے  
انسان بہت ہیں جو اپنے مفاد کے خاطر دوسروں کی  
آبروؤں کو خرید کر بڑے بڑے فائدے حاصل  
کرتے ہیں میں نا چاہتا ہوں کہ میری شہر یار کے  
انوں ہمہ ہٹا اور اپنی محبت کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے  
کٹوا کر ایک بے وفا حوکا باز ہونے کا جہیل ماتھے پر  
چسپاں کر کے ہاتھ بھڑا کر بیٹھ گیا۔ مگر جہاں شہر یار  
جیسے نامور اس معاشرے میں وہ کمرے گندا کر رہے  
ہیں وہاں کہیں نہیں مریم جیسے کردار بھی ہیں۔ مریم  
نے ہمیشہ شہر یار کو ایسا کرنے سے باز رکھا مگر کوئی حتمی  
قد نہیں اٹھایا کیوں کہ وہ بھی امیر محبت تھی۔

اگر اس دن ورثہ مریم اور شہر یار کا تہی نہ سن  
لیں تو شاید وہ بھی حقیقت سے آشنا نہیں ہوتی۔ میں  
عبد شکر ہرگز نہیں تھا پاس کے لیے میری زندگی  
سے ناتواؤں بیٹھتا اور شاید ایسا ہو سکتا اپنی محبت کو  
اذیت دینے اور اپنے دل کو اجڑنے کے غم کو بھلانے  
کے لیے میں نے ادویات کا استعمال شروع کر دیا مگر  
انڈاکا شکر بے فروقت ہی تمام سچائی میرے سبب نے  
سب کے سامنے عیاں کر دی جو اب پریشانی کا دیکھ  
رہا تھا۔ شہر یار کو اس کے لیے سزا ملنی رزوا کی سبب

میں وہ معذور ہونے کے ساتھ ساتھ باپ بننے کی  
صلاحیت سے بھی محروم ہو گیا۔ آغا فلا میں جب یہ  
حقیقت سامنے آئی تو سب ہی نے شہر یار کو خوب کھن  
طعن کیا اور ورثہ سے معافی مانگی آغا خان نے ورثہ کو  
اس کی جائیداد واپس لوٹا دی مگر میں نے اس میں سے  
ایک روپیہ ہی لینے سے انکار کر دیا۔ آغا خان اور ورثہ  
نے ہمارے دو شرمیزچوں کے نام وہ جائیداد کر دی۔

اگرے ہاں۔۔۔۔۔ یہ تو میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا  
کہ ہمارے ٹونز (جرالوں) بچے ہیں علی زاد اور علیجہ  
سارا دن ورثہ کو اپنے پیچھے چھاتے پھرتے

دی اینڈ  
دیکھا اسے تو جلوہ نہیں سہو گیا  
دریا نے عشق کیوں کوئی مجھ کو ڈبو گیا  
دیکھ کچھ اس کے بھائی ذرا تندرست تھے  
نورانی اسے عشق کا ”دی اینڈ“ ہو گیا  
طلحہ شیریں کی پسند۔۔۔۔۔ کوری خدا بخش

ہیں۔ ہماری شادی کو چار سال کیسے گزر گئے ہمیں  
معلوم ہی نہیں ہوا۔ بابا کی تو اپنے پوتے پوتی میں  
جان ہے۔

سازہ ماڑہ نے گھر میں خوش ہیں، میں ایک ٹٹی  
نعیش کپٹی میں ایک اچھے عیدے پر تڑہوں۔ مریم  
کبھی کبھار ہم سے ملنے آتی ہے وہ ایک وفا شعار  
بیوی کی طرح شہر یار کا پوچھ ڈھور ہے۔ علی زاد اور  
علیجہ سے بہت پیار کرتی ہے آج میری زندگی میں  
سب کچھ ہے اور شہر یار۔۔۔۔۔ اتنی پانک اتنی محنت  
کرنے کے بعد اس کے پاس کچھ بھی نہیں مگر  
ہاں۔۔۔۔۔ مریم ہے لیکن وہ بات بھنے کے لائق نہیں  
کیوں کہ جسمانی معذوری کا اثر اس کے ذہن پر بھی  
ہو گیا ہے۔

”شبظل اوہ خدا! ابھی کہاں ہیں آپ آج  
چھٹی کالوں سے پلیز زرا بچوں کو بھی دیکھ لیں۔“ ورثہ  
کی آواز کانوں سے گزرتی تو شبظل نے جلدی سے  
بین ڈائری میں لکھا اور ڈائری بند کر کے کرسی سے اٹھا  
اور سیٹی پر شریخ سی دھن بجاتا اپنے سپوتوں کو  
سنبھالنے لگا چلا۔





# رشتے کا لالہ

تحسین انصاری

میری آنکھوں میں نئے خواب بسانے آئے  
پھر سے جگنو میرے کمرے کو سجانے آئے  
آؤ تعمیر کریں پیار کا اک تاج محل  
اس سے پہلے کہ ہمیں ہجر رُلانے آئے

جب سے حارث عثمانی فلورڈیا میں اپنی ڈالرائی گئی  
کلینک چھوڑ کر ایک ہمدرد بیوی کی تلاش میں اپنی والدہ  
بیگم عثمانی کے ساتھ پاکستان آئے تھے ان کی والدہ  
کی چاندی سی چاندی سی۔ اس لیے خاص الحاح  
اعزاز سے نواز جا رہا تھا کہ وہ خود کو امریکا سے آئے  
ہوئے کسی وفد کی سربراہ سمجھ رہی تھیں جس کے مزاج  
ہی ٹھکانے پر نہیں آتے۔ سارے رشتہ دار انہیں  
ریڈ کارپٹ استقبال سے نواز رہے تھے۔ کنواری  
فیشن زدہ لڑکیوں کی مائیں انہیں سر آنکھوں پہ  
بھاری تھیں تو لڑکیاں خود شہد کی مٹیوں کی مانند  
حارث عثمانی کے آس پاس منڈلا رہی تھیں۔ بیگم  
عثمانی بھی اپنی سنہری مائیں بھورے بالوں کی وگ سر پہ  
جمائے جدید طرز کا شلوار تھیں پہنے یہ سب کچھ اپنا حق  
سمجھ کر وصول کر رہی تھیں اور ان عمارات سے خوب  
لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ وہاں امریکا میں بھلا کون  
کسی کو اتنی اہمیت دیتا ہے۔ یوں بھی کچھ بیٹوں کی  
مائیں شعوری طور پہ اور کچھ لاشعوری طور پر بیٹیوں کی  
ماؤں کے ہاتھ پاؤں بچھلانے اور خاطر مدارات  
کروانے کا اپنا حق سمجھتی ہیں اور بیگم عثمانی کا تو ایک ہی

بیٹا تھا حارث عثمانی! جو جبہ دراز قد اور سب سے  
بڑھ کر ڈاکٹر تھا۔ ان کی زندگی میں تو یہ سنہرا وقت  
صرف ایک بار ہی آنا تھا۔  
نوجوان لڑکیوں کی مائیں بے قرار ہوئی جارہی  
تھیں۔ بھلا کون ہے جو آج بھلا کون ہو اور وہ بھی امریکا  
مندوں کی حق حق سے دور نہ بھاگتا ہو اور وہ بھی امریکا  
جیسے ملک میں جہاں مندوں کا سرے سے تصور ہی  
نہیں تھا اور بیگم عثمانی جس طرح اپنی رنگ رنگ  
تقریبات خریداری اور سیر و تفریح کے طویل دوروں  
کا ذکر کرتیں ان سے لڑکیوں کے دل میں شغف بڑھ جاتی  
تھی کہ وہ زیادہ تر منظر سے غائب ہی رہا کریں گی۔  
سچی تو حارث عثمانی ڈھیر ساری خالہ زادوں  
بیچازادوں اور ماموں زادوں کے درمیان رہنے اندر  
بنے بیٹھے رہتے۔ چھوٹو کوئی بھی نہیں اس لیے چھو  
زاد کا وجود نہیں تھا اور وہ کچھ حاضر و پورا ہو جاتا اور ان  
چند دنوں میں جھنے والی بے باک محفلوں میں انہوں  
نے ایسے نظارے بھی دکھائے تھے جو وہاں بھی نہ  
دیکھے تھے وہ تو یہ سب دیکھ کر حیران ہوتے  
رہے۔ کون کہتا ہے کہ پاکستان کی معاملے میں

دقیقا یوں ہے۔ بیگم بھٹانی نے جب اپنی والدہ کو بتایا کہ وہ پاکستان حادثہ کے لیے دہلیں دھوئے آئی ہیں تو وہ پہلے تو چیخی ہو گئیں اور جب انہوں نے یہ بتایا کہ وہ حادثہ کی کزنز میں سے ہی کسی کا انتخاب کرنا چاہتی ہیں تو انہوں نے پہلی فرصت میں حادثہ کو طلب کر لیا۔

”کیوں حادثہ میاں! اس قسم کی لڑکی چاہتے ہو تم؟“

”بیچے گرینی! یہ بھی کوئی بچھڑی بات ہے؟ بس ماڈرن خوب صورت ہو میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ وہاں کے ماحول میں بخوبی رچ بس سکے۔“

”کیوں میاں! شب ادب آداب بھول گئے یا وہیں چھوڑ آئے ہو؟“ میں گری نہیں نانی حضور ہوں۔“ سلطنت آرائے تاجہ نظروں سے نواسے کی طرف دیکھا۔

”ناراض کیوں ہوئی ہیں نانی حضور! میں تو سمجھا تھا کہ زمانہ بدل گیا ہے آپ بھی ان بھاری بھر کم القابات سے تنگ آ گئی ہوں گی۔ مانا کہ کوئی خون دوڑ رہا ہے آپ کی رگوں میں لیکن اس دور میں ان باتوں کی کہاں اہمیت ہے۔ میں تو سمجھا تھا آپ برا نہیں مائیں گی۔ دیکھیں نا گری بکا چھلکا سا لفظ ہے۔ ایک دم ادا ہو جاتا ہے زبان سے۔ جبکہ نانی حضور!“ حادثہ شہر نظروں سے سلطنت آرا کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن نانی کی سنجیدگی دیکھ کر وہ دہیں رک گئے۔ ”ٹھیک ہے ہم معذرت خواہ ہیں نانی حضور!“ انہوں نے جلدی سے ان کے نرم و نازک سفید ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیے اور ان کے گلے لگ گئے۔ سلطنت آرائے شفقت سے ان کی کمر پہ

ہاتھ رکھا۔

”میں تمہاری بات سن کر بہت مایوس ہوئی ہوں حادثہ! یہودی کے بارے میں تمہاری ترجیحات بالکل درست نہیں ہیں۔ بیٹیاں سب باتیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے بالکل جی اور غیر اہم ہیں۔“

”کیوں نانی حضور! آج زمانے کے ساتھ چلنے کے لیے یہی کچھ چاہیے ہوتا ہے۔“ حادثہ نے معصومیت سے سلطنت آرا کی طرف دیکھا۔

”بنیادی باتیں نظر انداز کر گئے ہو۔“

”وہ کیا ہیں نانی حضور!“

”دین دار لڑکی ہونی چاہیے۔ سلیقہ مند ہو گھر داری میں طاق ہو۔“

”ارے نانی حضور! آپ تو پرانے وقتوں کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔ آج کل ان باتوں کو کون دیکھتا ہے۔ مجھے یہودی کی ضرورت ہے ملازمہ کی نہیں رہی سلیقہ اور گھر داری کی بات تو وہ کون سا وہاں جا کر کام کرے گی۔ میں خدا کے فضل سے اتنا کھلتا ہوں کہ ہر کام کے لیے ملازمہ مہیا کر سکتا ہوں۔ میری یہودی کام کا صرف یہ ہوگا کہ وہ خوب صورت لگے میرے ساتھ چلے تو سچے روحانی سے انگش بول سکے ناڑن لباس پہننے کا سلیقہ ہو وغیرہ مردوں سے بات چیت کرتے ہوئے ٹل کا اس لوگوں کی طرح ٹھیکرٹ ہے۔ سر نہ ہوجائے اور بس!۔“ انہوں نے اپنی بات ختم کر کے نانی کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے پر صدمہ کی کیفیت دیکھ کر جلدی سے انگلیں چرامیں جبکہ لب کمرانے کو بے قرار تھے اور میری بھاری نانی حضور! آپ اپنے اس خوب صورت سر کو ہر قسم کی فکر سے آزاد رکھیں! ابھی تو میں اپنے دوست کی طرف چارہاںوں رات کھانے پہ ملاقات ہوگی۔“ ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ ان کے سر کو بوسہ دے کر

کمرے نکل گئے۔



ہاں پچا کی تقریب میں کوشی نے حادثہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اپنی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ یوں تو پچا کی دو بیٹیاں میں جن کی عمروں میں میں دو سال کا فرق تھا گوئی اور اس سے دو سال پہلی نوٹی..... لیکن نوٹی نے اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ حادثہ کی ماموں زاد چچنا کا کہنا تھا جب بھی اس قسم کا کوئی مرحلہ آتا ہے تو چچی نوٹی کو خود ہی منع کر دیتی ہیں کیونکہ کوشی بڑی کٹی اس لیے اس کا حق پہلے تھا لیکن کوشی نے خود حادثہ کو بتایا تھا کہ کوشی آج کل ایک بڑے تاجر کے بیٹے کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ حادثہ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کوشی نے تقریب میں ایک لمبے کے لیے بھی اس مغر و شہزادے کا ہاڑ نہیں چھوڑا مہادادہ ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ کوشی اسکا ٹائٹ جینز اور ستاروں سے بھرے سیاہ جید ملاؤز میں ہلبوس تھی۔ جینز اور ملاؤز کے درمیان سے اس کی چمکتی ہوئی سر کردیکھ کر اسے فلور بڈا میں اپنے پڑوس میں رہنے والی کبھی یاد آگئی۔ جو گاہے گاہے اسے ہنسی پھولانے لگتی تھی ہاتھ ہلاتی، حادثہ لوگنا تھا وہ اس کے ایک اشارے کی منتظر رہتی ہے اس لیے وہ اصرار دیتے ہوئے اسقاط سے کام لیتا تھا کہ کہیں اس کی کسی حرکت کو وہ گرین سگنل نہ سمجھ لے کوشی اور میں میں اسے کوئی فرق محسوس نہ ہوتا۔ کوشی کے گھر کی تقریب میں سو سے زیادہ افراد شریک تھے تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ عباد پچا اپنی تقریب میں اس سے دئے افراد دعوت نہ کرتے۔ اس پارٹی میں بھی لگ بھگ وہی ماحول اور وہی سماں تھا۔ وہی مرغن کھانا، لاتعداد ڈشز اور اسی طرح کے نظارے تھے۔ میز پر بھی انتہائی تیز رفتاری

اس میز پر کبھی قرض کے مظاہرے کی بھونڈی کوششیں بھی جاری تھیں۔ البتہ ایک فرق ضرور تھا کہ پچا کی بیٹی ڈولی نے جنہی بجائے پارکٹر شریپس والی کہری سرخ لیس کی میکی میں رکھی تھی جو کمرے سے اتنی تنگ تھی کہ وہاں ہجران ہوا تھا کہ وہ سانس کیسے لے رہی ہے۔ ڈولی نے اپنے ہاتل پارکٹر رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ایک بار وہ بڑی بڑا کتے سے حادثہ کی طرف آتے ہوئے اپنی نازک سی ہاتلی کی سیڈل میں ڈنگا کر گئے تھے بھی لگی تھی۔ یہ تو حادثہ نے بعد میں سوچا تھا کہ یہ کرنا دانستہ بھی ہو سکتا ہے تاکہ وہ اسے بازوؤں میں تھام کر ڈولی کے لیے خرف کا سبب بنے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جلدی سے وقدم پیچھے ہٹ گیا تھا جبکہ ڈولی بہت کوشش کر کے تسبیل سکی۔

ڈولی اسے اپنی ایک بیوقوف مریضہ جیو کی یاد دلائی تھی جو صرف اس کی وجہ سے ٹیکہ لگاتی تھی لیکن وہ حد سے زیادہ جھٹکا تھا کیونکہ اسے اپنی بی بیانی ساکھ اور اپنا مقام بہت عزیز تھا۔ اسے اپنی بھین تھا کہ ماموں کے گھر کی تقریب بھی اسی قسم کی ہوگی۔ جھجلی دوڑوں تقریبات میں وہ بہت ہوا تھا یہاں بھی خراب لطف لیتا تھا۔ وہ ہر تقریب میں خاص الخاص شخصیت بنی رہیں بالکل سی ملکہ عالی کی طرح جس کے چاروں طرف خدمت گزاروں کی میسر ہوئی۔ خاتون خاندانیں کبھی مشروب کی پیشکش کر رہی ہوتیں تو کبھی چائے کے لیے پوچھتیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان سب باتوں سے تنگ آ کر حادثہ نے واپس جانے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ یہ مزے چھوڑ کر جانے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھیں۔ ان کے لیے تو یہ زندگی کا سہرا ہوتا تھا۔

حادثہ اور میں یوں تو تمام رشتہ داروں کے گھر جاتے رہتے تھے لیکن مستقل پڑاؤ انہوں نے



سلطنت آرا کے گھر ہی رکھا تھا۔ وہ حادث کے ماموں کا گھر تھا اور بیگم عثمانی زیادہ وقت اپنے سینے میں ہی گزارنا چاہتی تھیں۔ طبیب ماموں کی بیٹیاں بیٹیاں اور جینا کے ناز و انداز کا تو روزانہ ہی سامنا ہوتا تھا۔ وہ کسی وقت بھی اسے اکیلے نہیں رہنے دیتی تھیں۔ بھی شائینگ کے لیے لے جا رہی ہیں تو بھی فلم کی دھڑک اور کسی چٹک کا پروگرام ہے تو بھی گھر میں بیٹھ کر کرم سے لطف اندوز ہوا جا رہا ہے۔ ماموں کی کوئی ہزار روپے ہنسی کی کوئی عیب بھی ہے پلان سے پرے اس نے ایک انیسویں دیکھی تھی۔ کبھی بے خیالی میں ہی نظر اٹھ جاتی تو براہِ مدے میں تخت پر ایک باوقاری خاتون بیٹھی نظر آتیں۔ کبھی ہنسی ہناتے، کبھی اون اور سلاہوں میں مصروف اور کبھی اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے۔ کبھی کبھی کا پردہ ہوا کی شرارت سے لہراتا تو ایک رنگ سا نظر آتا۔ وہ اچھا سا جانا بے اختیار ہی فیش کا وہ شعر یاد آتا۔

ان کا آئینل ہے کہ رخسار کے پیراھن ہے کچھ تو ہے جس سے ہوئی جاتی ہے پلن رنگن کچھ تو ہے کھلے کھلے ڈھیلے ڈھالے لمبوں کے ساتھ کوئی سایہ نہ جھلک دے گا اور غائب ہو جائیگا۔ وہ کبھی کسی کی جھلک نہیں دیکھ سکا تھا لیکن کوئی رنگن آنچل چڑیوں کی بلکی کی چٹنگ نظر اور ساعت سے جیسے گرا تے گرا تے رہ جاتی "صاف جھپٹے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔" کہ مصداق آٹھ چوٹی کا کھیل اس کی نظروں کو بھلا گیا رہا تھا۔ دیکھی کا باعث بھی بن رہا تھا۔ ایک روز اس کی قسمت کچھ اچھی تھی کہ جینا اور جینا کو اپنی ایک مشین کے سہاکی مہندی پر جانا تھا اور نہ وہ دونوں کو کرنا کا تین کی طرح بھی اسے تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ حتیٰ کہ بھائیوں نوید اور جعفر کے ساتھ باہر جانا ہے بھی اعتراض کرتی

تھیں۔ اسنے دونوں کے بعد تنہائی ملی تو اس نے کھل کر سانس لی اور ایک من پسند کتاب لے کر لان میں آگیا۔ نوید اور جعفر کی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے تھے ورنہ تقریباً دو گرام میں جاتا۔ وہ ابھی چند سطریں ہی پڑھ پایا تھا کہ دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور ہوا کے دوش پر لہراتا ہوا ایک سایہ اندر کی طرف آیا۔ حادث نے بے اختیار اوپر دیکھا۔ پتا نہیں چیدہ بادی لباس تھا یا جو پانی حادث کو کہاں پہچان گئی۔ بس ڈھیلا ڈھالا تھا اور پاؤں تک آ رہا تھا۔ حادث کے دیکھنے پر وہ دیکھتے رستے میں پڑی کی چیز سے ٹھوک کھا کر دوڑ کر اپنی پھری سرعت سے پہنچا تو لمبا چوڑا جانے کتنے گڑ کا دو پنا تھا جو پاؤں میں الجھا دو پنا تھا۔ گڑ وہ پھر سے سنبھلی اور چھ گڑ حیدر آبادی یا جو پانی لباس سختی پھولوں کے پودے ٹھوکر کرتی پیچھے ایک کسی کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ دامن کا نٹوں میں الجھ گیا، پھر جھجھکا کر پٹی اور دو پنے کو کمانوں سے الگ کرنے لگی۔ حادث کی رگ شرارت بے اختیار پھڑکی۔

"کپڑے کا اتنا زیادہ زیاں آفریقہ نقصان دہ ہی ثابت ہوتا ہے۔" لیکن کمال کی بات تھی کہ اس کی طرف ایک نظر دیکھے بغیر وہ محو میں غائب ہوگئی۔ اس کا دل کتاب سے اچاٹ ہو گیا۔ اس کی بے نیازی اور بے پرواہی نے حیران رہ گیا۔ یہ تصویر کا دوسرا رخ تھا ایک ہی گھر میں ایسا اندازہ اچھی ہو گیا۔ ماموں کی تقریب بھی دوسری تقریب سے مختلف نہ تھی۔ وہی کھانے کا زیاں وہی پیسے کا دکھاوا۔ اور وہی بے باکیوں کے مظاہرے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ دونوں کی طرف دیکھنے سے زیادہ اس رنگین سامنے کے بارے میں سوچتا رہا کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو انیسویں میں رہتے ہیں۔

کاپا رشتہ ہے ان کا۔ اگر کوئی رشتہ تو ہے میں وہ کیوں شامل نہیں تھے۔ انہیں مدعو کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟؟؟ وہ درجنوں لڑکیاں وہ کچھ چکا تھا ان کے علاوہ بھی بات میں درجنوں لڑکیاں دیکھی تھیں می نے مسئلہ ماننے کے لیے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔



کتنے ڈھیر سارے دن اسی طرح گزر گئے تھے۔ اسل اسے کسی ایک کو پسند کرنے پر زور دے رہی تھیں لیکن وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ نالی کی خاموشی نظر میں اس سے ان کث سوال کرتی تھیں لیکن انہوں نے منہ سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اس لیے مکمل اختیار اس کے پاس تھا۔ سلطنت آرا اس معمولی سا دباؤ بھی نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ وہ اپنی تھیں کہ وہ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق اپنے بہتر فیصلہ کرے۔ حادث بچپن میں زیادہ تر نانی کے پاس ہی رہا تھا۔ انہوں نے بڑی توجہ سے حادث کو اپنی تعلیم دینے کی کوشش بھی کی تھی اور دنیا سے شغف کے طریقے بھی بتائے تھے۔ حادث یوں بھی ذہین تھا اور سلطنت آرا کو پورا یقین تھا کہ وہ بہتر فیصلہ کرے گا۔ پھر بھی حادث انہیں چھینٹنے سے باز نہیں آتا تھا۔

"آپ بتائیے نانی حضور! ان چاروں میں سے کون میری پوری بننے کے لائق ہے؟ آپ تو سب کو مانتی ہیں آپ کی آنکھوں کے سامنے بڑی ہوئی ہیں۔"

"میں کیا جانوں میاں! جہیں کیا چاہیے۔؟"

"اس دن بتایا تو تھا نانی حضور! بھول گئیں؟"

اب صورت ہو، ماؤں رہا، تعلیم پانچ سویرے ساتھ لہم سے قدم ملا کر چل گئے۔ ابھی بھی حادث کی

آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

"سب بتا ہے مجھے۔ لیکن یہ چار ہی کیوں؟..... اور ابھی تو لڑکیاں ہیں یہاں..... ذرا دھرا دھر توجہ دو غور سے دیکھو۔"

"تو بے نانی حضور! آپ مجھے ابھر اہر تاک جھانک رہے مجبور کر رہی ہیں۔ ایسا لڑکا کچھ کھا ہے مجھے؟ میں پھر ایک نہایت شریف بھولا بھالا انسان اور آپ مجھے ایسی باتوں کی ترتیب دے رہی ہیں۔؟"۔ سلطنت آرا نے ٹھوکہ کر پیار سے حادث کی طرف دیکھا۔ "وہ بھی ان چاروں کے علاوہ اور لوگ تو خود کوسات پردوں میں چھپاتے پھر رہے ہیں میں کیسے دیکھوں کیسے جانوں ان کے بارے میں۔؟"۔ وہ تقویٰ تصور میں اس سامنے کی دنیا میں پہنچ گیا۔ اس روز کے بعد ایک ہی جھلک نظر آئی تھی اس کی حادث لاہری میں جا کر کوئی اچھی سی کتاب تلاش کرنا چاہتے تھے اندر داخل ہوئے تو کوئی کتابوں کی طرف منہ کیے بڑے غور سے ترتیب وار ان کتابوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ سفید چوڑی دار پاجامہ اس پر تھیں وہ کیوں والی جید طرز فرما پاؤں میں بڑی نازکی پائل اور فرما کا ہم رنگ سیاہ اور سرخ استرجاز والا انٹر گز کا چوڑا دوپٹا جو کندھوں پر پڑا تھا۔ لیے لپے چٹپٹا کی شکل میں کمر پہ جھول رہے تھے جس میں خوب صورت پرانہ ڈالا گیا تھا۔ حادث چپکے سے عین اس کے پیچھے کھڑے ہو گیا اور شرارت سے کھنکھار کر متوجہ کیا۔ وہ بے ساختہ پٹی اور اپنی بڑی بڑی آنکھیں پوری کھول کر دیکھا۔ حادث وہیں پر ساکت ہو گیا۔ سانو لے چیرے پر وہ حرا کیڑے حد خوب صورت اور چمکی آنکھیں..... یوں لگ رہا تھا سارے آسمان کے ستارے کوٹ کر ان آنکھوں میں ڈال دیئے گئے

ہوں یا ڈھیر سارے شے نہیں کر ان آنکھوں میں  
سجائے نہ گئے ہوں۔ حادث بہوت سنا سے دیکھتا رہ  
گیا لیکن یہ صرف ایک لمحے کے لیے تھا۔ دوسرے  
ہی لمحے وہ سرسراہٹ ہوئی پلٹی اور ہوا کے دوش پہ لہرائی  
باہر نکل گئی۔  
”کہاں گئے گئے؟“

”اودانی جان! میرا مطلب ہے تانی حضورا میں  
جنت کی سیر کر رہا تھا۔“ ان کی آنکھوں میں ایسی چمک  
تھی کہ سلطنت آرا بس دیکھ کر رہ گئیں۔



گوشتی نوشی جینا اور جینا کی فرمائش پر آج حادث  
انہیں بی بی میں کھانے کے لیے لے جا رہا تھا۔ جینو  
اور شرت کی بجائے آج وہ بلکہ تھری پیرس سوٹ میں  
ملبوس تھا۔ ڈرائیو گیک سیٹ پہ بیٹھا ان چاروں کا انتظار  
کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ غور نہیں تیار ہونے میں اتنی  
دیر کیوں لگائی ہیں بھی جینا جلدی سے آ کر اگلی  
نشست پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تاکہ گوشتی وغیرہ  
حادث کے ساتھ جینے کا اعزاز نہ حاصل کر لیں بلکہ  
لڑکیاں شیدا یا تیار پیالوں اور میک اپ کو آخری شکل  
دے رہی تھیں۔ جینا جانے کیا بوٹی جا رہی تھی جبکہ  
حادث سامنے سرک ہو چکا تھا اور انتظار کی کوفت سے  
جینے کی کوکھ گر رہا تھا۔ جینا کی ساری حیات  
سمت کر آنکھوں میں آگئیں۔ چنانچہ سرک کی یون  
کی سمت سے وہ ہوا کے چھوٹے کی طرح نمودار ہوئی  
سیاہ چوڑی دار پاجامے پہ فیروزہ اور سیاہ استرجاز کا  
کڑھائی والا خوب صورت کرتا پہنے بڑا سودا جینا  
کاندھوں پہ ڈالے۔ سامنے سے گزرتے ہوئے  
اس کا جابوں کا گھٹا ہاتھ سے گر گیا ایک دم اسے  
اٹھانے کے لیے جھکی تو اس کی نازکی سر کر کا پلٹ چلا  
ہوا اس قدر نمایاں تھا کہ وہ نظر نہ مٹا سکا۔

”بیوقوف گنوار۔“ جینا کی نظر پڑی تو اس کی  
آنکھوں میں غصے کی لپک وہ صاف دیکھ سکتا تھا  
حادث نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ  
اگر اس کے بارے میں سوال کیا تو جینا اپنے غصے  
کا تلو نہ رکھ سکے گی۔ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ اس  
کی موجودگی میں وہ کسی اور کی طرف توجہ دے۔  
چاپلیں اٹھا کر وہ سیدھی ہوئی اور ٹھنکت سے قدم  
اٹھائی ان کی طرف دیکھتے بغیر گزرنے لگی تو جینا نے تن  
بدن میں اس کی لگتی تھی۔ حادث کے سامنے خود  
نمایاں کاموں ہاتھ سے لگتا وہ کر اس نے ایک فیصلہ  
کر لیا کہ آج اسے ضرور مڑا چکنا ہے۔ اس نے  
حادث کی طرف جھک کر سر گڑھی۔  
”ابھی ایک تماشہ دیکھنا۔“ جینا بس خاموشی  
سے بیٹھنا اور بولنا نہیں۔ صاف ذرا اوروہ  
آؤ۔“ حادث تو عام کی خوب صورتی میں ہی کھو گیا۔  
واقعی وہ جلی ہی تو تھی جو ایک تھک دکھا کر سرعت  
سے غائب ہو جاتی تھی۔ صاف تھکے مڑ کر دیکھنا  
جبران بھی ہوئی۔ حادث کی موجودگی میں جینا کا اسے  
یوں بلانا حیرت انگیز تھا جبکہ جینا نے حکم دے رکھا تھا  
کہ جب تک حادث موجود ہے وہ ان لوگوں کے  
درمیان نہیں آئے گی اور نہ ہی کبھی حادث کے  
سامنے آئے گی۔ وہ تذبذب کا شکار تھا کہ جینا نے  
اشارے سے پھر بلایا۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا انکار  
کر دے لیکن حادث کے خیال سے چپ رہی۔ وہ  
جینا اس کے بارے میں کچھ سوچے گا دیکھتے قدموں  
سے جاتی آئی اور جینا پہ سوالیہ نظریں گاڑ دیں۔ حادث  
ان آنکھوں کی شیش سے مدد نہ ہونے لگا تھا۔  
”اٹھ! میں ظفر عدنان کی تصویروں کی فرمائش لگی  
ہے چلو گی؟“  
”واقعی؟“ اس کی آنکھوں سے جیسے

”جیسے کہ لیں۔“ چہرے پہ نرم مسکراہٹ جلوہ گر  
ہوئی۔ صاف کوشش آئی انسان تو کسی مصوری اور فنون  
صاف سے جلدی تھی۔ ظفر عدنان جو ان مصور  
صاف کی تصویریں منفرد حیثیت کی حامل تھیں۔ ان  
ہائی پر شہر کے موضوع پہ جاندار تصویروں کی  
اس ملک میں جہم بھی اور صاف بھی اس کی  
تصویروں کی دیوانی تھی۔ آج تک ان تصویروں کی  
پاش پاش یہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ آج جینا نے  
وہاں کی تو مسرت کے باوجود وہ کھنکھو نظروں  
جینا کی طرف دیکھنے لگی۔ بھلا وہ کیوں اسے اپنی  
ولی میں شامل کر رہی تھی شاید حادث اپنا چھٹا ڈانٹا  
پاشی ہو۔  
”کیا خیال ہے! میں نے تو سوچا تھا میں بہت  
بند ہے اس لیے شہر میں بیٹھ کر رہی جاؤں۔“ حادث  
میں چاروں کو لے جا رہے ہیں فائدہ اٹھاؤ تم  
کی۔“ جینا کا ارادہ یہ تھا کہ وہاں پہنچ کر صاف کو  
اتار کر وہ سیدھے بی بی چلے جائیں گے بعد میں وہ  
ایک پریشان ہوئی رہے گی۔ دراصل وہ صاف کی  
حکمت شخصیت اور بے نیازی سے خارا کھاتی تھی۔  
ان کے گھر کے پیچھے بی بی کبھی میں پرورش پانے کے  
باوجود اس میں بولتی خود اعتمادی اور وقار تھا۔ ہمیشہ  
پر اس پہنچتی ہی ہر بات تہذیب اور رکھ رکھاؤ سے  
کرانی تھی اور یہ سب جینا کی برداشت سے باہر  
تھا۔ جینا کے سوال پہ صاف نے ہنسی چاہت سے  
اسے دیکھا۔  
”چنانچہ امی جان جانے دیں انہیں میں کچھ  
کر آئی ہوں۔“ وہ سبک انداز میں ہل کر گھر کا غائب  
ہوئی۔  
”تم نے جھوٹ کیوں بولا؟“  
”اوہ شکر یہ حادث! تم خاموش رہے۔ دراصل  
”تم نے جھوٹ کیوں بولا؟“  
”جی جناب!“ جینا نے شوشی سے کہا۔ ”یہ حضور  
کو موبائل سے اس قدر چڑھ کیوں ہے؟“

مجھے صاف کا غور بالکل اچھا نہیں لگتا۔ یوں اتراتی  
ہے جیسے کسی سلطنت کی شہزادی ہو۔ ہمارے ہی  
مکلوں پہ بل رہی ہے ہر حال ہے جو کسی قسم  
کا احساس گفتری ہو یوں سر اٹھا کر چلتی ہے جیسے کوئی  
بلند وبلا شخصیت ہو۔ اس کی ماں بھی اسے زیادہ  
ہمارے گھر نہیں آئے دیتی۔ جتنی ہے ہمارے ساتھ  
کارا اتر بڑے کا نیک پوچھ رہی۔  
”کیوں یہ کہوں۔“ کوئی رشتہ دار ہے؟“  
”ڈیڈی کی کوئی دوری کیڑن ہیں۔“ بڑوہ ہوئیں تو  
ڈیڈی نے ترس لگا کر انہی میں رکھ لیا لیکن غرور اور  
اگر ڈیڈی کو ڈیڈی کی مدد قبول نہیں کی۔ اپنے زور  
باز سے اٹھوئی اولاد اپنا ناجاتی ہیں۔“  
صاف کو اجازت مل گئی تھی۔ ڈولی گوشتی اور جینا  
بھی آگئیں۔ صاف کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔  
آنکھوں میں آنکھوں میں جینا سے سوال کیسے اس نے  
بھی منہ پہ انگڑی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔  
حادث نے کارا اشارت کی اور باہر بی سرک پہ ڈالی  
تھی۔ موسم بہت اچھا ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چلتی لگی  
تھی۔ آسمان پہ چند بالوں کے ٹکڑے تیرتے ہوئے  
کبھی سورج کے سامنے آتے اور کبھی ہٹ جاتے۔  
”موسم بہت اچھا ہو رہا ہے لڑکیوں! کیوں نہ  
پہلے ہی ڈرائیو سے لطف لیا جائے؟“ سب نے  
رضامندی دے دی۔ صاف خاموش تھی۔ اسے بھی  
کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ حادث نے گاڑی شہر سے  
باہر جانے والی سرک پہ ڈال دی۔ یہی کی سرک تھی  
جس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔  
ہوا سے لہر کر دھرے ہوئے تھے۔  
”سب لوگ موبائل گھر چھوڑ کر آئے ہیں نا!“  
”جی جناب!“ جینا نے شوشی سے کہا۔ ”یہ حضور  
کو موبائل سے اس قدر چڑھ کیوں ہے؟“



”تم لوگ جیسے جو رہتے ہو اس سے..... باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں لڑکیوں کی..... اور مجھے یوں ہونا پڑتا ہے..... لڑکیوں کی باتیں سنتے جانا کوئی آسان کام تھوڑی ہے۔ نرسر نہیہ۔ کس اوٹ پانگ.....“

”اوہ گاڈ..... حارث تم لڑکیوں کی توین کر رہے ہو.....“ گوئی جوش سے چلائی، لیکن پھر دوسرے ہی لمحے لڑکیاں اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ باتوں کے دوران بار بار حارث کو مخاطب کرتیں لیکن حارث کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو اور وہ کہاں موجود ہی وہاں..... وہ انہماک سے باہر کے نظارے دیکھنے میں اس قدر مگن تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اسے پیچھا کھانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ حارث کی نگاہیں عجمی خشے میں بار بار اس کی طرف ٹھہرتی تھیں۔ اس کے سانسو لے چہرے پہ خاموشی کے ساتھ ساتھ جانے کیا تھا کہ حارث کا دل زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کے لیے اس انداز سے دھڑکا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جاوے کے زور سے وہ چاروں غائب ہو جائیں تو وہ صاف کو آگئی نشست برضا کر ڈیر وں باتیں کرے۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ کی کرن دیکھنے۔ اس کی آنکھوں کی فسوں خیز خوبصورتیوں میں کھوجائے۔ حارث ایک گھنٹہ ڈرائیو کرتا رہا۔ باتوں میں کسی کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا گاڑی جھٹکے سے رکی تو سب نے چونک کر بارہ دیکھا۔

”ہم کہاں آگئے..... ہم تو تصویروں کی نمائش پہ جا رہے تھے؟“ وہ گہرائی تو عینا نے پھر پور قہر پہ لگایا اور استہزائے انداز میں اسی..... ان نیوٹن نے بھی اس کا ساتھ دیا تو صافقہ نے پریشان ہو کر بے اختیار حارث کی طرف دیکھا۔ حارث کو اس کے دیکھنے پہ انجانی سی خوشی ہوئی۔

”بیوقوف..... بڑی چیز سمجھتی ہو خود کو.....“ آگئیں تاہمارے دھوکے میں کوئی نمائش وغیرہ نہیں ہے..... دھوکا دیا ہے تمہیں..... ہم تو حارث کے ساتھ بی بی چائے جا رہے ہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“ اس نے سنجیدگی سے حارث کی طرف دیکھا۔

”آپ پلین کر گمنام نہ ہوں ہم بس تھوڑی دیر یہاں رکیں گے۔ اصل میں میں سب کو سر پر اندر چاہتا تھا شہر سے تھوڑا دور خوبصورت درختوں میں ٹھہرا میرے دوست کا بنگلہ ہے میں چاہتا تھا کہ سب کو دکھاؤں تاکہ ہم بعد میں بھی یہاں پیکر منائیں۔ اس کا معذرت خواہانہ انداز بھی صاف تھا پریشانی کم کر رہا کہ یہ دھوکے بازی اس کی طبیعت سخت کیڑ کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے رنجیدہ ہو جھنگے کی بیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ باقی چاروں لڑکیاں ادھر ادھر گھوم کر لطف لے رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ان کی باتیں بھی جاری تھیں لیکن آنسو بار بار صافقہ کی آنکھوں کی دلیز پر دستک دینے لگتے۔ جن کو بڑا مشکل سے وہ پیچھے دھکیلتی اسے یوں حارث اور لڑکیوں کے سامنے رونا منظور نہ تھا۔ تھوڑی دیر گھوم کر چاروں حارث کے گرد آگئیں۔

”اندر سے بھی دکھاؤ کیا ہے؟“ وہ سب کے ساتھ آگے بڑھا کوٹ کی جب سے چائی نکالی اور مرکزی دروازہ کھول دیا۔ سب اندر چلے گئے صافقہ وہیں بیٹھی رہی۔

”آپ اندر نہیں آئیں گی؟“

”اوہ حارث! کیا یہ آپ جناب لارچی ہے خدا کے واسطے! وہ لوگ جائیں صافقہ ہے۔“

”آپ لوگ جائیں میں نہیں ٹھیک ہوں۔ حارث بادل خواستہ اندر چلا گیا۔ اندر سے محوم پھر

وہاں آگئیں۔

”حارث! چلو اب بی بی..... بہت بھوک لگی ہے۔“ ڈولی چلائی تو حارث نے دروازہ متقل کیا اور سب کا گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس بار گوئی نے آگے بیٹھنے میں پھرتی دکھائی دینا نہ برا سامنے بنایا لیکن پھر نہیں سکتی تھی۔ صافقہ نے سکون کا سانس لیا۔ چہرے پر رونق سی آگئی۔ حارث کے چہرے پہ مسکراہٹ چیل گئی۔ اس نے انجین میں چائی چھائی لیکن گاڑی نے اشارت ہونے سے انکار کر دیا۔ کئی بار کی کوشش کے بعد بھی انجن خاموش رہا تو حارث کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہوئے۔ صافقہ کے چہرے پر پھر سایہ سا آگیا۔

”سوری لڑکیوں! یہ گاڑی تو ضدی عجیب کی طرح ضد میں آگئی ہے۔“ سب لڑکیاں باہر نکل آئیں۔ حارث نے انجن چیک کیا لیکن اسے گاڑیوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اور بظاہر کوئی بڑی خرابی نظر بھی نہیں آ رہی تھی۔

”ہائیں کوئی اس پتھر کے زمانے کی گاڑی لے آئے ہو۔ مجھے کھا ہوتا تو میں ڈیڑی سے مر سڑیڑ منگاؤں۔“ گوئی نے براہ منہ بنایا۔

”تو اپنے ڈیڑی سے کھانا بھج دیں یہاں مر سڑیڑ! عینا تنگ کر بولی۔

”کیسے کہوں.....!“ گوئی چلائی۔ ”حارث نے تو ہاں بھی ساتھ نہیں لانے دیا۔“

”اوہ اب کیا ہوگا؟ حارث یہ سب تنہا رقصور ہے۔“ ڈولی نے تختا نظروں سے حارث کی طرف دیکھا لیکن حارث تو صافقہ کی پریشانی پر پریشان ہو پڑے۔ گا۔ کوئی تو ہمت کرے پلین.....! وہ سامنے راتھا۔ اس کی ہر حد چمکدار آنکھیں آنسوؤں سے دھنلا رہی تھیں۔ اوپر کالے بادل جھوم جھوم کر آ رہے تھے بارش بھی صافقہ کی آنکھوں کی مانند

برسنے کو بے اثر تھی۔

”معاف کرنا لڑکیوں!“ حارث نے معذرت کی۔ ”لگتا ہے کچھ دیر اس بنگلے میں ٹھہرنا ہی پڑے گا۔“ ایک دم موٹے موٹے قطرے کرے تو سب اندر کو بھاگیں۔ صافقہ سست قدموں سے چل رہی تھی۔

”جلدی چلونا بھگ جاؤ گی اور کپڑے بھی نہیں ہیں۔“ وہ افسردہ اور اداس اندر آئی۔ سب کچھ دیر خاموشی سے بنگلے کے درمیان میں جسے بیٹھ گئے۔ اپنی اپنی سوچوں میں گم..... یوں کچھ کچھ کہنے کو نہ رہا۔ بنگلے کا فون بھی ڈیڑی تھا۔ کوئی آواز نہیں تھی اس میں.....

”اوہ حارث! ہم یہاں سے کیسے جائیں گے؟“ ڈولی پھر چلائی۔ ”مذہب ہاں سے اور نہ ہی اطلاع دینے کا کوئی اور ذریعہ ہے۔ کچھ چھوٹا۔“

”تم چپ کر کے بیٹھی رہو ڈولی۔“ گوئی کے صبر کا پیمانہ لبرز ہو گیا۔ ”پیٹ میں جو بے دوز رہے ہوں بھوک لگ رہی ہو۔ جھوٹو جھوٹا جھوٹا نہیں جاتا۔“

”اف خدایا! ہم یہیں پھنس کر مر جائیں گے۔“ بھوکے ہی رہیں گے۔“ جینا کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ گھبراہٹ اور خوف نے چاروں لڑکیوں کے حواس بچھین لیے تھے۔ ماں باپ کی تائز میں پل لادلی بیٹیاں جن کے تازک ہاتھوں نے بھی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ آزیائش کے پہلے چھوٹے سے بھی میں ہمت ہار گئی تھیں۔

”لڑکیوں! جلدی کرو۔ اب تو بھوک کے مارے سب کا دم نکل رہا ہے۔ کھانے کے لیے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کوئی تو ہمت کرے پلین.....! وہ سامنے فرخت ہے۔ دیکھو سو ہی اس میں کیا ہے۔ آؤ نا ڈولی! ہمت کرو جلدی آؤ۔“ حارث نے ہمت بڑھانے

کے لیے مسکرا کر ڈولی سے کہا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔  
 ”میں..... میں نے تو زندگی میں کبھی مل کر پانی بھی نہیں پیا۔ کبھی فرخ کھول کر نہیں دیکھا۔ جو بھی خانہ سالن کو قسم دیا کھانے کی میز پر مل گیا۔“ حارث نے گوشی کی طرف دیکھا۔  
 ”آپ ہی اچھے ترہ۔“  
 ”وہ نہیں آری تو میں کیوں اٹھوں..... وہ کوئی زیادہ لاٹ صاحب ہے؟“ حارث نے جینا کی طرف دیکھا۔  
 ”سوری حارث.....“ وہ صوفے اور ابھی پھیل گئی۔ حارث نے تاسف سے سب کو دیکھا۔  
 ”میں ہی دیکھ لیتا ہوں۔“ اس نے فرخ کھول کر بغور جائزہ لیا۔  
 ”ڈبل روٹی“ انڈے دودھ اور ٹماٹر پڑے ہیں اور.....“ اس نے فرخ بند کر کے اھر اھر دیکھا۔ ”اس کو رسی میں پیاز اور آلو بھی ہیں۔ میرا خیال ہے آلیٹ بتایا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کون بنا لے گا؟“ اس نے سب کو باری باری دیکھا۔ چادر لڑوئیوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔  
 ”مجھے تو آتا ہی نہیں آلیٹ بنانا۔“ جینا نے صاف صاف کہہ دیا تو گوشی نے بھی شانے اچکائے گوشہ کو لکچہ کر ڈولی نے بھی لٹی میں سر ہلادیا۔  
 ”تم آلیٹ کہتی ہو مجھے تو انڈا بھی ابلنا نہیں آتا۔“ بڑی کھانا تھا۔  
 ”تم مذاق کر رہی ہو؟“ وہ مجھے کبھی بکریں میں جانے ہی نہیں دیا۔ وہ کبھی ہیں لڑکیوں کو کھانے کرنا چاہیے جلد خراب ہو جاتی ہے ناخن ٹوٹ جاتے ہیں۔“

حارث نے صاف یہ ایک اچھی نظر ڈالی وہ اپنی سوچوں میں کھانے نہیں تھی۔  
 ”کوئی بات نہیں لڑکیوں! حارث سجدی کے بولا۔“ اب تم باہر دلت کے ہاتھ کا ڈانٹتی بھی ملاحظہ فرماؤ اور مجھے ایک ماہر باورچی کی طرح آلیٹ بناتے دیکھو۔“ اس نے انڈے ٹماٹر اور پیاز باہر نکالے پھری اور پیاز ہاتھ میں لیا تھا کہ صافقہ نے آ کر چھری میں ہاتھ سے لے لی۔  
 ”آپ بیٹے میں بناتی ہوں آلیٹ۔“ حارث نے بے اختیار گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ انتہائی خاموش اور خجندہ لگ رہی تھی۔  
 ”میں آپ کو بناتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں شاید کچھ کچھ سکوں۔“ وہ خاموشی دے پیاز سے پیاز کاٹنے لگی۔ جینا گوشی ڈولی وہیں بیٹھی کہیں ہانکنے لگیں۔  
 ان کی بھوک کا مسئلہ حل ہونے والا تھا۔ اب انہیں کوئی فکر نہیں تھی۔ پیاز کاٹنے سے صافقہ کی آنکھوں میں پانی آ گیا تو حارث نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ خفیف سی ہوئی۔ آلیٹ بنا کر اور سالس پیٹک کے وہ ان لوگوں کے پاس لے آئے سب نے مزے سے کھایا۔  
 پیٹ کا دوزخ تو بھر گیا تھا۔  
 ”واہ! اتنا مزیدار آلیٹ میں نے ہماری زندگی نہیں کھایا۔“ حارث نے تعریف کی تو جینا جل ہی گئی۔ گوشی اور ڈولی نے بھی ناگوار شکل بنائی۔  
 ”تم ہمارے باورچی کے ہاتھ کا بنا آلیٹ کھاؤ تو چلتا کہ اس صل میں آلیٹ ہونا کیا ہے۔“  
 ”روز ہی کھاتا ہوں جناب!۔“ وہ مسکراتے ہوئے رساں سے بولا۔  
 ”لیکن باورچی تو باورچی ہی ہوتا ہے۔“ کھانے

کے بعد سب ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں۔ کسی نے برتن سینک کر کوش نہیں کی۔ کسی نے برتن دھو کر رکھے کی پیشکش نہ کی۔ صافقہ نے تمام برتن سلیقے سے پیٹے اور میز کو پتکین سے صاف کر کے کچن میں چل گئی۔ حارث کی تمام توجہ اس کی حرکات و سکنات پر تھی۔ وہ برتن لے کر جیسے ہی کچن میں پہنچی تو جینا نے سر گوشی میں کہا۔  
 ”میرا شکر ادا کرو جو اسے لے آئی۔ ارادہ تو کچھ اور تھا لیکن کیا یہ تھا اس قسم کے حالات میں ہمارے اتنے کام آئے؟“ کچن بات سے وہ نہ ہونی تو ہم تو بھوکے ہی رہتے۔“ حارث بے نیازی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان کی باتوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی لیکن اس نے اسے چھپا کر نہیں دیکھا۔  
 ”اب جانے کون پلائے گا؟ صافقہ کی مہربانی کہ پیٹ پوچھا تو ہوئی لیکن جانے تو ایک معمولی چیز ہے؟ وہ تو تم میں سے کسی کو ہلائی آتی ہو؟“  
 ”مجھے تو پانی ابلنا بھی نہیں آتا۔“  
 ”کیا حماقت ہے گوشی!“ جینا نے ناک چڑھائی۔ ”پانی بالے نکالیا ہے پوچھا جلاؤ اور اوپر پانی رکھ دو۔“  
 ”میرا ایسا کوئی خیال نہیں ہے جینا۔“ گوشی نے معصیت سے کہا۔ ”ایک بار میں نے پتی میں پانی بھر کر چولہے پر رکھا تھا تو وہ پھیل گئی تھی۔“  
 ”بے خوف! وہ اس لیے کہ وہ پتی نہیں تھی پلاسٹک کا ڈانٹا تھا۔“  
 ”سوری حارث! ہم ایسے کاموں کے لیے نہیں بنے پھر صافقہ ہے نا.....!“ اس نے بات ختم کی کی صافقہ چائے لے کر آگئی۔ برتن دھونے کے ساتھ ہی اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا تھا۔

پتی اور دودھ کا ڈبا وہیں الماری میں نظر آ گیا تھا۔ وہ شکر کر رہی تھی کہ کرنے کو کام ہے ورنہ سوچ کر بڑھال ہو جاتی۔ ای جانی کی پریشانی کے خیال سے بیکل ہو رہی تھی۔  
 حارث نے پرتق اور سائٹا آمہر نظروں سے اسے دیکھا۔ غرے میں سلیقے سے کپ چینی اور دودھ رکھا تھا۔  
 ”ارے تمہیں سب چیزیں کیسے مل گئیں؟“ جینا حیران کی۔  
 ”بس ایک نظر دیکھنے کی ضرورت تھی۔ سب کچھ وہیں تو تھا۔“ چائے کے بعد اس نے برتن دھو کر رکھ دیئے۔ حارث مونہ لگا بک گیا۔ ایک بار پھر باہر جا کر گاڑی اسٹارٹ کی لیکن وہی نتیجہ برآمد ہوا۔ کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ گاڑی خراب تھی اور موہا ل فون پاس نہیں تھا۔ بیٹنگ میں فون تو موجود تھا لیکن ڈیڈ تھا چونکہ کچھ ہوئیں سکتا تھا اس لیے فیصلہ کیا کہ رات تو اھر ہی زارانی پڑے گی۔ صبح تازہ دم ہو کر کوئی ترکیب سوچیں گے شاید چولہے سے کوئی اھر نکل آئے۔ خواب گاہ ایک ہی تھی درمیانی حصے میں دو تین صوفے بٹ تھے اس لیے فیصلہ ہوا کہ انکوئی خواب گاہ حارث کے پاس ہوگی اور وہ سب صوفے بید کھول کر وہیں لیٹ جائیں گی۔ رات کو صافقہ نے سچے ہوئے انڈوں سے دوبارہ آلیٹ بنا کر سب کو کھلا دیا اور صفائی کے بعد ان سب کے پاس آگئی۔ حارث جلد ہی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ لڑکیاں صوفے بیٹھ بچھا کر لیٹ گئیں اور دنیا جہاں کی باتیں کرنے لگیں۔ صافقہ اداس اور پریشان ایک طرف بیٹھی تھی۔ کسی نے اسے تسلی دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ اس کی پریشانی سے خوب معظوظ ہو رہی تھیں پھر باتیں کرتے کرتے سب



سو گئیں لیکن صاعقہ کی آنکھوں سے نیند کو سوں دوڑتی رہ رہ کر مای جان کا منتظر چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا تو آنکھیں پانیوں سے بھر جاتیں۔ ان تینوں کے لیے یہ معمول کی بات تھی کہ بار پہلے بھی ایسے مواقع آ جاتے تھے کہ وہ گھر سے باہر پروگرام بنا کر گئیں اور پھر واپس جہ سے باہر ہی رہ گئی تھیں کبھی کسی دوست کے گھر رات رہا۔ کبھی کسی کزن نے زبردستی روک لیا۔ ان کے والدین کو ایسے واقعات کی کچھ خاص پروا ہی نہ تھی لیکن صاعقہ کے لیے تو یہ پہلی بے خواب رات تھی جو پریشانی سے بچی وہ گھر اک صوفہ بیڈ سے اٹھی اور ایک صوفے پر سکر کر بیٹھی۔ کھنکھوں میں سر دے دیا۔ دو دن گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے سکپاں پچھلیوں میں بدلنے لگیں تو وہ ان سب کی نیند نوٹنے کے خیال سے اٹھی اور بچن میں آ گئی وہاں ایک اونچے اسٹول پر بیٹھ کر آنسو بہانے لگی۔ تھی دیر نہ گزری کچھ بیٹھے کراؤ لگی تو نیچے تر کر دیں فرش پر کوئے میں کھنکھوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنسو رنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ اسی جان کا خیال آتا تو دل پیٹنے لگتا۔ کبھی کندھے پر کسی ہماری ہاتھ کا لمس ہوا تو گھر کر سر اٹھایا۔ حارث کو دیکھ کر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

”کیا بات ہے صاعقہ کوئی مسئلہ ہے کیا؟“

حارث نے انتہائی نرمی سے پوچھا تو اس کا رونا بھی تیز ہو گیا۔

”پلیز صاعقہ! مت رویئے بتائیے کیا کیا بات ہے؟“ وہ بھی ان چاروں کے اٹھ جانے کے خیال سے تیزی آواز میں سر کوٹھ کر ہاتھا۔

”مجھے... مجھے کھر جانا ہے...“ وہ سکیوں کے درمیان اس کی طرف دیکھ کر بولی تو وہ ان آنکھوں کی حشر سامنیوں میں ڈوب ڈوب گیا۔ ابھرنا مشکل

ہو گئی۔ کیا کچھ پوچھ لیں نہ سکا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں صاعقہ! کل ہم یہاں سے ضرور چلے جائیں گے اور میں آپ کی امی سے خود جا کر مدعا فی غلوں کا اور یہ بھی تناؤں کا کہ آپ بالکل بے تصور ہیں“ سارا قصور میرا ہے۔“

”لیکن رات کی رات جو امی جان سوئیں کیں گی اس کا کیا ہوگا؟“

”اس کے لیے آپ جو بھی سزا تجویز کریں مجھے منظور ہوگی۔“ وہ دیر سے سے دلکشی سے سکر گیا تو وہ رونا بھول کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”اس میں آپ کا کیا قصور...! سارا قصور تو جینا آپا کا ہے جو جو کے سے مجھے ساتھ لے آئیں۔“

”یوتھے لیکن میں نے موہاں لے جانے سے منع کیا تھا ورنہ مشکل نہ ہوتی۔“

”یہ بھی صحیح ہے۔“ وہ تھوڑی سی پرسکون ہو گئی تھی۔ حارث نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

”میرا خیال ہے آپ کو نیند نہیں آ رہی... مجھے بھی نہیں آ رہی...“

”ہاں ہاں ہے۔“ چوہوہیں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ چاندنی چمکی ہوئی ہے۔ بارش کے بعد ہر چیز چل کر گھر کی ہے۔ باہر بیڑھوں پر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“

”باہر...!“ وہ متذبذب تھی۔ ”اگر کوئی اٹھ گیا تو میری تو مشکل ہو جائے گی۔“

”ان کی فکر نہ کر دیکھو گھڑے بچ کر سوئیں ہیں اب صبح کی جبرائیل گئی۔“

”لیکن باہر اس وقت تو مجھے ڈر لگے گا۔ جنگلی علاقہ سے کوئی جانور آ گیا تو؟“ اس نے ایک اور بہانہ بنایا اسے اپنی ساکھ بہت عزیز تھی۔

”میں ہوں نا...! میرے ہوتے ہوئے کیا

”ہا؟“ وہ بے حد اناہت سے بولا۔ ”اگر کوئی شیر آ گیا تو اسے کہوں گا پیلے مجھے کھائے مہاراج!“

صاعقہ کا چہرہ بے ساختہ سکر ہٹا سے روشن ہو گیا۔ دروازہ کھول کر دونوں باہر آئے تو چاندنی میں نہانے ہوئے منظر سے مہبوت ہو گئے۔

”اوہ کتنا حسین ساں ہے۔“ وہ بچوں کی طرح فوش ہو کر بولی۔ پھر دونوں بیڑھوں پر بیٹھ گئے۔ حارث نے اس سے ڈیرول بائیں کیں اپنے وطن آنے کا مقصد بتایا۔

”میری تو چاہتی ہیں میں ان چاروں میں سے کسی ایک کو منتخب کرلوں اور شادی کر کے واپس لوٹ جاؤں۔“ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کسی کو کوئی کام یاد آتا ہے یا نہیں۔ کسی میں کوئی سلیقہ ہے یا نہیں۔ کسی کے لباس اور حرکات و سکنات میں شرم ہو چیا ہے یا نہیں۔ حالا تک یہ نالی حضور کی اکھوتی بی بی ہیں۔ نالی حضور نے ابھی تک اپنی روایات اور اقدار کو سینے سے لگایا ہوا ہے لیکن شاید ہی اتنے برس دیار غیر میں رہنے کے بعد وہاں کے ماحول میں اس طرح رجس جی ہیں کہ انہیں اب کچھ برائیں لگتا۔ وہ جتنی ہیں کہ کام کا کیا ہے میرے بیٹے کے وہاں اتنے ہیں کہ وہ خادمہ رکھ لیں میرا کتہ نظر قطعی مختلف ہے۔ میرے خیال میں عورت کا سارا حسن ہی اس بات میں ہے کہ وہ ٹیک ہوا بیڑہ لباس پہنتے گھر جانے اور گھر واری سے پہننے کے لیے سلیقہ رکھتی ہو۔ لیکن میرے خیال میں تو یہ چاروں ہی نل ہوئیں۔ یہ گھر واری کی چھوٹی چھوٹی ضرورت پہ بھی پوری نہیں اترتی ہیں بالکل صفر ہیں ہر معاملے میں... جھلائی۔

لوکی میری بیوی کیسے بن گئی ہے جو اتنے غرور سے یہ دہی کرے کہ اسے تو چوٹھا جانا بھی نہیں آتا۔“

پانی ابلنا تک نہیں آتا۔“ ٹھیک ہے میں باہر کے

ملک میں رہتا ہوں! ڈون خیال ہوں مگر بیوی کے بارے میں میرے خاص نظر ہیں جن سے کم پہ میں سمجھتا نہیں کرسکتا ہوں! کراؤں گا۔“ صاعقہ ہاتھ پہ اسی تھوڑی لٹکا کے بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اس کے خیالات سے کافی متاثر بھی لگ رہی تھی۔

”آپ کے خیالات جان کر خوشی ہوئی حارث بھائی ورنہ میں تو آپ کو...“ وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

”اوہ کیا کچھ بھی میں آپ سے کہتا ہوں...“

”جو کہ باؤ آزاد خیال فیشن ڈیزائنر امیر پکاٹ نو جوان...“ صاعقہ کی آواز میں شرارت تھی۔

”اوہ خدایا یہ تاثر دیا میں نے اپنا۔“

”تاثر تو بیکہ دیا تھا۔“ وہ تھاپے زور دے کر بولی۔

”لیکن اب میرے خیالات بدل گئے ہیں۔“ حارث نے سکھ کا سانس لیا۔ صاعقہ نے سکرنے والے انداز میں اپنے دونوں بازو سمیٹ لیے جیسے اسے خنکی محسوس ہو رہی ہو حارث نے جلدی سے اپنے کندھوں سے چادر اتار کر اس کے کندھوں پہ ڈال دی جو اسے خواب گاہ سے الگ تھی۔ صاعقہ بے اختیار لالچی۔ حارث مہبوت اسے دیکھتا گیا۔

”اس وقت سے میں ہی بولتا جا رہا ہوں۔ آپ بھی تو بے بارے میں کچھ بتائیے۔“

”کیا کریں گے جان کر...؟“ وہ ہیکے لہجے میں بولی۔ ”انتہائی مختصر سی رسمی پچھلی کہانی ہے۔ میری پیدائش سے پچھ ماہ بعد ہی ابو جان ایک حادثہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ امی جان اس دنیا میں اکیلی رہ گئیں۔ طیب ماموں (جینا کے ڈیڈی) چونکہ امی کے چچا زاد تھے اور ابو جان نے اپنے ایتھے قوتوں میں ہمیشہ ان کی مدد کی تھی ان کو اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے اور کاروبار کی داغ بیل ڈالنے میں مدد کی تھی

اس لیے شاید ابو کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لیے وہ نہیں اپنی انہی میں لے آئے۔ اسی ایک بیٹی کے ساتھ تنہا اپنے اکلے مکان میں نہیں رہنا چاہتی تھیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق زمانہ تخراب ہے کہ وہ تنہا اپنی بیٹی کو عزت سے جینے نہ دیتا اس لیے خاموشی سے آئیں۔ حالانکہ ہمارے کئی فلیٹس اور دکانیں ایسی جگہوں پر ہیں جن سے اتنا کرایہ آ جاتا ہے کہ ہم خدا کے فضل سے کافی خوش حال ہیں۔ عارف مہمانی کو کبھی ہمارا یہاں رہنا پسند تو نہیں لیکن وہ ماسوں کی وجہ سے خاموش ہیں لیکن ان کی اولاد ہمیں کمتر اور حقیر سمجھتی ہے جیسے ہم ان کا حق غصب کر رہے ہوں حالانکہ ایسی جگہوں پر بھی ان سے پھوٹی کوڑی تک نہیں ملے۔ اسی لیے میں ننڈوہ اندرونی کھر میں جاتی ہوں اور نہ ہی کسی سے زیادہ بے تکلف ہوتی ہوں۔ میں اپنی اتار دودھاری کے بارے میں بہت خود غرض ہوں۔“

بیٹھی۔  
”کیا وہ چہرہ نک سوتی رہو گی؟.....؟ اٹھو ہمارے لیے ناشتا بناؤ۔۔۔۔۔۔ ابھی تک بیڈی نہیں ملے۔ سردرد سے پھنسا جا رہا ہے۔“ صاعقہ نے نا کوا رہی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے گلابی ڈورے سے خوبانی کا اعلان کر رہے تھے۔ وہ چند لمحوں کی سی تھیں۔ لڑکیوں نے منہ دھو لیے تھے اور چائے کے لیے بے قرار ہو رہی تھیں۔ صبح بیڈی کی عادی ہیں آج نہیں ملے تو مزاج خراب ہو جاتا تھا۔ وہ منہ دھو کر کچن میں گئی تو جینا حارث کو چگانے چل دی۔ واپسی پر نئی خبر سب کی منتظر تھی۔

”حارث کو تو بہت تیز بخار ہے۔ لگتا ہے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔“ صاعقہ کو ایک دم اس گرم چادر کا خیال آیا جو حارث نے اسے اڑھا دی تھی۔ اسے بے حد فرسوس ہوئی۔ اس کی وجہ سے حارث کو ٹھنڈ لگ گئی تھی۔ سب کو چائے دے کر اس نے انڈے ٹکائے ایک انڈا حارث کے لیے ہاف بول کیا آلیٹ اور سلاٹس ان تینوں کے سامنے رکھے تو انہوں نے ناک چڑھا۔ ”رات بھی یہی کھایا تھا۔ میں تو دو وقت لگا تار ایک چیز نہیں کھا سکتی۔“  
”اوہ! کتنا دل چاہ رہا تھا! حلوہ پوری کھانے کو۔۔۔۔۔۔ ایک نہ سرت سے کہا۔  
”پیارے چھان اور نہ ہاری۔۔۔۔۔۔!“ دوسری نے چٹکارہ لیا۔

”ارے کچھ بھی ہوتا لیکن دوبارہ وہی آلیٹ۔۔۔۔۔۔“ بھر پور تائید کی گئی پھر بھی تینوں کو وہی زہر مار کر نہ ڈرا۔ کوئی چارہ جو نہیں تھا۔ حارث کے بارے میں کسی نے نہ سوچا۔ اسی الجھن میں صاعقہ نے بھی ناشتا نہیں کیا تھا۔ چھتے ہوئے اس نے تینوں کی طرف دیکھا۔

”حارث بھائی کو چائے اور گولی دے آئیں۔“  
ان کا بخار اتر جائے گا۔“

”ہم کیونکر ہیں اس کے؟.....؟“  
”ہم سے خدشہ نہیں ہو نہیں اور نہ ہی ناز اٹھائے جاتے ہیں۔“  
”تو تھکے کہ وہ ہمارے ناز اٹھائے گا۔ الٹا اسے ہم سے خدمت لینے کا خیال آ رہا ہے۔“  
”تمہیں اتنی ہمدردی ہوئی ہے تو خود دے آؤ۔“  
وہ ایک دم سے سب چیزیں رکھ کر کمرے کی طرف آئی۔ دروازہ کھول کر اندر آئی دروازہ اپنے پیچھے کھلا ہی رہنے دیا۔ آہستہ سے بیڈ کے قریب آئی ٹرے دافنی تپائی پر کھڑی آہستہ سے اسے آواز دی۔ دو تین بار آواز دینے سے اس نے آنکھیں کھولیں۔ صاعقہ کا کھرا کھرا کر مند چہرہ خواب لگ رہا تھا۔ ورنہ وہ بھلا ان کے کمرے میں کیوں آئے گی۔

”گولی لے لیجیے حارث بھائی! بخار اتر جائے گا۔“ وہ خوش کر کے اٹھا نظرس صاعقہ پر ہی مرکوز تھیں۔ گولی دینے سے پہلے صاعقہ نے اسے انڈا کھلا پیا چائے بھی پلا کر گولی دے دی۔  
”ٹھنڈ لگائی نا آپ نے؟.....؟ آپ کو سمجھے اپنی چادر نہیں دینی چاہیے تھی۔“

”میں خوش ہوں کہ آپ کو بچالیا۔“ وہ بھاری آواز میں بولا۔ ابھی گولی نے اپنا اثر نہیں کیا تھا اس لیے اس کی آواز بھاری اور آکھیں سرخ ہی تھیں۔  
”بہرے سنائی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔“  
”پتا نہیں کس مصیبت میں بھنسا ہوا ہے اس حارث کے۔۔۔۔۔۔ خود پیار ہو کر پیٹھ گیا ہے۔“  
”وہی کی آواز کی؟“ جھنجھلاہٹ صاعقہ صاف محسوس کر سکتی تھی۔

”ارے تمہیں کیا فرق پڑا۔۔۔۔۔۔؟ خدمت تو صاعقہ کر رہی ہے ہماری بھی اور اس کی بھی۔ خدا کا شکر ہے جینا تم اسے لے آئیں ورنہ ہمارا کیا بنتا۔۔۔۔۔۔؟“

”میں تو واپس جا کر اس جھجھٹ میں ہرگز نہیں پڑوں گی۔ دنیا میں اور بھی تو مرد ہیں، دولت مند بھی ہیں۔ اعلیٰ تو کر سکتی ہے۔ میں چاہیے حارث کو چھوڑ کر کسی اور طرف بھی دیکھیں خواہ مخواہ اسے سر پہ چڑھا لیا ہے۔“ ان سب کی باتیں سن کر حارث کے لبوں پر طنز نہ کرنا بہت پھیل گئی۔ صاعقہ ٹرے لے کر اٹھی۔

”میں اب چلتی ہوں۔۔۔۔۔۔ آپ آرام کریں۔“  
”صاعقہ بیڑا اٹھوڑی دیر تو بیٹھو۔“ وہ حاجت سے بولا۔  
”تمہیں اندازہ نہیں شاید کہ تمہاری موجودگی کتنے سکون کا باعث ہے۔ مجھے ایسا ہی سکون چاہیے۔ ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی جو۔۔۔۔۔۔ جو۔۔۔۔۔۔“

”پلیز حارث بھائی!“ وہ کھرائی۔ ”آپ باکل آرام سے لیجے رہیے۔ میں آپ کے لیے بخینی بنانے جا رہی ہوں۔ فریزر میں چکن کا ایک پیٹ دیکھا تھا۔ آپ کو بخار کے بعد کمزوری محسوس ہوئی تو اس وقت بخینی بے حد کام آئے ہوگی۔“

”پلیز! صرف دو منٹ۔ بخار کی حدت سے سرخ آنکھوں میں انتہائی جیسے زور کا صاعقہ کے کس میں نہیں تھا۔ وہ بے چین ہی بیٹھ گئی۔ ان تینوں کا وجود اس کے دماغ میں سلاطین اور حارث ہی جانتا تھا۔

”تم ان لوگوں کی فکر مت کرو۔ میں دو منٹ میرے پاس بیٹھو۔ میرے سامنے۔ میں نہیں جی رہی ہرگز کہ جینا چاہتا ہوں۔“ وہ بخار کی غودگی میں مدہوش سا جانا گیا کہ کبہر تھا۔ صاعقہ نے گھبرا کر باہر کی طرف نظر دوڑا دی۔۔۔۔۔۔ وہ سب باتوں میں مگن تھیں۔



حارث نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”پلیز حارث بھائی! ہوں میں آئیں کچھ مدت  
 بولیں آرام سے لیئے رہیں۔“ حارث کے ہاتھوں  
 سے کوئی برقی دھکی جو صافقہ کے ہاتھ میں سرایت  
 کر گئی۔ صافقہ نے جلدی سے ہاتھ چھڑایا شرے  
 اٹھائی اور ہار ٹکل آئی۔

”اقتی دو دیوں بیٹھنی کیا ضرورت تھی۔ بلا شوق  
 ہے تیار داری کا...؟“ جینا کا لہجہ ہر لڑا تھا۔  
 ”میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ خود چائے دے  
 آئیں۔“ صافقہ کی عزت نفس پہ چوٹ پڑی تو وہ  
 جینا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ لکھے میں  
 مضبوطی اور اعتماد تھا۔ جینا چیخا و تاب کھا کر رہ گئی۔  
 صافقہ نے چکن کچا پکڑ کر کچھ حصے سے بچی کے لیے  
 پانی رکھ دیا اور باقی چکن سے دوپھر کے لیے  
 پلاؤ تالیاں۔ برتن بھی رکھ رکھ دیئے۔ حارث اٹھا تو  
 بخار بہت کم تھا۔ صافقہ نے بچنی کا پیالا اس کے  
 سامنے رکھا اور پانی لوگوں کو پلاؤ پیش کر دیا۔  
 ”میں بھی پلاؤ کھاؤں گا۔“ حارث اسے دیکھ کر  
 ضدی لکھے میں بولا۔

”آپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ معذہ  
 برداشت نہیں کرے گا۔“ وہ آہستہ سے بولی۔ اس  
 سارے عرصے میں اس نے حارث کی طرف نہ  
 دیکھا ہمت ہی نہ ہوئی، قہر ختم ہوا تو بارگاہی رکے  
 کی آواز آئی۔ اس ہنگامے کا مالک حارث کا دوست بھتیج  
 گیا تھا۔ لڑکیاں خوشی سے چھل پڑیں۔



بیگم عثمانی نے حارث کو ایسے دیکھا جسے اس نے  
 جانکی تہا کر دی ہو۔ انہوں نے یہاں آتے ہوئے  
 یہی سوچا تھا کہ بھائی کی بیٹیوں میں سے کسی ایک کو  
 حارث ضرور پسند کرے گا اور وہیں تو اپنے چچاؤں

کی بیٹیاں ہی تھیں... صافقہ کے بارے میں تو  
 انہوں نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا یہاں تو جینا فیشن  
 زدہ آزاد خیال لڑکیاں تھیں سوسائٹی کے طور پر یقین  
 سے واقف تھیں لباس پہننے کا بھی سلیقہ تھا اور ان کی  
 نظروں میں ایسے لباس پہننے میں کوئی مضائقہ بھی  
 نہیں تھا۔ سجاد اور عہادی بیٹیاں بھی حارث کے ساتھ  
 قدم ملا کر بخوبی چل سکتی تھیں، کیونکہ وہ بھی آج کل  
 کے ناماد طور پر یقین پہ پوری اترتی تھیں لیکن  
 صافقہ؟ ٹھیک ہے وہ بڑی گتھی تھی۔ شکل و صورت  
 بھی اچھی تھی۔ اپنے بچنے میں ایک مہکنت اس کی  
 شخصیت کا خاصہ تھی۔ سلیقہ، شرافت اور وقار اس کے  
 لباس سے بھی چھلکا تھا، لیکن حارث کو ایسی بیوی کی  
 ضرورت نہیں تھی پھر وہ تو شاہدوں کنایوں میں بھائی  
 پتھوڑا بہت واضح بھی کر چکی تھیں کہ وہ پیدا اور جینا میں  
 سے کسی ایک کو ہو بنائیں گی۔ اب وہ خدا کا شکر ادا  
 کر رہی تھیں کہ ابھی بھائی سے بچہ نہیں کہا تھا۔ وہ  
 حارث پہ خوب ہی ناراض ہوئیں ساتھ میں سلطنت  
 آرا سے بھی شکایت کرنے سے نہ چوکیں۔ سلطنت  
 آرا نے بہت تنجید کی سے بیٹی کی طرف دیکھا جو اس  
 وقت انہیں بالکل آہستہ لگ رہی تھی۔

”دیکھو اور جمنڈ! تم میری بیٹی ہو اور طبیب میرا بیٹا  
 ہے۔ مجھے بھی اپنی پوتیاں عزیز ہیں لیکن حارث میرا  
 واحد نواسہ ہے شروع میں چار سال میرے پیارے پاس رہا  
 ہے اس لیے مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ جینا اور  
 بیٹا میری پوتیاں ضرور ہیں لیکن روشن خیالی اور فیشن کی  
 آڑ میں وہ جس قسم کے سانس میں ڈھل چکی ہیں وہ  
 حارث کی بیوی بننے کے لیے قطعاً موزوں نہیں ہیں۔  
 میں تو اس ملک میں ان کے مستقبل کے لیے از حد  
 پریشان ہوں۔ شروع میں میں نے بے حد چاہا کہ ہو  
 ان کی پرورش اسلامی خطوط کے مطابق کرے لیکن

اس پہ بھی جدیدیت کا بھوت اسی طرح سوار تھا۔  
 میری ایک نرسنی تھی اب وہ دونوں جس قسم کے  
 خیالات اخذ کر چکی ہیں وہاں جا کر تو تھوڑی سی  
 مرمت جوان میں رہ گئی ہے وہ بھی بالکل ختم ہو جائے  
 گی۔ جبکہ حارث کے ذہنی سکون اور آئندہ دل کی  
 تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بیوی خاندانی  
 اقدار کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ سلیقہ مند بھی  
 ہو۔ مضبوط کردار کی مالک ہو، دین دار ہو، محبت بھرے  
 دل کی مالک ہو تا کہ آئندہ دل میں دین کی محبت اور  
 اسلامی اقدار منتقل کر سکے۔“

”تو بیٹا اور جینا میں آخر کیا خرابی ہے؟“ ارجمند  
 بانو کو زور سے لکھے میں بولیں تو حارث نے بے  
 اختیار ان کو اپنے ساتھ لگالیا۔  
 ”ممی پلیز! ذرا میرے تکیہ نظر سے چلیں۔ میں  
 بھی پہلے آپ کے خیالات کے مطابق سوچتا تھا۔  
 میرا ابھی یہی خیال تھا کہ عورت کو خوب صورت ہونا  
 چاہیے، ملاؤں ہونا چاہیے سوسائٹی میں چلنے کے  
 طریقے آنا چاہئیں۔ غیر مردوں سے بات کرتے  
 ہوئے ہنجانا نہیں چاہیے۔“

”تو ٹھیک تو ہے عورت کو یہ سب آنا چاہیے۔“  
 ”عورت کو سب آنا تو چاہیے ممی، لیکن ساتھ  
 ساتھ کام کرنا بھی تو آنا چاہیے۔ خدا نے عورت اور مرد  
 کو پیدا کرتے ہوئے ان کی جسمانی ساخت اور ذہنی  
 صلاحیت کے مطابق ذمہ داریاں عطا کی ہیں۔ ان  
 ذمہ داریوں کو بہترین طریقے سے انجام دینے کے  
 لیے جذباتی نفسانی اور جسمانی طور پر خاص قسم کے  
 سانچے میں ڈھالا ہے۔ مرد پہ کام کرنے کی ذمہ داری  
 ڈالی ہے عورت کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی ہے اور  
 عورت پہ گھر سنبھالنے کی ذمہ داری ڈالی ہے پہلے میں  
 یہ سمجھتا تھا کہ کام و ام کی کیا بات ہے۔ کام کے لیے

عاصمہ یوسف بٹ  
 السلام علیکم! آج کل اسٹاف قاریز اور انارکزی۔  
 میرا نام عاصمہ ہے اور میں ایم اے اور دو کرسی ہوں  
 اور گورنر اکیڈمی کے گاؤں مان سے تعلق رکھتی ہوں۔  
 میں 16 اپریل کو پیدا ہوئی۔ ہم آٹھ بھائی بھائی  
 ہیں۔ میری ٹیوٹر کتاب قرآن مجید ہے اور مجھے  
 ترجے کے ساتھ پڑھنے کا بہت شوق ہے اور میں  
 بہت جلد اپنی شوق پورا بھی کر لوں گی ان شاء اللہ۔  
 مجھے پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے میں اپنے والدین  
 سے بہت پیار کرتی ہوں۔ خدا کرے ان کا سایہ  
 ہمارے سرول پر ہمیشہ سلامت رہے آمین۔ میری  
 بیٹ فریڈ تو یہ ہے جو مجھے بہت عزیز ہے اور میں  
 اس سے سب کچھ شیئر کر سکتی ہوں۔ جب کوئی مجھ  
 سے ناراض ہوتا ہے تو مجھے مانتا نہیں آتا۔ اس لیے  
 اپنی دوست سے التجا کرتی ہوں کہ وہ مجھ سے ناراض  
 نہ ہو کرے۔ میں سادہ گانے پسند کرتی ہوں اور خود بھی  
 سادہ ہوں۔ میرے پسندیدہ رنگ سرخ اور بلیک  
 ہیں کھانے میں بریانی پسند ہے۔ مجھے ہندی لگانا  
 اور چوڑیاں پہننا بہت پسند ہے۔ مجھے کوکھ بالکل  
 نہیں آتی۔  
 برسات کا موسم بہت پسند ہے۔ مجھے اور میری  
 دوست کو بارش دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میری  
 سب سے بڑی عادت میں جلدی کسی سے فریک  
 نہیں ہوتی لیکن دوسروں سے اکثر جھوٹا کھاجانی  
 ہوں۔ میرے فیورٹ سٹائز راحٹ سن غلی خان  
 اور علی عباس شامل ہیں۔ مجھے شاعری بھی پسند  
 ہے۔ میری پسند نا پسند میری فرینڈ سے بہت آتی  
 ہے میں ہمیشہ سب کی کامیابی کے لیے دعا گو کرتی  
 ہوں۔ آج کل کی تمام انارکزی بہت اچھی ہیں۔ دعاؤں  
 میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔





# انکے چہ خواب

عشنا کوثر سردار

تجھے محبت کرنا نہیں آتا  
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا  
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں  
اک مجھے نہیں آتا اک تجھے نہیں آتا

انا نیلک کہ جسے میں داخل ہوئی تو سامنے بستر پر جہانگیر ملک لیٹے ہوئے تھے۔ اس پرائیویٹ روم میں مکمل خاموشی تھی۔ ڈاکٹر نے روٹین کا چیک اپ کر کے اس کی طرف دیکھا۔  
”ان کی تیزی سے ری کوری پر ہم حیران ہیں۔ کوند سے باہر آ اور مریض کا اتنی جلدی تندرست ہونا وہی صورتوں میں ممکن ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کے لیے بہت سے ہاتھ دھاکے لیے آئے ہوں اور دوسرے مریض کے اندر بھی جیسے کی گن ہو۔ سر ملک کے معاملے میں شاید وہوں ہی کا تیس درست ہیں۔ میں کچھ دوا نہیں لکھ کر دے رہا ہوں۔ کی تو بھیج کر منگوا لیں۔ مجھے امید ہے کہ کچھ ہی دنوں میں ان کی حالت اتنی بہتر ہو جائے گی کہ گھر جا سکیں گے۔“  
ڈاکٹر نے انا نیلک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر پرچہ تمام لیا تھا۔ ڈاکٹر جب روم سے چلے گئے تو انا نیلک جہانگیر ملک کی طرف دیکھنے لگی۔ جو آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ انا نیلک نے ان کے قریب آ کر ان کے ہاتھ پر ملاحت سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔  
”میں انا نیلک ہوں انا نیلک جہانگیر ملک..... آپ کی بیٹی؟“

جہانگیر ملک نے کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر کونا چابا تھا۔ مگر اس کوشش میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی وہ تھک کر اس کی طرف دیکھنے لگے تو انا نیلک نے ان کا وہ ہاتھ تمام کران تو بھیجی آنکھوں سے دیکھا۔

”میں نے آپ کو اپنے ہوش میں کبھی نہیں دیکھا مگر میں آپ کے اور اپنے جذبات اس وقت سمجھ رہی ہوں۔ میں سوچتی ہوں کہ آپ سے ملوں کی تو کیا ہوں گی کیسے بات کروں گی اور بھی ملوں گی بھی کر نہیں۔ میرے لیے یہ بات ناممکنات میں ہی کچھ مگر خوشی رشتے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان اعلق کس قدر مضبوط ہونا ہے اس کا اندازہ مجھے آپ سے ملنے کے بعد ہوا۔ آپ کیوں ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے؟ کیوں آپ نے پاپت کر کبھی خبر نہیں لی؟ آپ کے ہوتے ہوئے ہم نے آپ کے بنا زندگی گزار لی۔ می نے سب تجا کیا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں ہمیشہ خاموشی دیکھی۔ ہم نے بھی آپ کے بارے میں بات نہیں کی۔ ہم ایک دوسرے سے ایک عمر کی کڑا تے

رہے اور اس معاملے پر بحث کرتے ہوئے چپکلی تھے۔ میں جانتی ہوں آپ کے پاس ضرور کوئی جواز ہوگا اس طرح چلے جانے کا نگہ میری اور میں نے اس جواز کو دیکھا ہے جیسا ہے اور زندگی ایک سزا کی طرح کاٹی ہے۔ آپ کو نہیں اس طرح چھوڑ کر جانا نہیں چاہئے تھا۔“ جہانگیر ملک اس کے گردنے آسوں کو اپنے ہاتھوں پر محسوس کر رہے تھے اور ان کی آنکھیں بھی جھپک رہی تھیں۔



سردار تعلق نے بیٹے کو جبر سے دیکھا تھا۔

”معارض“ مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ اتنا جبر کر سکتے ہو کسی ایک بات کے لیے تم انٹانیا کی پوری لائف واؤپر لگا سکتے ہو۔ بات بھی وہ جس کی وجہ تم جانتے نہیں اور جسے ہونے پر سوں گزر گئے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن انٹانیا ملک کو کسی ناکورہ جرم پر نہیں ملے۔ میں نے اس کو اس لیے چھٹا کیوں کر وہ جہانگیر ملک کی بیٹی تھی۔ اس کی خبر مجھے ہوئی جب میں اس سے ملا اور وہ مجھے بتاتی تھی تو شاید میں بھی اس تک نہیں جانتی تھا تاہم میں اپنے اندر بھی وہ سکون محسوس نہیں کر پاتا۔ مجھے اس سے بھی کیا یقین تھا میں نے وہ شادی کی محبت میں نہیں کی وہ زبردستی کا نکاح صرف اس لیے تھا کہ میں اس سے پوئی کے ساتھ ہونے والی انسانی کا بدلہ لے سکوں۔“ وہ بہت آرام سے قبول کر رہا تھا۔

”تمہارا داماد غریب ہو گیا ہے معارض! کیا کیا کر رہے ہو تم؟ اس لڑکی کا اس سب سے کیا واسطہ؟ اس کا قصور دکھائی دیا نہیں؟ اس سے چاری کو تو ماضی کی کسی بات کا سرے سے پتا ہی نہیں ہوگا۔ پھر تم نے اس کے ساتھ یہ کیوں کیا؟“ ”سردار تعلق نے الجھ کر پوچھا۔

”میں اسے ان غیر نہیں سمجھتا میں نے اسے صرف اتنی ہی سزا دی ہے جتنی کے لیے وہ حق دار تھی۔ اس سے زیادہ میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔“ وہ مطمئن انداز میں بولا اور سردار تعلق نے اس کو خاموشی سے دیکھا اور بہت سکون سے بولی۔

”تم غلط ہو معارض! مجھے یقین نہیں آتا میرا اسیا ہوا ہو سکتا ہے مجھے لگتا تھا میں نے اپنی پرورش میں کوئی کر نہیں چھوڑی اور تمہیں اہل مکمل اور اچھا انسان بنایا ہے جو دوسروں کے احساسات کی فکر کرتا ہے جس میں انسانیت ہے اور دوسروں کے درد کی فکر ہے۔ تم میں غلطی ہے تم کو بدلہ لینے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہو کسی کو بھی حد تک نقصان پہنچا سکتے ہو اور نقصان پہنچایا بھی تو کسی کے لیے معصوم کو؟ جواب تمہاری بیوی بھی ہے؟ تم میں جانتے تھے ایک

انسان سے اس طرح کا تناؤ کرنا چاہیے؟ اتنا غیر انسانی رویہ کیوں اپنایا تم نے؟ وہ بھی ایک کمزور لڑکی ہے جو احتجاج بھی کرتی تو تم اس کی آواز دہرائے؟“ ”سردار تعلق نے بیٹے کو لڑا تھا۔“ ”معارض! میں ایک بات تم کو بتا رہا ہوں۔

چاہتی ہوں جس دائرہ کو تم نے بڑھ کر سدب کیا اس دائرہ کو میں نے بھی بڑھا ہے اور تمہارے ڈیڈی نے بھی نہیں بڑھا ہے بڑھ کر لانا کیا نہیں تصور اور دکھائی نہیں دیتی۔ نہ انٹانیا کے والد جہانگیر ملک! تاہم تعلق ہمارے گھر کا اور ہمارا

حصہ تھا اس کی موت کا دکھ میں بھی ہے۔ اس نے ایک تکلیف دہ زندگی لڑائی مگر جہانگیر ملک کا ڈاکڑ اس دائرہ میں کہیں اس طرح درد نہیں کرتا اسے ضرور اور سمجھو تم ایک بات کو قبول نہیں کر رہے۔ تم محبت اپنی مرضی سے نہیں کرتے تاہم دوسرے کو محبت کرنے پر زبردستی مائل کر سکتے ہیں۔ تاہم تعلق کو محبت ہوئی مگر جہانگیر ملک کی محبت اس کی

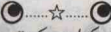
بیوی تھی۔ جب ہم کوئی ناکام زندگی جیتے ہیں تو اس کا الزام ہم کی اور نہیں لگا سکتے۔ تاہم ایک ہے جس جیون ساسی ملا یہ اس کی زندگی کا لہر تھا مگر اس میں جہانگیر ملک کا کوئی تصور دکھائی نہیں دیتا۔ تم کیوں اسے شدت پسند انتہا پسند بن گئے؟ کیوں اتنا آگے نکل گئے؟ تم جانتے ہو تاہم تعلق کی موت اس کی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی اس نے

لوگوں کی تھی کیا کیونکہ وہ لڑنے لڑنے تک تھی۔ وہ ڈپریشن کا شکار تھی۔ تمہی اس نے نیند کی بہت سی گولیاں کھائیں اس کی دواں کی جہانگیر ملک سے ہونے والی وہ آخری ملاقات نہیں کسی اس نے مرنے سے قبل مجھے خون کیا تھا مجھے بہت تنگی ہوئی غرض محسوس ہوئی تھی اس نے بھی یہی کہا تھا۔

”بھائی! میں تنگ کی ہوں مجھے سونا ہے آپ کی یاد آ رہی تھی خون کر لیا۔“ مجھے نہیں پتا تھا وہ اس کے بعد نیند کی گولیاں کھانے کا سوچ رہی ہے۔ اگر خبر ہوئی تو میں اسے ایسا کرنے سے ضرور منع کرتی۔ تاہم اسے شوہر نے اس کے

ساتھ غیر انسانی رویہ اپنایا تو تم نے انٹانیا ملک کے ساتھ کیا کیا؟ تم نے بھی تو اسے ایسی ہی سزا دی؟ پھر تم میں اور اس کے شوہر میں کیا فرق رہا؟ تم آپ لڑکی کو تاہم تعلق بنارہے ہو معارض! یہ سب سے بڑا جرم ہے۔“ اگر کیا ہوتا ہے تو میں

تمہیں اس کے لیے بھی معاف نہیں کریں گی۔ میں ان باتوں میں سے نہیں ہوں جو بچوں کو ہر جائز ناجائز بات پر سپورٹ کرتی ہیں جس میں تمہیں اس بات کے لیے اور نہیں دے سکتی جو غلط ہے سوا غلط ہے۔“ ”سردار تعلق نے بیٹے کی کا اس کی بھی معارض تعلق ماں کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگا تھا۔ سردار تعلق غصے میں وہاں سے نکل گئی تھیں۔



حیدر مرتضیٰ نے چائے کھپ لیا اور انتہا بیک کی طرف دیکھا تھا۔

”انٹانیا میں نے اس معاملے کو لے کر بہت سوچا ہے مجھے لگتا ہے کہیں کچھ غلط ہے اور تم اس غلط ہونے کی ساری وجہ جانتی ہو۔“

”کیا مطلب؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ وہ چونکتے ہوئے بولی۔

”انتہا بیک! میں بہت ڈوں کے لیے یہاں نہیں رک سکتا۔ میرے نامک نہیں ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔“ وہ حتی انداز میں بولا تو انتہا بیک کی طرف دیکھتی رہی۔

”مے کیا بے لگاؤ کر رہی ہیں آپ میری طرف؟ تمہیں کوئی فیصلہ لینا ہوگا۔ اتنے دن ایک دوسرے کو جاننے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔“ وہ مسکراتا بولا انتہا بیک نے گہری سانس لی۔

”یعنی آپ؟ اور... مجھے لگا۔“

”کیا لگا تمہیں؟ میں دامیان سوری کی باتوں میں آ جاؤں گا؟ ایک مل کو مجھے ہی لگا تھا ایسا کچھ ہے مگر پھر تمہارے بارے میں سوچا۔ جتنا تمہیں جانا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تم اس طرح کی کو اپنی زندگی میں لینے کا فیصلہ نہیں لے سکتیں۔

تم بہت پیچیدہ اور لڑکی ہو اگر تم دامیان سوری سے محبت کر میں تو اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی ادا کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہاں پیار محبت والی کوئی کہانی نہیں ہے۔“ حیدر مرتضیٰ کا انداز

مطمئن تھا اور انتہا بیک نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اسے لگا تھا دامیان سوری کی بات میں کہ وہ اور دیکھا جاتا ہے۔ دامیان سوری نے اپنی طرف سے کوئی کر نہیں چھوڑی تھی اسے معاملہ بگڑتا صاف دکھائی دیا مگر یہ تو شکر تھا حیدر مرتضیٰ اتنے خوف نہیں تھا۔

”میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں حیدر مرتضیٰ! وہ رسانی سے بولی۔

”کیا؟“ وہ چونکا۔

”دامیان سوری نے جو کہا وہ اتنا غلط نہیں ہے اس نے پر زور لیا تھا جو اگرمیں نے قبول نہیں کیا کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ وہ انٹانیا سے جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارتی ہوں۔ میں نے اسے تنہا کیا کیونکہ...“ ”مجھ پر کوئی کر نہیں سکتی، مجھے نظر اس سے حیدر مرتضیٰ نے معنی اخذ کرنا چاہا ہے مجھے وہ کچھ ہے جیون دکھائی دی تھی۔ حیدر مرتضیٰ کو





کوئی جذباتی وابستگی، زائرہ ملک نے کہا تھا اور انیہا ملک ماں کو دیکھنے لگی تھی۔



ایکسل نے دونوں ہاتھ کہنوں تک اٹھاتا کے آگے جوڑ دیئے تھے۔  
 ”پلیز میری ریکوئسٹ ہے، جب تک یہ Skit نہیں جاتا ایک دوسرے کے ساتھ اپنی مخالفت کو بھول جاؤ، اگر یہی سب چلتا رہا تو پھر یہ Skit کبھی نہیں ہوا مئے گا۔“

دامیان سوری نے اناجی کی طرف دیکھا تھا۔ اناجی بیگ نظریں پھیر گئی تھی۔ اندازاً جنبیت لیے ہوئے تھا، کوئی دور کا بھی واسطہ وہ اس سے نہیں رکھتا جا رہی تھی۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا ایسل میں یہ Skit کرنا نہیں چاہتی تم نے کیوں میرا نام دیا۔“ وہ ایکسل کو الزام دیتی ہوئی بولی تھی۔

”مجھے لگتا وہ پہلا Skit کامیاب رہا تھا۔ سو دوسرا اس سے زیادہ یادگار ہو سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم دونوں بچوں کی طرح رہنا تو کرو گے، تم سے زیادہ اچھے بچے ہوتے ہیں۔ ان کے دل تو صاف ہوتے ہیں اگر وہ ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں تو دل سے نہیں کرتے۔“ سیکسل نے ڈانٹا تھا۔

”اصل معاملہ یہی ہے کہ ہم بچے نہیں ہیں ایسٹل بھی دل بھی صاف نہیں ہے۔“ ایٹسل نے اسکرپٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”انا میزبانِ ارب اور لڑائی نہیں اس سے زیادہ مٹیں شاید میں نہیں کر سکتا“ میں سب چھوڑ چھاڑ کر چلا جاؤں گا۔  
ایکسل نے دھمکایا۔

”میں زیادہ دیر تک نہیں رک پاؤں گا۔ ایسل! ابھی تھوڑی دیر میں حیدر مر لٹھی مجھے لینے آ جائے گا۔“

”اوکے فائن!“ ایسل نے گہری سھکی ہوئی سانس خارج کی۔

فون کے ساتھ مصروف ہونے کی پوری کوشش کرنے لگی تھی داما میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ سیل فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور آف کر دیا تھا اُنہیچا اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

”یہ کیا بدبختی ہے؟ اور تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟“

”ہم ان رہے گا تو تمہاری توجہ ہی رہے گی اس سیکسل میں نے ٹھیک کیا تھا؟“

”مجھے انا کا اور اپنا سیل فون دیے.....“ دامیان نے اناچنا کا اور اپنا سیل فون اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا اور اناچنا کی

”اگر ای طرح مخالفت کرتے رہو زندگی کس طرح گزرے گی اتنا کہلی!“ اٹھینے اس کے جملے کا کوئی جواب

ایلیسا اپنا سکرپٹ دیکھنے لگی تھی۔ پھر اٹھ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی، کچھ دیر تک اسے خاموشی سے دیکھ

”زندگی بہت عجیب شے ہے! ہم کیسے کہیں کہ محبت ہے؟ محبت کا بیان انا آسان نہیں سچ بات تو یہ ہے کہ

میں اپنی محبت کو اپنی دھڑکنوں کو جی جھکی ایس پانی۔ تمہارے لیے اپنے دل کے دھڑکنے کو اس بے چینی کو..... میں بھی

انچل 92 جون ۲۰۱۲ء

اپنی نام نہیں دے سکی، اگر اس بے چینی کا نام محبت ہے تو ہمیں تو آپ سے بہت پہلے ہی محبت ہو چکی تھی۔ اب وہ

ہاں میں تھا اور آپ نے یہ اسلوب دیا، مگر لوں ہم سے یہ تکی خدسی ہو چلی ہے؟ یہ مخالفت کیوں کرنے لگا ہے؟ اس کے

وہ ہوا کیا۔ کہ میری دھڑکنوں میں یہ تلاطم آیا اور کہ نظروں سے جواب کئے۔ محبت سارے جذبوں کو اپنے رنگ میں چرے رنگ لیتی ہے؟ کیا یہ واقعی محبت ہے یا پھر وہ تم کو نہیں؟“

میں خود کو گم نہیں چاہتے رہنے سے؟ میں نے سوچا نہیں تھا اب محبت ہوگی تو کیا..... مگر محبت کے ساتھ ایک مشکل

”کوئی مشکل نہیں ہے انارکلی! محبت مشکل نہیں اپنی دھڑکنوں کو سنوں اور بتاؤ کیا تمہارے اندر کا ڈراب بھی وہیں ہے۔“

یہ میری دھڑکنوں میں جو سوسہو ہے اس کو سستے کے بعد عذیم وہی دوسروں پر مبنی ہوا میں دیکھو کیا آپ  
کی نہیں ڈر لگتا ہے انارکلی! یہ ڈر بے مٹنی ہے انارکلی! دامیان اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتا ہے اور اس کا دوسرا ہاتھ تھام

”جب تک محبت ہے، یہ زہن نہیں رہنا چاہیے، جب تک یہ دل دھڑکے گا، تم سے محبت باقی رہے گی، اپنی ان آنکھوں کی

میں نے جب تک خواب نہیں کی حسین رہیں گی۔ مجھے اپنی آنکھوں میں رہنے دوانا چاہیے کیا میں اس ڈر کی جگہ لے سکتا

ابواب رکھنے ہیں خواہوں کو بہنے نہیں دینا اور یہ بھی ممکن ہوگا جب تم میری محبت پر یقین کرو گی، محبت پر یقین کرو گی۔“

ایمان مولیٰ اس کی باتوں میں دیکھا ہو اور اہل بیت سادات کی اس بات پر ایمان لائی ہو۔

انایامک پن میں یں جب اسے اپنے پیچھے ہی ایستھوں چوٹی کی اس سے کہتے تھے وہاں وہاں تھیں۔  
 علق کو کھڑا رکھا دیا تھا۔ دروازے کے نیچے کھڑا اس کی سمت ہی دیکھ رہا تھا۔ انایامک چوٹی کی تیسری تاجیران ہوئی تھی۔

عاجز تعلق نے نک اس کے آگے سے اٹھالیا تھا اور گرم گرم چائے کلاپ لیا۔

”انا نیا! مجھے وہ ڈائری واپس چاہیے“ وہ طعنی لہجے میں بولا۔

”میں شرطوں کا قائل نہیں تھا یہ فضول شرط کو مان سکتا ہوں۔“ معارف خفلق اب بھی تنا کر تھا۔

”مجھے وہ ڈانری چاہیے انانیا! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

وقت: ”انا یا مالک چائے کا پیتے ہوئی ہوئی تھی۔“



معارج تعلق نے اس کی طرف دیکھا اور پھر جانے کیوں بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا انا نیا ملک اس کے انداز پر چونکی گی۔ ایک لمحے میں کچھ محسوس ہوا تھا۔ معارج تعلق کی نظر میں اس کے چہرے پر عین۔ ان آنکھوں میں شاید کوئی خاص تاثر تھا۔ انا نیا ملک کو اس شخص کے انداز میں کچھ نیا لگا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی کیا تھا وہ۔ مگر پہلی بار اس کی نظروں میں کچھ محسوس کیا تھا وہ غرت نہیں تھی۔ غصہ بھی نہیں تھا۔

وہ بے پروائی بھی نہیں تھی نہ وہ شدت پسندی نہ وہ مہارائی۔ پہلی بار انا نیا کو لگا تھا وہ معارج تعلق کی نظر میں نہیں کسی اور کی ہیں یا پھر وہ کسی اور نئے طریقے سے اسے ڈک پہنچانے کی شان رہا تھا؟

کیا آنکھیں جھوٹ بول سکتی ہیں؟ آنکھوں کو دیکھتی تو آج ان آنکھوں کی زبان کچھ اور تھی۔ اگر وہ صرف ان آنکھوں کو دیکھتی تو آج ان آنکھوں کی زبان کچھ اور تھی۔

ایک خاص کشش تھی ان آنکھوں میں کوئی اپنے ساتھ باندھ دینے والی بات یا پھر ایسا صرف یہ محسوس ہوا تھا؟ "انا نیا میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں معلوم ہوتا چاہیے باتوں اور چیزوں کے ہونے کے اسباب ہوتے ہیں۔ وہ سنا تے سے بولا تھا۔ اس کے کچھ کا دم پر ان انا نیا کو پہلی بار انا نیا کو لگا تھا۔

وہ کھڑکین۔ وہ سپاٹ انداز۔ لیاد ایسا سلوب۔ سب کہاں کیا گیا تھا۔ وہ نہ وہ طور رکھنے والی بات ہے بے پروائی کی بے پروائی۔ بے گانہ بین۔ وہ جب جب اس کے مزاج کا خاصا تھا سب کہاں غائب تھا یا پھر اسے ہی ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ عجیب طریقے سے برتاؤ کر رہا تھا؟

ضرورت سے زیادہ نرم۔

تھکا کا ماندہ اندازہ

کیا وہ سب کرتے کرتے ہار گیا تھا؟

"جانتی ہوں ہونے اور نہ ہونے کے اسباب ہوتے ہیں۔ مگر تحفظ بڑی چیز ہے، میں اپنے لیے اپنی فہمی کے تحفظ چاہتی ہوں۔ تم نے کہا تھا تم اصول پرست ہو اور اگر میں اس پر اعتبار کر بھی لوں تو پھر یہ دور ہے گا کہ کہیں تم اس سے کون جاؤ میں نہیں چاہتی جس تکلیف کو میں نے محسوس کیا ہے میری فہمی میں کچھ نہیں ہے، ہم نے کارہ کی سزا بہت ہی جلدی ہے اس سے زیادہ جلدی کی سزا نہیں ہے۔" انا نیا صاف کوئی سے بولی تھی۔ معارج تعلق نے اسے دیکھا تھا۔ ان نظروں میں کوئی تھی نہیں۔ بہت طاقت سے وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان نظروں میں غصہ، غصہ یا قہر نہیں تھا۔ صبر و انداز سے بہت مطمئن تھا۔

"میں تمہیں سزا میں دے کر نہیں شان رہا انا نیا تم آج مجھے تھوڑا بہت جانتی ہو تو خبر ہوگی کہ میں اپنی باتوں کو کس طرح سمجھا رہا ہوں۔ تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔" وہ فری سے بولا تھا انا نیا ملک جانے کیوں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تھی۔ کیا اتلا شایا جانتی تھی وہ وہاں۔

"تم اس طرح میری آنکھوں میں کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا وہ صوفی زنی ہو؟" وہ دم مچھے میں بولا تھا۔ انا نیا ملک نے سر اٹکا کر بولا تھا۔

انا نیا کو جانے کیوں کوئی شے باندھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ جیسے اس کا وجود کسی قوت کے زیر اثر تھا۔ یہ احساس کیا تھا؟ انا نیا کسی احساس سے گہرا رنگہ چرائی تھی اور پک و پین کر رہا تھا۔ وہ جانے لگی تھی جب ہی اس کی آواز نے قدم

ایک بل میں باندھ دیتے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو؟" انا نیا کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ انا نیا نے ہلٹ کر اپنے اس ہاتھ کو دیکھا تھا۔ آج اس کی سس میں کچھ نہیں تھی۔ وہ کھر دراغ میں نہیں تھا۔ جو اس کے مزاج کا خاصا تھا۔ یہ نئی یہ دھیمیاں اس کے مزاج کا حصہ کب سے بن گیا تھا؟ یا پھر وہی اسے نہ جان پاتی تھی کچھ۔

"میں وہ۔۔۔" وہ جانے کیوں اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی تو لفظ جیسے ٹھونکنے لگے تھے۔ معارج تعلق اسے اسالیف نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

"میں وہ ڈائری لینے جا رہی تھی۔"

"تم تھک ہو؟" وہ اس کے انداز کو محسوس کرتا ہوا بولا تھا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟" انا نیا کھڑک رہی تھی۔

"کچھ نہیں!" معارج تعلق اسے جتنا مناسب نہیں لگا تھا۔

"میں ڈائری لے کر آتی ہوں۔" وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔

معارج تعلق نے اسے جاتے دیکھا تھا انا نیا کھڑک رہی تھی اس پر سے ہاتھیں پیا تھا۔



"انا! کچھ ہونے اور کچھ نہ ہونے کی کسک کیا ہوتی ہے؟" وہ آگوند رہی تھی جس اس کی آواز سن کر وہ چونکی اور لگا اٹھا کرا سے دیکھا تھا۔ دایمان شادی سوری اس کے قریب اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ وہاں کب آیا تھا؟ وہ کچھ کچھ گمراہان رہ گئی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"کیا مطلب؟ تم اپنے انکل نام کے لیے پچھو یوں کا آگوند خننے میں اتنی بڑی تھیں کہ اس احساس ہی نہیں ہوا۔"

دایمان سوری نے جتنا پتا تھا۔

"میں پچھو یوں کا آگوند خنوں یا میرا خنوں کا تمہیں اس سے غرض نہیں ہونا چاہیے اور تمہاری اہم کیسے ہوئی اسے انکل نام کہنے کی؟" وہ پچھو اور احتجاج کرتی ہوئی بولی تھی۔ دایمان سوری مسکرا دیا تھا۔

"انکل نام نہیں کہوں تو اور کیا کہوں؟ کوئی اور جھاننا نام بنا دو۔" وہ فری کی طرف گیا تھا اور سب انکل کر اطمینان سے کھانے لگا تھا۔ انا نیا نے اس کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔ کھانا ہے؟" دایمان نے سیب اس کی طرف بڑھایا تھا

"وہ کسے لے لے جھوٹا کھانے سے یوں محبت بڑھتی ہے۔" وہ مہلین انداز سے مسکرایا تھا۔ انا نیا بیک سے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"تم کس سب کیوں کر رہے ہو؟ سب سے کیا حاصل ہوگا تمہیں؟"

"ولی سکون۔۔۔" وہ بے فکری سے مسکرایا تھا۔ وہ جواباً گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"دایمان سوری انا ہذا قوت برآ کر رہے ہو تو کوئی اس کی خوب صورت چہرے ہیں۔ اپنی سمت بدلتی ہوئی ہیں۔ پٹلہ کا

دینا صرف اس چادر باریک بند کھد نہیں ہے۔" وہ جھمکتے ہوئے آواز میں کہنے لگی۔

"میری دنیا کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم اس کا فیصلہ تم کیسے کر سکتی ہو جس بات کی خبر صرف مجھے ہے

اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہی صرف میرے پاس ہے۔" وہ سکوین انداز میں بولتے ہوئے سیب کھا رہا تھا۔ انا نیا نے

چوڑی بولی پلائی تھی۔ بولی ہری سرخ "لوگوں میں ڈال کر کس کی تھی۔ تھوڑا زیرہ شال اور تھوڑی سی مقدار کھانے کی

ڈال کی اور آلو کس کرنے لگی تھی۔

دامیان سواری سے بغور دیکھنے کا تھا۔ مہارت سے کام کرتی وہ اسے بہت گھریلو سی لگتی تھی۔

”اے کیا دیکھ رہے ہو؟“ وہ چونکی تھی۔

”بہنی کمرے کے کچن میں کام کرتی کیسی لگے گی؟“ وہ طینان سے مسکراتھا۔

”وہاں..... دماغ خراب ہو گیا ہے؟“ ہانچا بیک نے دیکھا تھا۔ دامیان سواری نے اس کا آلو میں مسالے بکس کرنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور پھٹلی پھیلا کر اس کی لکیر کو دیکھا تھا۔ اس کی حرکت پر وہ صرف حیران ہوئی تھی اور بھی شاید اسے اس کے سے باز بھی رکھنے میں آئی تھی۔

”دیکھو..... اس ہاتھ کی لکیر میں کیا ہے؟ اس میں شاید اجاڑنے کی کوئی لکیر دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں گراہور کی جگہوں کا سفر بے گردو بھی لکھائیں گے کہ اس ملک میں اور اس بندے کے ساتھ ہے۔ اس میں شاید یہ رانام بھی لکھا ہے۔ یہ جو تم انکل نام کے لیے پڑھے بناری ہو اس کے باعث لکیروں میں یہاں وہاں آلو لک کے ہیں۔ اس نے جگن پتھر کے کراس لکھا ہے جو پچھا تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتھا۔

”ہاں اب دکھائی دیتا ہے یہاں میرا تو کافی جلی حرف میں درج ہے۔ یہ دیکھو انکل D یا D لکھا ہے۔ D دامیان سے ملے ہوئے کوون مناسک سے اپنا بی بی اب صبر شورو کرنا پڑے گا۔“ وہ مطمئن انداز میں کہہ رہا تھا۔

”ہانچا بیک نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ بھیچ لیا تھا۔

”بچوں والی باتیں کر کے شے نہیں پانی جاسکتی۔“ اگلے مگر یہ بچوں والی باتیں صرف تمہارا دل بھلا سکتی ہیں۔ دامیان کم صرف اپنا وقت برباد کر رہے ہو اور مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔“ وہ کہہ کر چلے آیا اور آٹو پر اتر گئے۔ آلو کے پراٹھے بنانے کی تیاری بھی یہ وہ بھی انکل نام کے لیے دامیان سواری کو جانے کی اپنی شہنشاہت واضح دکھائی دی تھی۔ ہانچا بیک نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر جراتے ہوئے بولی تھی۔

”تم نے اپنی کسی کوشش کر دیکھی کہ دامیان سواری! مگر حیدر رضی! اتنا بچہ نہیں ہے نا ہی اتنا سمجھ۔ تم مجھے تنہا دے رہے۔ سب کے باغ میں رشتہ ختم ہو جائے گا تو آیا نہیں ہو۔ تم جانتے ہو اگر تمہارا اور حیدر رضی کا موازنہ کیا جائے تو میں حیدر رضی کو تم سے بہتر پانی ہوں۔ اس کے پاس عقل بھی ہے اور ہاں تم جیسے لوگ کسی ایک پر سکون زندگی نہیں گزار سکتے دامیان! بہت جذباتی واقع ہوئے ہوئے مجھے اتنا جذباتی بن باطل پر نہیں ہے۔ تمہیں یہ جان کر شاید بہت افسوس ہوگا کہ تمہاری اس کوشش سے ہمارے رشتے کوئی اثر نہیں پڑا اور تمہاری کوشش بے کار لگی۔“

”لیک تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں! ان! اور میں جانتا ہوں وہ بات تم جی جاتی ہو تم کو تو آکھیں یہ نیکل کے فرض کر سکتی ہو کہ سب ٹھیک ہے مگر ایسا کرنے سے چٹائی بدلے کی نہیں تمہیں مجھ سے محبت ہے اور یہ بات تم جی اچھی طرح سے جانتی ہو تم خود جانتی ہو مجھ سے دو نہیں جانتیں نا ہی جانتا جانتی ہو تمہاری ان! آنکھوں کو بڑھ سکتا ہوں اگر مجھ سے نہیں ہوگی تو کیا مجھ پر نہیں ہوگی؟ وہ سب مذاق تھا جو تمہیں بچپنا کا مگر محبت بچپنا نہیں ہے میں صرف وہ سب اس لیے کر رہا تھا کہ تمہیں یہ سمجھا سکوں کہ تم ایک دوسرے کے لیے تھے ضروری ہیں۔“ دامیان سواری تھجیگی سے بولا تھا۔

”مگر شاید تم مجھے پر ہاں نہیں ہوا ہانچا بیک! میں نہیں جانتا جب تمہیں اس بات کا احساس ہو بہت دیر ہو چکی ہو۔“

وہ کہہ کر پلٹا اور وہاں سے کل گیا تھا۔

ہانچا بیک اسے دیکھ کر کھڑکی کی۔

پارسا چوہدری نے اپنے سامنے بیٹھے یلماز کمال کو دیکھا تھا اور پھر مڑ سکون لیے بیٹھ بیٹھ بولی۔

”یلماز کمال! مجھے تم سے محبت نہیں ہے نہ مذہبی بھی اگر تو صرف نفرت تمہیں میں بھی معاف نہیں کر سکتی! کبھی نہیں بھول سکتی تم میری یادداشت سے بھی نکل نہیں پائے۔ اس لیے نہیں کہ مجھے تم سے کوئی لگاؤ تھا یا محبت تھی۔ صرف اس لیے کیونکہ مجھے تم سے بے پناہ نفرت تھی۔ میں تم سے کوئی رشتہ باقی رکھنا نہیں چاہتی نہ کوئی زیادتی جوڑنا چاہتی ہوں۔ تم میرے راستوں میں آنا نہ کرو۔“

”پارسا! جو ہوا تم بھلا نہیں سکتیں؟ آٹھ برس پرانی بات ہے وہ۔ تب میں نا سمجھ تھا۔ اتنی عقل نہیں تھی جو ہوا وہ صرف اب سمجھی میں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے بہت بھلا کر کہ ہوں میں تم سے۔ یہ بات میں نے مجھے میں اور قبول کرنے میں نے بہت دیر لکھی تھی جانتا ہوں بہت غلط کیا میں نے۔“ مگر تم سے محبت کا احساس میرے لیے جو حیران نہ تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں فیصلہ لینے میں غلطی نہ کرو۔ یہ زندگی بھر کی بات ہے۔ میں نے کوئی رقم دیا ہے تو میں اس کا انزال لکھی کر سکتا ہوں! کہ تم مجھ کا صوبہ منوع اور نہیں دوگی؟“ یلماز کمال نے پرامن لہجے میں پوچھا۔

پارسا چوہدری نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر اٹھنے لگی تھی۔ یلماز کمال نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پارسانے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”تم جو کبھی میں کروں گا پارسا! جیسے کبھی کروں گا تم اگر چاہتی ہو میں فیصلہ آ جاؤ کہ سب سے سچ کہوں اور مددگارانی آلوں تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ میں نے جو غلطی ایک بار کی ہے میں اسے نہیں دہرا سکتا۔ کوئی ایک بار ہی اپنی زندگی گنوا نے کی غلطی کر سکتا ہے میں وہ غلطی پہلے ہی کر چکا ہوں اس کے بعد اگر دہراتا ہوں تو مجھ سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہوگا۔“ یلماز کمال اس کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

عدان بیک جو اس وقت ریلو ٹرٹ میں قریب کی ٹیکل پر تھا اس نے یلماز کمال کو بغور دیکھا تھا۔ کچھ فاصلہ ہونے کے باعث اگرچہ پوری طرح وہ نہیں پاتا تھا مگر بات اس پر واضح ہو رہی تھی کہ عدان بیک نے پارسا کی طرف دیکھا تھا جو اس وقت خاموشی میں مجرورہ آتے ہوئے اسے اٹھا تھا اور ریلو ٹرٹ سے باہر نکل گیا تھا۔



”مجھے بہت خوشی ہوئی زائرہ! جہاں گھر بھائی واپس آ گئے۔ تمہارے بھیا کو چاچا چاہتا تو خوش ہوئے۔“ کل جیسے ہی جڑی سے واپس آتے ہیں ہم سے ملنے کے لیے آئیں گے۔“ مسز بیک نے فون پر زائرہ ملک سے کہا۔ ”تم اس طرح جب کیوں ہوا زائرہ! تمہیں خوش نہیں ہوئی؟ اب یہ ادائی کیوں؟ ساری عمر تم نے تمہا زائرہ ہے کی سزا کی طرح۔ اب اگر تم مجھ کو آ جاؤ تو بھی اتنی بے یقین کیوں ہو؟“

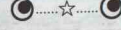
”بھئی بھائی! ایسی بات نہیں ہے آپ آئیں گی تو پھر بات کرے گی۔ جہاں گھر واپس آ گئے ہیں۔“ ہوش میں بھی آ گئے ہیں۔ آپ آلو کوں کو دیر سے اس لیے بتایا کہ مجھے خود معلوم نہیں تھا اب اس صورت حال کا آگے کیا ہوگا کہ وہ میں رہنے کے حالات ایسی تھی کہ مجھے بتانا مناسب نہیں لگا۔“ زائرہ نے کہا تھا۔

”میں سمجھتی ہوں زائرہ! تم پریشان ہو۔“ والدہ سب ٹھیک کرے گا۔ اگر جہاں گھر بھائی واپس پلٹے ہیں تو ضرور یہ خوش آ سند بات ہے۔ اب تو سب ٹھیک ہو رہا ہے اب کیوں پریشان ہوئی ہو۔“ مسز بیک نے کہا تھا۔

”پریشان نہیں ہوں آپ آئیں پھر بات کرتے ہیں۔“

”کوئی بڑی بات ہے زائرہ؟“

”بھئی بھائی! جب آپ آئیں گی تو بات کر میں گے۔“







خیال میں اسے اپنی کٹا کا احساس ہو گیا ہے مگر..... وہ بات اجوری چھوڑ گئی تھی۔

”مگر.....؟“ عدنان بیگ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”آپ جانتے ہیں اس نے جو بھی کیا کیا اس کے بعد بھی میں اسے قبول کرنا چاہوں گی؟“ وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ عدنان بیگ نے اس کی طرف خاموشی سے دیکھا تھا پھر سرنگی میں ہلا دیا تھا۔

”میں نہیں جانتا..... یہ تمہاری زندگی ہے اور فیصلہ لینے کا اختیار تمہارے پاس ہی ہے۔“ انداز لائق تھا۔ پاراسر کی طرف دیکھ کر وہ کئی کئی گھر گرجا کر بولی۔

”میں اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا چاہتی۔ یہ بات میں اسے بتا چکی ہوں میری زندگی میں اس کے لیے کوئی گناہ نہیں۔“ وہ غلطی سمجھ کر بولی۔

عدنان بیگ اسے خاموشی سے دیکھنے لگا کہ انداز پکھا لکھا ہوا تھا۔ جیسے وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا مگر اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

پاراسر خاموش رہی تھی ایک نظر اس شخص کو دیکھا تھا جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“ پاراسر نے پوچھا تھا۔ عدنان نے سرنگی میں ہلا دیا تھا۔

پاراسر پچھوہ خاموش رہی تھی انہیں صاف ظاہر تھی پھر کچھ شہان کردن بیگ کی طرف دیکھا تھا۔

”آپ.....؟“

”کیوں؟“ وہ اٹھ کر..... اجنبی لہجے میں بولی تھی شاید اس کی ایگو ہٹ ہوئی تھی اور وہ اس تاثر سے باہر آنا چاہتی تھی کہ انداز میں ایک بچھاؤ تھا۔

”شادی کرنا کتنا بڑا سہولت ہے پلاز بھی تو جانتا ہوں گے؟“ وہ سب سے پہلے تو می ڈیڈی کو انعام کرنا ہو گا یا پھر اجنبی ہو کر کہہ کر اسے بھاک کر شادی کریں؟“ پھر پورے تجزیہ کیے گئے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ پاراسر اعلیٰ ہو کر گردن پھیر کر تھی۔

”میں نے کبھی کہہ کر کسی کی اس کا احساس ہو کیا ہے مجھے میرا مزید مذاق مت بنائیں! بھول جائیں میں نے ایسا کیا تھا؟“ پھر پورا لائق سے کہا تو عدنان بیگ نے سر ہلا دیا۔

”مگر بھاک کر نہیں بھی کرنا تو پھر تیار تو کرنا ہوئی؟“ اسے کب کا پان ہے؟ عدنان کے انداز پر وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

”آپ کو لگ رہا ہے یہ سب مذاق ہے؟“ وہ گھومنے لگی تھی۔

”میں مذاق نہیں ہے کئی تو اتنا میری نہیں ہوں اور بیٹھ کر کہا ہے ساتھ دیکس کرنا چاہتا ہوں۔“ عدنان نے اس کی طرف دیکھا تھا وہ پچھتیں پانی کی آگروہ دیکھا کر ہاتھ کمر آج پہلی بار اس کی طرف دیکھ کر کوئی عجب سا احساس ہوا تھا۔ عدنان کے دیکھنے سے اس کی پلٹیں اٹھ گئی تھیں اور وہ پلٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”تم جاری ہو؟“ دیکس نہیں کرنا؟ بغیر منصوبہ بندی کی شادی کرنا ہے؟“ وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

پاراسر نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

”میں مزید دیکس کرنا نہیں چاہتی۔“ کہتے ہی وہ کمر سے باہر نکل گئی تھی۔ عدنان مسکرایا تھا۔ انا بیٹا کافی لے کر آتی تھی تو حیرت سے تیزی سے جانی پاراسر کو دیکھا تھا اور پھر بھائی کو۔

”کیا کیا کیا پلٹ ہوئی؟“ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو کافی بومل سی فضا تھی کمرے کی۔ یہ آپ کے چہرے پر مسکرایا تھا..... اور اس کا اس طرح یہاں سے جانا اس کا کیا مطلب ہے؟“ انا بیٹا نے کافی کا کپ بھائی کو تھماتے ہوئے پوچھا تھا وہ مسکرایا تھا۔

”پاراسر تم کسی انہیں میں ہو اور اس سے لکھنا چاہتی ہو؟“ عدنان بیگ نے کہا۔ ”اور اس کے لیے تمہیں میری مدد درکار ہے؟“

”آپ کو لگتا ہے شادی کسی مصیبت سے نکلنے کا صلہ ہے؟“ وہ انسا سوال کرنے لگی تھی۔

”میرے سوال کا جواب نہیں ہے؟“ عدنان بولا۔

”میں اگر کسی مصیبت میں ہوں تو کیا آپ میری مدد کرنا نہیں چاہیں گے؟“

”میں چاہتا ہوں تم پوری آزادی سے اور اطمینان سے سوچ سچھ کر اپنی زندگی کا فیصلہ کرو کسی دباؤ کے نتیجے میں نہیں۔“ عدنان بیگ نے سمجھایا۔

”آپ کو لگتا ہے میں ایسا کسی دباؤ کے تحت کہہ رہی ہوں؟“ آپ یہ شادی کرنا نہیں چاہتے؟“ اپنے مان کے پورے جانے کا خیال بہت تکلیف دہ تھا وہ اسے الگ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کمرے میں کچھ دیر تک خاموشی رہی تھی پھر جانے لیا ہوا تھا پاراسر اٹھ کر جانے لگی تھی جب عدنان بیگ نے اس کی کلائی تھام لی تھی۔ پاراسر نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ عدنان بیگ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

”میں سوچ.....“ حکم بھرے انداز میں کہا تھا۔

انچل

جون ۲۰۱۲ء

100

۱۰۱

جون ۲۰۱۲ء



یاسی بھولے بھٹکے لمحے میں ہوئی محبت کا احساس ہی آج ہوا تھا؟  
وہ لمحہ کسی بدگمان لمحے میں آیا تھا یا پھر آج ہی یہ احساس دل میں کہیں جاگ اٹھا؟ انایا ملک نے گھبرا کر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا تھا مگر معارج تعلق جیسے اس پرائل نہیں تھا یا پھر وہ ان لمحوں کو کچھ طول دینا چاہتا تھا۔ انایا ملک نے تیز برستی بارش میں اس شخص کے چہرے کو دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں اس ایک تاثر کو پرکھنے اور جاننے کی کوشش کی تھی جب معارج تعلق اپنا چہرہ اس کے چہرے کے کچھ قریب لے آیا تھا۔ انایا ملک کا دل ایک لمحے میں بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

”تم.....!“ اس نے اندر کے شور سے گھبرا کر جیسے کچھ بولنا چاہا تھا۔ معارج تعلق نے اس کے لیوں پر انگلی رکھ دی تھی۔ انایا ملک حیرت سے اس کی سمت تکتے لگی تھی۔

یہ بارش بھی یا کوئی جادو.....

کبھی پر اسراریت بھی ان لمحوں میں

کیا جادو کر رہا تھا یہ موسم..... انایا ملک کو اپنا دل کسی خاص آہنگ کے زیر کیوں محسوس ہوا تھا۔

کیا تھا یہ؟

محبت.....؟

یا پھر محبت سا کوئی احساس؟

یا پھر کوئی وہم.....

مگر دل جیسے کہیں بند کیوں ہو رہا تھا؟

یا پھر یہ موسم کوئی بندھن باندھ رہا تھا

کوئی اسم بھونکا تھا کسی نے اور پوری فضا کو اپنے ساتھ باندھ لیا تھا۔

کیا ہوا تھا کہ ساری عقل ایک طرف دھری رہ گئی تھی۔ فردی کچھ خبر نہیں رہی تھی۔ معارج تعلق نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر اٹھ کر اسے لے کر اپنے ساتھ چلنے لگا تھا۔ وہ کسی مقناطسی انداز میں اس کے ساتھ کھینچنے لگی تھی۔

کیا تھا کہ وہ ایک بار بھی تعرض نہیں برت سکتی تھی۔

کیا ایسا تھا اس لمحے میں جو کوئی جادو گر بن کر بیٹھا تھا؟ یا پھر نئے اسباب ہمراہ لایا تھا وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر خاموشی سے اس کا معمول بنی کیوں چل رہی تھی؟

کوئی عشق تھا؟ یا پھر مجبوری تھی؟ وہ کیوں اس کی ہمراہی قبول کر رہی تھی اگر اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنا معارج تعلق کی کوئی دھکی چھپی خواہش تھی تو وہ اس خواہش کو کیوں تکمیل تک پہنچا رہی تھی؟ اس خاموشی میں کیا اسرار تھا کیا بید رکھتی تھی وہ بھیکتی شام..... وہ اس کا ہاتھ تھام کر گئے المناس کے پیڑ تلے آن کھڑا ہوا تھا کئی پھول تپتے تیز ہوا سے ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ وہ آدھی پیڑ کے سائے تلے تھی اور آدھی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ انایا سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنا چاہتی تھی مگر ایسا کر نہیں پائی تھی۔ معارج تعلق نے اس کی جھکتی پلکوں کو دیکھا تھا وہ جس طرح اس کے ساتھ تھی شاید وہ ان کفر شیل محسوس کر رہی تھی اس کے کانپتے وجود کو دیکھتے ہوئے اس نے کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اپنا کوٹ اتار کر آہستگی سے اس کے شانوں پر ڈالا تھا۔ انایا ملک اس عمل پر حیران رہ گئی تھی۔ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ.....!“ انایا ملک کچھ کہنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی مگر جانے کیا ہوا تھا جیسے چپ لگ گئی تھی۔ بادل بہت

تیزی سے گرجا تھا اور بجلی بھی چمکی تھی۔ وہ خوف سے معارض تعلیق کے سینے پر سر رکھتے ہوئے چہرہ چمپا لگتی تھی۔ بہت غیر ارادی طور پر ہوا تھا یہ منصوبہ بندی کیے بنا چھوٹے سوئے۔ حیران تو شاید معارض تعلیق بھی ہوا تھا اسے اپنے سینے پر سر رکھ دیکھ کر وہ اس کے وجود میں اس طرح ہنساؤں کی آواز اٹھانے لگا تھا۔

انائیا ملک کے حواس کچھ لمبے کرنے کے بعد بت بیدار ہوئے تھے جب اس کی دھڑکنوں کی آواز اسے اپنے کانوں میں سنائی دی تھی اس کے وجود کی خوشبو کلون کی مخصوص مہک اس کے بہت قریب ہونے کا احساس کچھ بھر ہوا تھا اور وہ اس کے سینے پر سر اٹھانے ہوئے کچھ ہٹ گئی تھی اور انا تعلق کے انداز میں چہرہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”آپ یہاں کی خاص کام سے آئے تھے؟“ غالباً اپنی نجات مٹانے کو پوچھا تھا معارض تعلیق نے اس کی طرف بھر پور نگاہ ڈالی تھی۔

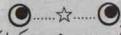
”مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی۔“ وہ بھی شاید کسی ہی کی کشش سے گزر رہا تھا جس سے انائیا گزر رہی تھی۔

”مگر.....! انائیا نے اس کی سمت کن انگیڑوں سے دیکھا تھا۔

”اول ہوں.....“ معارض تعلیق نے اٹھتے ہوئے انداز میں سر اٹھا کر میں بلا دیا تھا۔ ”میں چلتا ہوں۔“ وہ کہتے ہی پلیٹ کر اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا اور دوسرے ہی پل اس کی گاڑی کھلے کیٹ سے باہر نکل گئی۔

انائیا ملک کو یوں لگا تھا کہ جیسے جاں شکل میں گزری کسی ایک اخطرانی پولی بارڈل سے لپٹا محسوس ہوتی تھی۔

کیسا احساس تھا یہ؟ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی۔



انپتیا پارٹی میں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ پارسانے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

”تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟“ ایسل کا تیسری بار فون آچکا ہے۔ بے جا رادیاں پریشان ہو رہے، تم بھی ابھی تک یہیں بٹھو اور دوسرا مہمان بھی وہاں نہیں بچا۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں کم دوٹوں میں موقع پر اسے وفات دے جاؤ۔ انپتیا نے خود پر برفودا سپرے کیا اور پھر اس کی سمت دیکھا تھا۔

”میں تیار ہوں“ ایسل جانتا ہے کہ یہ کمر کر چکی نہیں پھر جان کیوں لگی جا رہی ہے اس کی۔ میں صرف حیدر رقتی کا انتظار کر رہی ہوں۔“ اس نے برسرِ صلیب ہنستے ہوئے کہا۔

”اور وہ تم نے حیدر رقتی کے ساتھ جانا ہے تو پھر میں یہاں کھڑی کیا کر رہی ہوں؟ میں عدنان سے پوچھتی ہوں اگر وہ مجھے ڈراپ کر سکے۔“ وہ بوٹی کی اور جانے کو پٹتی تھی۔

”پارسا رلو! حیدر نے کہا تھا اسے پھر سے ساتھ جانا ہے۔ کوئی بات نہیں! میں اسے راستے میں فون کر دوں گی، تم میرے ساتھ چلو۔“ انپتیا اٹھ کھڑی ہوئی گی پارسانے اسے دیکھا تھا اور پھر ہلکا ہلکا ہوا۔

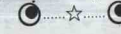
”تم کچھ زیادہ دھوکا نہیں جمانے لگیں؟“ انپتیا نے اسے چھیڑا اور جھینپ گئی تھی۔

”جہیں عدنان نے بتایا؟“

”آف کورس! میرا بھائی ہے میں بہت خوش ہوں اس سب کے لیے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم اس کے لیے تیار ہو۔

مجھے امید ہے کہ تم نے فیصلہ کی باتوں میں آکر نہیں ہلکا ہوگا۔“ انپتیا نے ڈرا نیوگ کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”عدنان نے تمی ڈیڈی سے بات کی ہے خلد تم دوٹوں اس شے میں بندھ جاؤ گے کہنا پچھو کہنا ہے گا؟“ ڈیڈی ساری تیاریاں ڈھیر ساری شاہنگ میں بہت خوش ہوں۔“ انپتیا مسکراتی تھی پارسا اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکراتی تھی۔



میرے دل میں چوپاچل ہے

میرے تنگ چلتی جھڑپاں

اس کے اسباب خاموشی میں کھڑی وہ صوفیاتی ہے

محبت نام دوں اس کو

باتا دوں کوئی وہ صوفیوں

باوہم اسے جانوں

محبت دھنک رنگ اوڑھے

میرے ساتھ ساتھ چلتی

کوئی سر کوئی میرے کان میں کرتی

اتنی بے چین سی کیوں تھی

اسے کچھ مجھ سے کہنا تھا

یا پھر کچھ مجھ سے سننا تھا؟

محبت کے لیے میں کسی وہ خواہش تھیں

میں اس کو سننا چاہتی تھی

مگر سانس جوں میں رہی تھی

اسے کچھ بے چینی تھی

محبت ہو رہی تھی یا

محبت ہونے والی تھی

محبت اپنے رنگ بکھیرتی

کیسے اپنے رنگ بالعدہ رہی تھی

آؤں چپ کاوڑھے

کھڑی آؤں محبت

کچھ بے چین سی تھی.....!

محبت ہو گئی یا

محبت ہو رہی تھی.....

اندر کے اضطراب سے گھبرا کر انائیا ملک نے سر فٹ میں ہلکا ہوا تھا اور یوں پر آگئی۔ یہ کیا ہو رہا تھا اس کا دل کی خیال سے بند ہو گیا تھا۔ کیوں بار بار ذہن جھجک کر اس کی سمت جا رہا تھا۔

یہ کیا ہو رہا تھا اسے؟ وہ آپ حیران کی وہ چوکی جب اس کا تیل بجاتا تھا۔ معارض تعلیق کا نمبر کچھ کر انائیا ملک نے فون اٹھا لیا تھا۔

”میں نیچے چلے آہوں تم نیچے آ جاؤ۔“ معارض تعلیق نے حکم دیا تھا اور کال کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

انائیا ملک نے ایک لمبے کو موچا پھر نیچے آ گئی جیسے وہ اس کا معمول تھی۔ معارض تعلیق اس کا منتظر تھا سو اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔



ایسا تہا رہا یہ آکھیں کہ ہری ہیں۔ سبھی مجھ سے درو جانہیں جا نہیں۔ مہی تھے پھوڑا نہیں چاہیں۔ یہ بات میں تہا رہا یہ آکھوں سے جان سکنا ہوں۔ جب یہ سب آکھیں ہیں تو تم کیوں نہیں انا چلی؟

”اسنے“ انا کرا کر بولا تہا انا!“ انا چکا کان میں لگے بلو تھو میں ابلل کی آواز نہ تھی۔ انا چکا جیسے کی خواب سے بیدار ہوئی۔

”انانیتھا! تم اپنے ذہنیلاگز بھول گئی ہو۔ اُس اوکے جو دامیان کہہ رہا ہے اسے چپ چاپ سنو۔ اگر تمہیں اپنی لائسنز یاد آجاتی ہیں تو یوں نادرہ خاموشی سے سنتی رہو۔“ اٹلسل سمجھا رہا تھا۔

انہما بہت بھرت سے اس کی گرفت سے نکل کر دوڑ ہوئی اور پھر کھیر کر کڑی ہوئی تھی۔  
 ”سکیم! مجھت خواب جیسی ہوئی ہے، کچل کچل کر دیکھو تو تیس دکانیں بند ہیں اور پھر مجھوڑ لنگے میں ہمیشہ اپنی آنکھیں بند ہیں۔ رکھ کر نا اپنی آنکھیں کھول کر دیکھو، پھر مجھت کو غائب ہونا دیکھ سکتے ہوں۔“ مجھنا اپنی محنت نہیں جاے ہے، محنت کو سانس لیتے دیکھنا پھر اسکی خواب سے کمر سارے خواب پر تو تھیں ہوئے؟“ بال بال انہوں سے گونجنا تھا۔

”میری محبت خواب نہیں ہے، ناکارگی! جو تم آکھ کھول کر دیکھو تو سارا منتظر ہر اب بن جائے۔ میری محبت ہمارے اندر  
نس بیٹی ہے۔ جسے میں تمہاری دھڑکن میں سنتا ہوں۔ آکھوں میں دیکھ لوں۔ جو تم کھائی اور سٹائی رہتی ہے وہ  
سراب کہے جوتکتی ہے۔ ہماری محبت سراب نہیں ہے۔ خواب جیسی ہے ناکارگی! اسے خوف کو تو کر کڑاں ڈر کر مارد۔  
میری محبت میں تمہیں تپا نہیں چھوڑے گی۔ دایمان سواری چلتے ہوئے اس کے سانسے کی رکا تھا۔ اس کی آکھوں میں  
دھکا تھا تو پھر اس کو کھٹاؤں سے ختم کر پورے یقین سے بولا۔ ”میری محبت پر یقین کر لو ناکارگی!“ اس کے سانسے اچھا  
تاجہ پھیلا رہا تھا۔

”اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور باقی سب فراش کر دو، جاؤ! رحمت اور مختلف قسموں میں سوئے گا تا مابین ایک بار یہ قدم قدم چلے گا نام سے۔ مجھے وہ ایک موقع دو میں تمہارے سارے زور زور کر دوں گا۔ میرا یقین کروا تاں گا؟“ اپنا ہاتھ لے کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ کر دیا۔ بال تابیوں سے گونج اٹھا تھا اور سیکس نے پردہ گانے کا اشارہ دے دیا تھا۔ اچھا دایمان سواری کی سمت دیکھ رہی تھی۔ پھر یکدم اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچے ہوئے وہ دو قدم زور زور ہوئی تھی۔ اس کی سمت سے دھکا پھر کر سڑکی کی اور وہاں سے نکل گئی تھی۔ دایمان سواری اسے اس خالی ہاتھ اور پھر اسے دو درجے پر چڑھ کر دیکھا۔

انایاملک نے اس رستورنٹ کی مدہم روشنی میں اپنے سامنے بیٹھے معارف کو دیکھا۔  
 ”مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ ایسا کیا ضرور کام تھا؟“ انانیا نے پوچھا۔ معارف نے اس کی طرف لبخند دیکھا تھا۔  
 ”انایا! جو بھی ہو، مجھ سے اس کے فوسے اور تمہیں تکلیف پہنچانے جانے پر میں تم سے معافی مانگتا جا رہا ہوں۔ میں نے بہت سوچا مجھے اچھا نہیں لگا، میں اپنی غلطی ماننے میں کچھ جا نہیں۔ یہ سن بھول گا کہ مجھے سے غلطی ہوئی، غلطی نہیں ہوئی۔ وہ وہ ایک سوچا مجھے افسوس تھا۔ اگر اس وقت کے لیے مجھ سے کب نہ مناسب لگا تھا مگر اب تمہیں وہ تلافی پہنچا کر جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگا؟ شاید لفظ ضرور بہت چھوٹا ہو اور تمہارا نقصان بہت دور اگر میں کھل دے گا مالک ہوں۔ میرے لیے کسی کے سامنے جھکا کر شرمندگی کا باعث نہیں ہے۔ اگر غلطی میری ہے تو مجھے اس کے لیے تذکرہ کرنا بھی ضروری خیال کرنا چاہیے۔ اس لیے میں تم سے ملنا جا رہا تھا اور بات کرنا جا رہا تھا۔ تمہیں جو بھی تکلیف میرے باعث ہوئی اس کے لیے آئی ایم ریسوری مگر۔“ وہ ہلکا سا ہنسا دیا۔

جوں جوں اٹیچتا کے Skit کا نام قریب آ رہا تھا اس کی حالت بُری ہو رہی تھی جانے سارا اعتماد کہاں گیا تھا اسے اپنے ہاتھوں میں کس کی محسوس کر کے خود بہت غصہ آتا تھا وہ ایک سو تین تھی۔

”تم بڑی عورت ہو نا؟“ یکساں نے اس کے قریب آ کر پوچھا تھا۔ اٹیچتا نے سر ہلایا تھی نگاہ اس سے دور کھڑے دایا جان سو رہی ہے چڑھی ہے۔ وہ اس وقت اسٹ کے لیے رہی تھی اس کا اچھا لگندہ اس شہر والی بیٹ بیٹھ نہ فریاس

جس کے جسم اس کا اندازہ اور شانہ بننا تھا۔

[illegible]

”انٹارپی“ تہا رہی ہے یعنی جسکے ہاں میں گرما یکساں رہی آ کھوں میں دیکھوں دھڑکنوں کو سنواؤ پھر جبکہ کپا  
محبت طلب ہے اس پچاس صحت کا احساس نظر انداز کرنے کے لائق ہے، اس کی بیماری و آواز دھڑکی بھی اسی اور اس نے  
کر شاید قوازن پر غرور ہو گئی تھی دایمان موری نے اس کے گرد اپنے منسوبہ بازو پھیلا کر ایک آہ و ایں بنا دی تھی۔  
ایسا کہ اس نے آہ سے جھجھ کر آہ کی آہ کی پائی میں بیٹھاں چلی تھیں شورا تھا تھا۔ مگر دایمان نے اس شور کو نظر انداز  
کر رہا تھا سداہ اس کی سمت نہ تھیں۔ انھیں نہ تھی۔

”انہاجی اس آنکھوں سے باہر نکل آؤ۔ میں جانتا ہوں جو تمکا ہوا اور اس دھڑکے کو بھی جوتھارہا۔ دل میں کہیں دلی ہے اور جس کو تم اب تک نہیں کہی۔ میں اس ان کی کو بھی ان میں سکا ہوں میری آنکھوں میں کچھ دھارنا لگا کیا میسر آتا ہے ابھی لفظوں کی ضرورت ہے؟ کیا تاہیں بائیں ہاتھ سے گے؟ خرابے کی فکر اب تک رہے گی اور موت کے خوف سے کب تک، ہم ایک دوسرے سے نظریں پچھاتے رہیں گے؟ محبت رازنا کر کب تک ان دھڑکنوں میں تیز رہے گی انار کل؟ محبت کو اس لئے دوسرا رشتے کو نونہ جاتے دو۔“ انہاجی اس کی آنکھوں میں ایک نیک دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے سارے ذہن اور جسمی ہول چل کی عیب کو کھوکھارے سا انداز تھا اس کا اس قرب میں وہ ایمان سو رہی تھی دھڑکنوں کو کیا دیتی نہ مانی تھی؟ ان دھڑکنوں میں دبا ہوا راز جان باقی ہے؟

”انارکلی! محبت ایسے نہیں ہوتی۔ اس خوف کے بوجھ سے تو محبت بدم کردہ ہو توڑ جائے گی۔ تمہیں اعتبار کار ہوگا مجھے پریری محبت پر نہیں سمجھتا۔ تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں اس کا احساس دلانا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ بے حساب محبت کرنا ہوں میں تم سے۔ اس محبت کرنا تمہارے اعتبار نہیں نہیں مگر تمہارے لیے جو کچھ کرنا ہوں وہ تم سے کہنا بہت ضروری ہے۔ کیا کروں؟ بتاؤ ایسا کیا کروں انارکلی کہ تمہیں یقین دل جائے؟“ دامیان سواری اس کی آنکھوں میں دھنساؤ اور تھکاوٹ لگاتے۔

”تمہاری آنکھوں میں جب دیکتا ہوں تو پتا ہے تمہاری آنکھیں کیا کہتی ہیں؟ انہیں میری ضرورت ہے۔ پل دو پل کے لیے نہیں تمام عمر کے لیے انہیں میری ضرورت ہے۔ اگر تم اپنی آنکھوں کو چھپا لوگی تو مجھے اس کی خبر ہو جائے گی کہ ان آنکھوں میں کیا خواہش ہے اور تمہارے دل میں کیا ہے۔ تم اپنی تمام عمر میرے ساتھ گزرانا چاہتی ہو، انجانگی

”مگر.....؟“ معارف نے اس کی سمت دیکھا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔  
 ”ہر بات کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ میں Compensate کر سکتا ہوں۔“ شاید اس کا ارادہ غلط نہیں تھا مگر اس کی کبھی گئی

بات انا نیا ملک کو نقصان کیا تھا۔  
 ”کیا.....؟“ تم مجھے بری تکلیف کے لیے Compensate کرو گے؟ تم ہر قسم کی دودل میں تولنا جانتے ہو کیسے انسان ہوتے معارف غلط؟ تمہارے لیے ہر شے کا منہ بوجھ صرف یہ دودل ہی کیوں ہے؟“

”تم غلط سمجھ رہی ہو انائیبا۔ اصرار وہ نہیں تھا۔ میں صرف اس کا بات کا یقین دلاتا چاہتا تھا کہ اس میں تمہیں اور کئی نہیں پہنچاؤں گا میری طرف سے تیرے فکر ہو جاوے اور کل کر ماس کو تو تمہاری فیملی کو یا تمہیں میں میں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ میں نے جو بھی کیا اس کے لیے میرے پاس محسوس ہوا تو ارادہ کرنا تھا غلط نہیں تھا۔ مگر مجھے تمہاری تکلیف اور تمہارے جذبات کا بھی احساس ہے سو.....!“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر انائیبا ملک کی طرف دوڑ گئے گا تھا۔ انائیبا ملک وہ شخص اس معارف غلط سے بہت مختلف لگا تھا۔ بہت بے ضرورت حساس اور جانب دار۔

”اس رشتے کی حقیقت کیا ہے معارف غلط؟“ یا پھر کوئی حقیقت ہے مگر یہ پہلی ملاقات کے بعد مجھے ایک پو پوڈل دیا تھا اور اس کے ساتھ ایک بڑی رقم کی آخر بھی کی تھی مجھے لگتا ہے تم آج بھی ایسی ہی کوئی آخر کر رہے ہو۔“ انائیبا ملک بولی تھی۔

”ایسا نہیں ہے انائیبا۔ تم غلط سمجھ رہی ہو میرے لیے اسے تمہارا حصول کوئی معنی نہیں رکھتا اور.....!“ جانے کیوں وہ کچھ کہتے کہتے کہ گھبرا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ انائیبا ملک اسے دیکھ کر ہنسی تھی۔

”انائیبا تم داسیان کو معاف نہیں کر سکتیں؟“ واپس پر پارسا پوڈری نے پوچھا تو انائیبا بیگ نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔  
 ”تم شاید ایک بات نہیں جانتی انائیبا! اردووں ساتھ ساتھ چلتے بہت اچھے کلتے ہو تم جانتی ہو حیدر مر تقی بھی تمہارا SKIT دیکھنے آیا تھا مگر جانے کیوں وہ تم سے ملے بااورد SKIT پورا دیکھے۔ پنا چلا گیا۔“ پارسا کے بتانے پر وہ حیران ہوئی تھی۔

”حیدر مر تقی! یا تھا اور وہ مجھ سے ملے پنا چلا گیا کیوں؟“ وہ ابھی تھی۔  
 ”انائیبا شاید اسے بات کا ادراک ہو گیا ہے۔ اس بات کو تم مجھ نہیں پاری ہو۔ وہ وہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہے؟“  
 ”پارسا! میں نہیں جانتی کہ کیا کہہ رہی ہو مگر حیدر مر تقی کے جانے کی وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ اسے کوئی ضروری کام آیا ہو۔ یہ بھی وہ نکل گیا۔ خیر میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا جانتی۔ داسیان کو معاف کرنے کے بارے میں سوچنا نہیں جانتی کیونکہ اس سے میری کوئی واسطہ نہیں اور جب واسطہ ہی نہیں تو کیا جو بنتا ہے اس کے بارے میں سوچنے کی بات کرنے کا؟“ انائیبا ملک سمجھے میں بولی تھی پارسا اسے دیکھ کر ہنسی۔

”انائیبا بیگ بیچ کی پریکٹس کے لیے نکل رہی تھی مگر حیدر مر تقی وہاں آ گیا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر ماتحت سے مگرانی تھی۔“

”حیدر! میں سوچ رہے تھے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر تمہارا سون آف تھا۔ شاید تم بڑی تھکے ہو۔“  
 ”میں بڑی تھکا ہوا! مجھے پریکٹس کرنا تھا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ تمہیں یہاں یہی بتانے آیا تھا۔“ وہ چپاٹ لہجے میں بولا تھا انائیبا بیگ اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

”کیا مطلب اس طرح کیسے؟“ ابھی تو.....!“

”میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا تھا انائیبا۔ مگر اب مجھے لگتا ہے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مجھے تمہارے فیصلے کا اندازہ تھا مگر ایک فیصلہ میرے اندر نہ کیا اور مجھے اسے بانٹنا ضروری لگا۔“ حیدر مر تقی متانت سے بولا تھا۔  
 ”مگر اس طرح کیسے چاہیے؟“ انائیبا بیگ حیران تھی۔

”انائیبا! تم ایک دوسرے کے لیے نہیں ہیں۔ مجھے اس کا احساس ہو گیا ہے۔ تم سے مل کر چھٹا گیا مگر میں اس رشتے کو اب نہیں بڑھا سکتے سو رہی۔“ کہہ کر وہ اس کی جانب دوڑ گئے گا تھا اور پھر مڑا تھا اور وہاں سے نکل گیا تھا۔ انائیبا بیگ الجھن سے اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی تھی۔

”میرا..... خواب تھا۔ تمہارے ساتھ۔ ایک طویل عمر۔ گزرا۔“ مگر..... وہ بولا۔ وہ.....  
 جہاں تک بہت مشکل سے اپنی بات مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ زائرہ ملک نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔

”اس پر یادہ مت بولیں واکر نے بولنے سے منع کیا ہے۔“

”فرن! نہیں زائرہ۔“ مجھے..... بولنے دو۔ میں نہیں چھوڑ کر..... جانا..... نہیں..... چاہ..... چاہتا تھا مگر مجھے میرا ضمیر..... سلامت..... کرتا رہتا..... تم..... تم جانتی ہو۔ ہولنڈ میں آخری بار تانا غلط سے ملے تھے؟ تانا.....!  
 مجھ سے محبت کرتی..... تھی۔ اس کا احساس مجھے..... بہت دیر میں ہوا۔ اسے اپنی زندگی میں جتنی بھی ٹکٹینوں کا سامنا کرنا پڑا..... یا..... وہ جسی جڑے..... کا شکار ہوئی اس کی وجہ..... کہیں نہ کہیں میں اور مجھ سے اس کی محبت تھی۔ جب اس کی..... موت..... کی خبر آئی تو..... وہ..... سب..... سب سے برا مجرم پایا۔ یہی وجہ تھی کہ میں خودکوسزا دینے کے لیے..... تم..... دو رہو گیا..... کہیں خیال نہیں..... رہتا تھا کہ اس کے ساتھ جو بھی ہوا اس کا کاڑھے دار میں ہوں اور میری وجہ سے اس نے اتنا..... دو رہا..... میں خودکوس..... کسی معاف..... نہیں کر پایا۔“

انائیبا ملک نے دروازے کے بیٹوں کھڑے یہ سب سنا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی سوچ غلط نہیں تھی اس کا اندازہ بھی تھا کہ جہاں تک ملک نے خودکوس کے طور پر ریاست بنائی تھی۔  
 ”لیکن جو بھی تانا کے ساتھ ہوا اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں پھر ایسا کیوں کیا۔ آپ کو ہماری یادیں آئی ایک باہمی جانے سے پہلے ہمارے بارے میں نہیں سوچا؟“ زائرہ ملک جذباتی انداز میں بولی تھی۔

”مجھے..... احساس ہے زائرہ۔“ مگر..... شاید..... میں یہاں رہتا تو مر جاتا۔ میرا..... کھٹے لگا تھا۔ میں..... نہیں..... رہ..... گا اور چلا گیا۔ پوری عمر اس میں گائی..... مگر ابھی..... لگتا ہے کہ بے تانیہ کی زندگی کی سزا..... اس کی خودکودی جانے والی تکلیف میری سزا اور تکلیف کے مقابلے میں بہت کم ہے مگر مجھے تمہیں دلی سزا کا بھی احساس تھا۔ تمہاری طرف لوٹ کر..... آ..... ہوں۔“

زائرہ ملک جہاں تک ملک کے ہاتھ تھا مجھے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔

”تمہیں کیوں لگتا ہے انائیبا کہ تمہاری زندگی میں ہونے والی ہر بات کا جواز صرف اور صرف میں ہوں؟“  
 داسیان سو رہی تو ن پر دوسری طرف لڑکھ کر بولا تھا۔ انائیبا کو اس کے لہجے کا سلوک انہما نہیں لگتا تھا۔  
 ”تم جھوٹ کہہ رہے ہو داسیان! میں جانتی ہوں تم حیدر مر تقی کے جانے کی وجہ ہو۔ تم نے ضرور اسے کچھ کہا ہے۔“



تجسّی اچانک سے دو چلا گیا۔" انہیں اس پر صاف الزام لگا رہی تھی۔ وہ سگ اٹھتا۔

"مگر ایک کام کرو! دماغی حیدر معنی کوٹن کرو اور پوچھو اس سے اس کے جانے کی وجہ کیا ہے تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں نے ایسا پوچھا ہے کہا؟ میں تو اس سے ملا بھی نہیں۔" میں اس کے جانے کا اتفاق کیوں ہے؟" دامیان سو رہی بولا۔

انہیں نے اپنے اندر کے غصے کو دبا اور گہری سانس لی۔  
"مجھے اس کے جانے کا کوئی تعلق ہے پاس کے جانے سے مجھے کوئی افسوس ہوتا ہے اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" انہیں باغ کے کھڑے کھڑے کہہ کر فون داماں سو رہی فون دیکھ کر کراہ گیا تھا۔



مسٹر اور مسز بیگ نے عدنان اور پارسی کی تاریخوں بعد کی مقرر کردی تھی۔ گوگر کے ماحول میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی انہیں اپنے مسائل بھول کر پارسی کے لیے شاپنگ کرنے کی تھی۔

عدنان پارسی سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا تھا مگر اس کے لیے اسے وقت نہیں مل سکا تھا۔ زائرہ ملک چونکہ جہانگیر ملک کے ساتھ بری نہیں سو وہ ان معاملات سے دور تھیں اور اسی باعث سادگی سے نکاح رکھا گیا تھا اور شادی بعد پر ملتوی کر دی گئی تھی۔

"جہانگیر بھائی کو سخت باب ہوتے دیکھ نہیں بہت خوشی ہو رہی ہے زائرہ! تم جب ہر بات کی امید ختم کر چکی تھیں تب خدا نے ایک اور تمہاری زندگی میں خوشی دی۔ اسے کہتے ہیں خدا کی کے ساتھ نا انصافی نہیں کرتا اور بھی کسی کا انتظار انجان نہیں جاتا۔" جہانگیر ملک نے جہانگیر ملک سے ملنے کے بعد زائرہ سے کہا تھا۔

"میری بہن نے پہاڑی زندگی تنہا گزار دی ہے۔ خدا اپنے بندوں کے ساتھ اتنی نا انصافی کبھی نہیں کرتا تجسی تو جہانگیر ملک کو واپس اس کی زندگی میں بھیج دیا۔" مسٹر بیگ بولے تھے اور اپنے اس کی تائید کی تھی۔

"ہر رات کی صبح ہوتی ہے۔ سو مشکلات کے بعد ایک اچھا وقت بھی آتا ہے۔ زائرہ اس کے لیے ڈی زرد کرتی ہے۔" ابانے کہا تھا۔

"میں خوش ہوں! کہیں نہیں جانتی مگر جہانگیر ملک کو واپس دیکھ کر جیسے اندر نہیں بہت سکون محسوس ہوا ہے۔" زائرہ صاف گونئی ہے بولی کی۔

"جہانگیر بھائی کو بک ڈسچارج کیا جا رہا ہے؟ ہم نے فی الحال سادگی سے نکاح رکھا ہے باقی کی تقریبات ہم ان کی صحت یابی کے بعد منعقد کر لیں گے۔" مسز بیگ نے بتایا تھا۔

"بھائی! جہانگیر اب، بہتر ہے۔ دو چار دن میں ڈائلرز شاید ڈسچارج کر دیں گے۔ آپ خوشیوں کو محدود مدت کریں۔ کتنے عرصے بعد تو کوئی اچھی خبر سننے کو ملی ہے۔"

"نہا کیا کہاں ہے؟ دکھائی نہیں دے رہی؟" مسز بیگ نے پوچھا تھا۔

"وہ شاید کام سے گئی ہے۔ بہت پریشان رہی ہے۔ جہانگیر کو لے کر تھی میرے پاس چلی آئی معاذ روز آتا ہے خبر میرے معلوم کرنے۔" زائرہ ملک نے قصداً جھوٹ کہا تھا۔ اتنی بڑی بات کو بھائی بھائی کے سامنے اس طرح نہیں بھول سکتی تھی۔

"خدا نے بہت اچھا کام دیا ہے تمہیں زائرہ! وہیں ہوں پر بھی کو اتنا ہی اچھا رہے۔" مسز بیگ نے کہا تھا۔

"انہا کیا ہوا ہے؟ وہ زائرہ کا جو نیوڈیا سے آیا تھا نا کو پسند آیا کر نہیں؟" زائرہ نے پوچھا تھا۔

"کہاں زائرہ! وہ دو واپس چلا گیا جانے کیا لکھا ہے میری بچی کے نصیب میں۔"

## طاہرہ ہاشمی

السلام علیکم؟ کیا حال ہے بی سجنو؟ میری بی بی تو ہمیشہ کی طرح پھولوں کی طرح، مہکتی کیوں کی طرح چمکتے شیشے سکر تے خوش باش ہیں۔ جی ہمارا تعارف یہ ہے کہ مابدولت کا نام طاہرہ قریشی ہے۔ نو ماہن بھائی ہیں سب سے بڑی میں ہوں اور بی بی اے کی طالب علم ہوں۔ روٹین سادہ سی ہے کہ نماز پڑھو تلاوت قرآن پاک کے بعد گھر کا کام پھر لاسٹ مسسٹری اے کی تیاری پھر دوپہر کا کھانا پھر آجیل پھر شام کے کھانے کی تیاری کے بعد مکمل وقت اپنے پسندیدہ رسالوں کے لیے۔ جو یہاں جناب بہت ہیں ان میں عزیزانِ جان فریڈم فائرس کے بقول ونگ کیئرنگ ہوں کی سے نفرت کرتی نہیں سکتی خاصی بقول میری مشرمل بہن سدرہ کے کہ حساس ہوں۔ ہر کسی پر اعتبار جلد کر لیتی ہوں۔ پسندیدہ لباس شلو اور جینز اور فریک بہت پسند ہے۔ رنگ کالا سفید پسند ہے۔ شاعری بہت پسند ہے! امجد اسلام امجد کی اور رحمن الفتوی کی۔ جیولری بریلیف انرکنز بس جی تعارف ہے مجھے خراس لیے لکھا کاش کاش جلد ہی میرا یہ تعارف شائع ہو جائے تمام بہنوں کو سلام۔

"کوئی بات نہیں بھائی! خدا تعالیٰ اچھے کرے۔ ضرور کچھ اچھا سوچ کر رکھا ہوگا خدا نے۔ آپ اس کی فکر مت کریں۔" زائرہ نے کہا تھا تو مسز بیگ نے سر ہلا دیا تھا۔



محبت میری مت آئی

رات بے بنائی

چاروں سمت گہر تھی

داڑی بے بنائی

مجھے اپنے ساتھ باندھ رہی ہے

اس کی آنکھوں کے خیال

اس کی باتوں کے لال

بکھرے ہیں کمرے میں سوکے پھولوں کی طرح

اس کے لیے کی خوشبو

اس کی باتوں کی کک

بھینکتی باشی کی شور مچاتی ہے کہیں

میرے اندر چارو

ہر کوئی تو بی روبرو

تم سے بھاگوں..... دور کہاں تک نکلوں؟

تیرے خیال

تیرے گانے سے گناہ کیسے پھیروں

محبت کچھ بدگماں سی جب

میرے ساتھ چلتی ہے تو  
کلی سوال اس کے لبوں پر آ کر ٹوٹ جاتے ہیں  
وہ سرت و جھوٹی نظر  
وہ سب بے بسب بولی آکھیں  
کیسے شکوے کرتی ہیں  
محبت ہے کن نہیں  
محبت ہو جائے بھی تو کیا  
محبت کے ہونے کا یقین ضروری ہے  
اگر یقین نہیں تو پھر  
محبت کیسے بات کرے  
کیسے خواب دے



# یہ جو منزل عشق

صائمہ جبین

قربت کی تیری پیاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں  
اک درد دل کے پاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں  
تو مجھ کو اپنی ذات سے باہر نہیں ملا  
یہ دکھ بھرا قیاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں

باہر رہا ہم بارش ہو رہی تھی۔ کھڑکی کے پٹ کھولے  
وہ قدرے خالی خالی نگاہوں سے پھیلے منظر کو دیکھ رہی  
تھی۔ بارش کی ہلکی ہلکی پھواریاں کے چرے پر پڑ رہی تھی  
فضا میں ابھی خاصی ٹھنڈا سا چمکیا مٹی رات کی تاریکی بڑی  
تیزی سے اپنے پر پھیلا رہی تھی اور وہ کسی مدت کی مانند  
سپاٹ چہرہ اور بوجھل دل لیے پھیلے ایک گھنٹے سے ایک  
نی پوزیشن میں کھڑی تھی۔

نیچے سڑک پر سترے سال کا جشن منانے والوں کا ہم  
غیر تھا بے فکری سے چوتھا کاج اور کھٹ کرتے لوگ ہر  
قسم کے دکھ سے آزاد نظر آ رہے تھے۔ بارش بھی انہیں  
سڑکوں پر آنے سے روک نہیں پائی تھی بلکہ سڑا کی اس  
آخری بارش کو وہ لوگ بھی انجوائے کر رہے تھے جو اس  
طرح کے موسم میں کھروں سے باہر نکلتا نہیں کرتے  
تھے۔ راجہ سکندر کے لیے باہر کے منظر دیکھنے کا باعث  
نہیں تھے۔ وہ تو اپنے اندر کے سناٹوں اور وحشت سے  
گھبرا کر یہاں آ کھڑی ہوئی تھی نیچے سڑک پر موجود  
لوگوں کی گہما گہما سے یہ احساس دلانے کو کافی تھی کہ ابھی  
وہ اس دنیا میں تھا نہیں ہے۔

سرمایہ خاں نے بتاوا تھا کہ تم کو خمد کر رہی تھیں لیکن وہ  
اس وقت سویٹر شال لیے بغیر صرف دوپٹا شانوں پر





دے رہے ہو؟ ویسے ایک سوال پوچھوں مائند تو نہیں کرو گے؟  
 ”تم نہ بھی پوچھو تو میں بتا دیتا ہوں کہ تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو۔“ وہ یقین سے بولا۔  
 ”کیا بھلا؟“ ”ملائی ہو۔“  
 ”یہی کہ میں نے راجہ کے حوالے سے کیا سوچا ہے؟“ وہ سرد انداز میں بولا اور لمبے لمبے سانس روکی۔ وہ حقیقتاً یہی تو پوچھنا چاہتی تھی۔ ”میں نے تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ تو کیا تھا اور میں اس پر عمل بھی کر چکا ہوں پھر اور کیا سوچتا ہے؟“  
 ”لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم فیصلے پر نظر ثانی کرو گے؟“  
 ”مجھ دے دیے انداز میں تھی۔ اس عمر سے اس جواب کی توقع نہیں کی بلکہ جانتا تھا وہ اس نظر پر راقا۔“  
 وہ اس بات کی توقع بھی نہیں کر سکتی تھی۔  
 ”میں نے کہا ضرور تھا مگر اس نظر ثانی کر کے کا کوئی ارادہ نہیں تھا میں نے یوٹی نہیں ملکتی کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔“  
 ”تم بہت بڑی حماقت کر رہے ہو۔“ لمبے لمبے فحوس سے سر جھٹکا۔ اگر عمر اس کے سمجھانے سے سمجھ جاتا تو وہ اسے ضرور سمجھا دیتی مگر وہ جانتی تھی کہ وہ اب کوئی بات نہیں سمجھے گا۔  
 ”تم میری فکر مت کرو میں بہت خوش ہوں اپنے فیصلے سے۔“  
 ”مجھ کے گھر کے آگے گاڑی روکتے ہو وہ بدبلاشت سے مگر کیا وہ خاموش رہی۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ شاہنگ بیٹو نکالنے ہوئے اس نے عمر کا ایک بار پھر بھی شکر یہ ادا کیا اور پھر الوداعی نظار اس پر ڈالے۔ ہونے لگے کہ اندر پہلی آئی۔ عمر نے گاڑی پر یوں ہلکی اور پھر پھولوں کی دکنا کارش کیا۔ وہ جانتا تھا کہ لو اس کا فیصلہ پسند نہیں آیا اور شاید وہ اس سے ناراض بھی ہوئی تھی مگر وہ مطمئن تھا اور اسے کبھی آری تھی کہ جب بیٹو کو چاہے گا تو وہ اس کا کیا کراہ کرے گی۔ پھولوں کی دکنا پر گاڑی روکتے ہوئے ایک لمحے کے

لیے اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا تھا کوئی یاد آنا تک ذہن کے پردوں پر سرسری تھی اس کے ہونٹوں پر نیم سہا سہا نیم بھرا اور وہ پھولوں کو دیکھتا ہوا دور بہت دور یادوں کی جھول جھول میں سمجھنے لگا۔ وہ یادیں جو اس کا سر مایہ تھیں۔ اور وہ یادیں جو انہوں نے زندگی گزارنے کا ڈھنگ دکھایا تھا۔ لیکن ان کی شکل پر سر نہ گئے تھے اس نے سوچا کہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کسی ایک کے آپ کی زندگی سے چلے جانے سے زندگی رک نہیں جاتی لیکن کوئی بھی تو نہیں جانتا کہ لاکھوں کل جانے سے بھی اس ایک کی ہی پوری نہیں ہو سکتی اور اس کی زندگی میں بھی اس ایک کی ہی اس کے لیے ہر دوسری شے کو بے حتی اور ویران کر دیتی تھی۔

❖ ❖ ❖

”عمر! راجہ طلق کے بل چلائی۔“ میں کہتی ہوں باز آ جاؤ۔“ وہ نہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اس کے پیچھے دوڑنے سے وہ قدرے درہا بے انداز میں بول رہی تھی مگر عمر کے کان پر تو جوں تک نہ رہی تھی۔ لیکن وہ ہوا میں لہراؤ نہ تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ راجہ تھک کر زینے کے پاس ہی کھڑی ہوئی اور بڑی طرح ہانپتے ہوئے اسے کئی کئی سانس لے گی جو پچھلے پندرہ منٹوں سے اس کا پیٹھ پر جڑے ہوئے اس کے ہاتھوں سے چھین کر اسے خوار کر رہا تھا۔ اس بل نامہ لاؤنگ کا دروازہ کھول کر اندر آئی اور اس کا سرخ تھمتانا چہرہ دیکھتے ہوئے ہنس کر بولی۔  
 ”آج تو جلال آیا ہوا ہے ربخ مبارک پر۔۔۔ خیر تو ہے۔“  
 ”یہاں ارادہ اسٹوپ ہو چک کر رہا ہے مجھے۔۔۔ اس نے عمر کی طرف اشارہ کیا۔“ کمر میں قدم بعد میں رکھتا ہے اور مجھے ستانا بیٹو شروع کرتا ہے۔ پورے ماہ میں جس منگ کا انتظار کیا وہ میرے ہاتھوں سے چھین کر لے گیا۔ مجھے تو کھول کر دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔“  
 ”تو کھول کر دیکھنا بھی کیوں ہے؟ تمہاری وہ بھی پٹا

نقل شدہ شاعری تو ہمیش ہونے سے رہی۔“ گھر پر دووں باز دوں دکھانے وہ اوپر سے جھانک کر بولا۔ انداز سراسر پولا۔  
 ”ہاں تم تو بد فائیں ہی منہ سے نکالو گے تم سے بھلا میری خوشی اور شہرت کہاں ختم ہوگی۔“  
 ”ہا ہا ہا! شہرت؟“ وہ استہزا میں ہنسا۔ ”کبھی بھولے سے تمہارا ایک شعر تو چھپا نہیں پھر وہ لون کی شہرت ہے جو مجھ سے ختم نہیں ہوتی؟“  
 ”میرا داغ امت چاؤ واپس کر دو میرا بیگزین۔۔۔“  
 راجہ اس سے بحث میں جیت نہیں سکتی تھی جی جھجکا کر اسے گھورنے لگی۔  
 ”کیوں! میں کیوں دوں؟ تم واپس کرتی ہو میری سی ڈیز؟“ ایک لاؤس کے ساتھ دن غائب۔۔۔ تم کیا کہتی ہو تم یوں میری چیزوں کا صفایا کرو گی اور مجھے جا چکی ہیں چٹا۔۔۔ وہ درندہ لاکا انداز میں بولتا اور راجہ اب تبھی میں آیا کہ وہ اسے اتنا تنگ کیوں کر رہا تھا صرف بدلہ چکانے کے لیے یا پھر اسے اتنا نہ کے لیے باز رکھنے کے لیے۔۔۔ راجہ نے تاسف سے لمبا سانس لیٹھا۔  
 ”تم آ کر یہ سمجھتے ہو کہ مجھ کو میں سنا اچھے کام سے باز رکھتے ہو تو سن لو کہ میں باز آنے والی نہیں۔“ قہقہہ ہانپا۔  
 ”خوشن ممالک کی مودیت کو اسنے شوق سے مت دیکھا کرو ان کے جا بوجھوں کو کچھ کیوں اسے گناہوں میں اضافہ کر رہے ہو؟ انہیں تو پتہ۔ اور شہرت کتنی ہے۔ تمہیں گناہ کے سوا اور کیا ملتا ہے؟“ پھر وہ اپنا مٹھائے وہ قدرے جارحانہ انداز میں اس سے مخاطب تھی ناخوش وہی پرانی تھیں لیکن ہر بار وہ اس امید پر اسے بھول کر شاید اس اثر ہوئی جائے مگر وہ عمر کی پاس پر اس کی بات کا اثر دے دیا۔ وہ اس کے آخری سوال پر دل کھول کر ہنسا اور پھر شائے اچکا تے ہوئے منہ منہ سے بولے۔  
 ”میں تو صرف وقت زاری کے لیے دیکھتا ہوں اور تمہارے اس طرح روکنے سے کیا میں رک جاؤں گا؟“  
 ”میں اگر کوئی شخص ہوں تو میرے جہز میں سوکھ

کر کا کتا ہونے والیاں بہت ہی شاد و خرم رہی تھی کرئیں اور میں بہر حال اتنا غلام نہیں ہوں۔ پس نام ملانی ہی سکتی ہو تمہارے ساتھ کو ایسا کوئی سنا کی نہیں سہا سہا ایک ”مہلتیور“ ہی ہے اور وہ تو ہمیں ہر حال میں قبول ہی لے گا۔“  
 ”کیا! تم نے ہٹلر کے کہا؟“ راجہ کے بولنے سے پہلے ہی بہت دیر سے خاموش کھڑی ناہم بیٹھی۔ آخر اس کے بھائی کا معاملہ تھا چپ رہنے کی باتیں یوں سکتے دیکھ کر وہ اور شہر ہوا۔  
 ”وہ ایک ہے تمہارا نام نہاد بھائی راجہ صاحب کا عکسیت۔ جو یوں ناہم کیوں سن کر کہے جیسے بولے یہ بھی نہیں لگا۔ یہ شرف یا گرد از کیوں سے بھانے والا سنجیدہ۔ اسے کیا پاس کے پیچھے بلانے پڑا ہے۔ دیکھو کیا بات جتانوں وہ بہت سخت ہے ایسا وہ دیکھتا ہے اپنی ذات پر بہت سے خوں چڑھا کرے جتنا جب اتریں گے تب پتا چلے گا۔“ وہ تاسف سے دونوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت واضح تھی تو راجہ کا غصہ بھی سوائیز سے پھٹ چکا تھا۔  
 ”آئے دو آئیں۔ تمہارے یہ سارے نادر خیالات ان گنت نہ پہنچانے تو کہنا۔۔۔ پھر مٹانے پھر کے معافیاں۔ پلایز راجہ اب کی بار معاف کرو پھر تنگ نہیں کروں گا تمہیں۔“ اس نے عمر کے لپکی نقل اتاری جس پر وہ ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔  
 ”وہ دور کیا ڈیٹر کنز! اب تو خواب میں بھی تم سے معافی نہ مانوں اور تمہارے اس ہٹلر سے میں ڈرتا ہوں کیا؟ میں تو انہیں باپ سے نہیں ڈرتا۔“ اس نے کان پر سے مٹی اڑائی۔  
 ”بس کرو عمر! کیوں تنگ کر رہے ہو اسے۔ چار دن کے لیے آتے ہو تو اس دھوکوں کے ساتھ رہا کرو۔ کیوں آتے ہی اس کے پیچھے ہٹھو کر پڑ جاتے ہو؟“ ناہم نے خاموش تماشائی بننے کا ارادہ نہ کر کے بولے اسے دیکھنا ہی عمر کے کچھ بولے سے پہلے ہی راجہ نے





سرخ رنگ مرمے سے بنی ہوئی یہ قدیم عمارت آج بھی اپنے کھینے والوں کو مہیوت کر دیتی تھی۔ چشتی شان دار یہ عمارت کی اس سے بڑھ کر اس میں رہنے والے لوگ تھے۔ جیوتن چاہتوں اور خلوص سے کندہ ہوئے یہ لوگ۔ جن کے لیے ایک دوسرے کی محبت ہی دنیا کی سب سے بڑی دولت تھی۔ ”حیاتِ دلا“ اپنی مثالی محبت کی وجہ سے پورے خاندان کی ایک منفرد مقام رکھتا تھا۔ اس گھر پر دیوں کا سایہ نہیں تھا مگر پھر بھی باقی اہل اتفاق قابلِ دید تھا۔ عظیم حیات اور سکندر حیات دونوں بھائیوں کا پیار بھی قابلِ رشک تھا۔ عظیم اپنے دو بچوں تیمور اور مامہ کے ساتھ فرشتہ فلور پر رہا کرتے تھے اور سکندر اپنی اکٹولی بیٹی رابعہ کے ساتھ سینٹر فلور پر رہتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی یکجہتی بھی کبھی نہیں ٹھنسی لہذا ان کی بھی آہیں میں خوب فنی تھی۔ ولید حیات ان کا سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ جو صرح پہلے ہمیری جوانی میں اس دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ اپنے چچے انہوں نے عمر حسن کو چھوڑا تھا جو ماں کی موجودگی میں بھی ماں کی محبت سے محروم رہا تھا۔ ولید وکیل کی جدوجہد کی موت کے بعد حیات کو لڑکھنوں میں سارا ولید کے لیے بچھنیں رہا تھا۔ خنسنے سے غم کو روک دینے والے دین کے گھر واپس لوٹ گئی تھی لیکن جب دوری شادی کا مرحلہ درجش آ یا تب عمر کو واپس اس کے گھر بھیال بھیجنا اس کی کی جیوری بھری۔ عائشہ اور فخرہ دونوں بھنوں نے عمر کو اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر ان کا پھر پھر بھی اس کی ذات میں رہ گیا تھا۔ بظاہر وہ بہت خوش، پینچل اور زہد لگا تھا مگر پھر بھی کوئی محرومی جو اسے ڈھنگ سے خوش ہونے نہیں دیتی تھی۔ ان دنوں وہ شادی کی ”امر یکن ہو تیور“ کا فادین“ میں زیرِ تعلیم تھا۔ آخری سال تھا۔ سو خوب محنت کر رہا تھا۔ تیمور اہل اہل کے بعد ان دنوں اپنی پرلیس میں مصروف تھا۔ تجنیہ سوز خاموش شیخ سائید اور رابعہ کی ہمیشہ آواز آتی لگا تھا۔ وہ اس کو پسند کرتی تھی اور بھیجی کہ بعد اس پسندیدگی میں بچکھار دے گی اضافہ ہوا تو دوسری طرف تیمور کا یہ بیوقوف پسندیدگی جیسے پائی تھا۔ وہ رابعہ کو اپنی ہی

امیت دیتا تھا جتنا کھر کے کسی بھی دوسرے فرکو۔ اور رابعہ کو اس کی یہ اختیار اور کام سے کام رکھنے والی عادت بے حد پسند کی۔ وہ اسے کل کے لڑکوں سے قدرے ہٹ کر لگتا تھا۔ ایم اے پر نلزم کے بعد وہ ان دنوں گھر میں رہ کر کوٹنگ وغیرہ سکھ رہی تھی بلکہ اب وہ گھر کیلے کاموں میں بھی کافی طاق ہو گئی تھی۔ اس نے ہر وہ چیز سکھ لی تھی جسے تیمور پسند کرتا تھا اور اس نے خود کو بھی کافی حد تک اس کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ وہاں مامہ نے سال پہلے ہی تیمور کی خوشخبری یاد کیا تھا۔ لیکن عمل کرنے کے بعد اب گھر میں رہ کر چھوٹے چھوٹے کوس کر رہی تھی۔ رابعہ کی طرح وہ بھی کچھ ہی عرصہ پہلے کنگی کے بندھن میں باندھ دی گئی تھی۔ شہر یا اس کا مومن زوار تھا اور غریب وہ دونوں رشتہ دار واج میں شنگ ہونے جارہے تھے۔ تیمور ان دنوں اپنے کئی کئی کے سلسلے میں ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں جا کر اس کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی اب واپسی پر عمر رابعہ اور فخرہ یکم کے علاوہ باقی سب اسے تیمور کرنے اور پورٹ گئے ہوتے تھے۔ وہ گھر کا پچھتا ہوا تھا۔ سب کی کھینیں وصول کرنا باقی کے ساتھ تھا۔ اور اب اسے میں عمر حسن کو اپنی ذات کے خلاف کسی ایک محبت کی کمی کا شدد سے احساس ہونے لگا تھا۔



رات کے آٹھ بج رہے تھے جب تیمور کی گاڑی ”حیات دلا“ کے سامنے کی گاڑی کا خصوصی ہارن سنتے ہی چولہا مارنے روکٹ اور ولید تیمور اور عظیم حیات کی گاڑیاں آگے پیچھے پورچ میں آ کر کھین ہو جی وہ لوگ گاڑیوں سے باہر نکلے فخرہ اور عمر نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ بلک پینک فرشتہ میں ملیوں تیمور ہمیشہ کی طرح وجہ گہر رہا تھا۔ ہاں بیماری کی وجہ سے کچھ کمزور ضرور ہو گیا تھا مگر شخصیت ہمیشہ کی طرح گریں فلی تھی۔ فخرہ یکم نے کہ بڑھ کر تیمور کو پچا کر کیا اس کا حال احوال پوچھا عمر نے بھی اخلاقی تہنائی پر دھنوں

میں کرتے ہوئے اندر چلے آئے جب کہ کچن میں کھڑی کھانا تیار کر رہی رابعہ نے کھڑی سے ہی ان سب کو اندر آتے دیکھ لیا تھا۔ بوٹی ان کی پرانی ملازمہ جی اس کے ساتھ دم در کھڑی تھیں مگر کچن بھی کچھ دیکھنے سے وہ ایسا تھا۔ گھنٹہ ڈرہ گھنٹہ بعد جب وہ اس کا مہ فارم ہوئی تو تھک کر چورہ ہو گئی تھی ایک وقت میں ایک سے زائد خوشنما نے اسے پچھلے بھی تو نہیں تھا جنوں ہر حال وہ مہا کی نظروں میں سرخسور ہو رہی تھی تیمور اس پر کھانا پکانے کی ذمہ داری ڈالی تھی۔ تیمور کی پندہ وہ دھڑو تو اس نے دل لگا کر بنائی میں وہ اسے کام دیا اور سوچ چڑھتا تھا اس کی نظروں میں اپنا مقام بنانے کے لیے اپنی محنت تو کرتی ہی تھی نہ فریش ہونے اور تیمور کا حال احوال پوچھنے کے ارادے سے وہ جو بھی جان سے باہر نکلا سائے آتے عمر سے کرا تے ہوئے بال ہاں پچی۔ ”دیکھ کر..... دیکھ کر..... ایسی بھی کیا بے مہری.....“ عمر خباثت سے مسکرایا۔ رابعہ نرمی طرح جھنجھکی۔ ”شرم کرو جا گھٹے ہو گئے کھینے ہوئے..... کیا اب بھی باہر نکالوں.....؟“ ”تو چار کھنوں کی میرے لیے کچی ہو اس نے تو دے بھی تمہاری تعریف نہیں کرتی اسے تمہاری بھائی کوئی چیز پسند ہی کب آتی ہے..... عمر نے اسے آئینہ دکھانا چاہا مگر رابعہ اپنی کارکردگی پر مطمئن تھی کچی شانے لپکانی ہوئی بے نیازی سے بولی۔ ”آج دیکھنا تعریفوں کے پل بائیں گے اور تم مل جل کر کباب جوانا“ ”واہ..... خوش ہوئی!“ دروازے سے ٹپک لگا کر وہ تسخیر سے بولا۔ ”لوکیاں کتنی خوش ہوئی ہیں بلکہ وہ دوف کھانا زیادہ مناسب ہوگا“ عقل سے پیدل بے چاری ”خلوق.....“ ”مخو پرے! امیر اتھاری فصول تک بک بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے.....“ رابعہ نے تپ کر اسے پرے ہٹانا چاہا جس پر وہ اور پینچل کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے کہ اس کے کالے راستہ ہی نہیں پچا۔ ”میری پسند کا کچھ بنایا ہے یا نہیں.....؟“ عمر نے نظریں اس پر جماتے ہوئے اسے زنج کر رہا تھا رابعہ نے اسے دکھانے کو برے کیا۔ ”انتا فالتو کام نہیں ہے میرے پاس.....“ اسے ساکا کر دہیز کی سے باہر نکل کر اور پچھلے پچھلے عمر اس کی پشت کو گھور کر دیکھا۔ وہ سن چکی تھی اپنے پیسے یا تھا مگر اب اس کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔ رابعہ کی متوجہ درگت کا سوچنے ہی اسے ڈیر ہوئی آئے گی۔ تنہائی کا فائدہ اٹھانے ہوئے اسے رابعہ کی محنت پر پائی جیسے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔



”آج تو تم نے کمال کر دیا یعنی! میرے بغیر اتنا کچھ بنالیا؟“ ڈانگ شیل پر کھانے کے اتنے سارے لوازمات کو تو شیخ نظروں سے دیکھتے ہوئے مامہ نے رابعہ کو دودی۔ ہمیشہ وہ دونوں کھانا پکانا کھاتے تھے اور کھانے پکانے پر دونوں کا بھڑکائی ہو جاتا تھا کیونکہ کچن میں کھڑے ہونے کا راز ان دنوں کو ہی دینا کا سب سے دشوار ترین کام لگتا تھا۔ اپنی تعریف پر وہ زار سا مسکرائی اور پھر کرسی حمایت کر بیٹھی جب کہ عمر دلی مسکراہٹ سے دونوں کو کھینے لگا۔ ”انتا کچھ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ ڈانکر نے مجھے پہلے ہی جیوی کھانوں سے متع کیا ہے۔ تاں حق نے اتنی رحمت کی!“ تیمور براہِ راست رابعہ سے مخاطب تھا۔ جانتا تھا اتنا تکلف اس کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ اس کی اس قدر صاف گوئی پر رابعہ کی مسکراہٹ یک دم پھٹکی پڑی تھی۔ اس کی محنت کا وہ ہمیشہ کو ہی صلہ دیا کرتا تھا۔ ”چلو کئی باتیں میری بیٹی نے اتنی محنت سے بنایا ہے۔ تم میں اتنے سارے کھانے والے سب کچھ ہو جائے گا۔“ سکندر نے محنت میں نظروں سے گئی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جس پر اس کا صوبہ ہوا تھا۔ تیمور احوال

ہوا۔ وہ ہولے سے مسکرا دی مگر اب اس کی مسکراہٹ میں وہ پہلی اور بات نہیں تھی۔

”اب تو پاشا کا رائے کھانا کا لے خانہ ہو گئی ہے کھانا پکانے میں“ میں نے تو پاشا میں جھانکا کہ نہیں سب کچھ ہوا کے ساتھ دل کر بنائی رہی ظاہری سی بات ہے تو وہ لڑی جو گھر گرجتی کے کن سے واقف نہیں اس کی اگلی ڈگریوں کا کیا اچھا ڈالنا ہے؟“ فارخہ بیگم نے بھی بیٹی کی حوصلہ افزائی کرتی چاہی جس پر چارٹیکس نے بڑھ کر تائید کی انہیں راجہ کو ان کی عمر پر بھی۔ ”میں راس ایشیائی، مراٹھ، چھٹی کے کباب تو سردہ انیم لک روسٹ رائیڈ سلاد اور پاشا۔ راجہ نے تیور کی پسند کا کچھ بھی تو نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی پسند کی بڑی بھی بنا رہی تھی تاکہ جودل چاہے وہ کھالے۔ مگر جو بھی تیور نے چن کر اس کا پہلا چھوڑ دینا میں ڈالا اس کے چہرے کے تاثرات حیران کن حد تک بدلے تھے۔ اتنی آخر فیوں کے بعد وہ کم از کم اس طرح کے کھانے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ راس میں سرخ مروج کی بھرمار بھی اس نے جلدی سے پانی کا گلاس اس سے لگا یا حلق بری طرح جلن کا شکار ہوا تھا وہ کھاس کر رہ گیا۔

”یہ پشیم راس میں سرخ مریچیں ڈالنے کی کیا تک نفی ہے؟ مجھے تو ویسے ہی مریچوں سے لڑتی ہے۔ رنگت دیکھیں۔۔۔ یہ چاول اس طرح بنتے ہیں؟“ تیور کو تو ویسے بھی راجہ کے بنائے کھانوں میں نقص نکالنے کی عادت تھی اور آج تو واقعی دھوکا بھی۔ فارخہ بیگم کی بھر جہرہ سے وہیں ابھی ابھی تو بیٹی کی ہونہاری پر بلند باک ہو کر رہی تھیں تیور نے جو پلیٹ پیچھے کھانے کی رنگت میں بغور دیکھتی تھی یہ دیکھتی تھیں کہ جو وہ بنا کر آئی تھی کھانا چونکہ ہوائے سرد کیا تھا اس لیے وہ تبدیلی نوٹ نہ کر پائی تھی ابھی وہ شوق میں پڑی اس احباب تبدیلی کا سوچ ہی رہی تھی جب مامم نے بری طرح کھانا شروع کر دیا۔

”اُف رانی! کیا جو بے بنیاد ہے آج تو سرے میں لگتا ہے تنک کی پوری کا انڈیل دی ہے۔“ راجہ کے چہرے پر تنک کی ہر شرمندگی کے تاثرات ابھرے تھے وہ حیران و پریشان کی مامم کو کھانے ہوئے بدھتی رہی۔ ابھی شرمندگی اور جرات کے سرد شہی غوطہ زن تھی جب عظیم صاحب نے بھی اپنی پلیٹ چھوڑ دی۔

”آج تو پاشیائی بھی ٹھیک نہیں بنائی بیٹا! لیکن کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے کبھی بھی ایسا۔۔۔“ انہوں نے ٹوکا ضرور تھا مگر کچھ لیے میں معمول کی نرمی تھی۔ راجہ پر کھڑوں پانی پر کیا۔ اس نے بے ساختہ تیور کی طرف دیکھا جو سلاد سے مولی کے ٹکڑے منہ میں رکھ رہا تھا کیا یہ سب کچھ ان ہی ہوتا تھا وہ بھی تیور کی موجودگی میں۔۔۔؟

”آج کچھ زیادہ ہی پرجوش تھیں مگر شاید اس لیے سب کچھ گڑبڑ ہو گیا۔“ تیور ہلکی طرف سے قہارل جلائے۔ اتنی نظر پر مامم نے سر اٹھ کر کھاتے ہوئے وہ اس کے قہقہے پر بڑے چہرے سے حلا خاہر ہوا تھا۔ مراٹھ اس نے کوئی ٹڈی نہیں کی کیونکہ یہ خود اسے بھی بہت پسند تھا۔ راجہ نے اس کی بات پر تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی تیر رہی تھی۔ لمبے کے ہزاروں حصے میں وہ بات کی اصل تک پہنچ گئی تھی اور اب آسو جی کی اینیبل کرے آنکھوں میں عجیب سا دکھ اور ان کہا ٹھوکہ تھا۔ عمر کے مسکراتے لب بیک دم سکڑے تھے۔ دل جو اس کی مدح سرائیوں پر خوشی سے تانچ رہا تھا یک دم دھڑکنا بھول گیا تھا کی کہ ہاتھ میں چکڑا چھپر بھی فضا میں ٹھہر سا گیا تھا۔ اس کی معمولی سی شرارت اور مذاق نے راجہ کی کئی دل آزاری کی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تیور کھانے سے خاصا دمزا ہو کر کرسی گھٹتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ہاں سے اٹھنے سے پانی قاتی مامم افراد بھی باہر باری اٹھنے لگے اگر کسی نے اپنی نشست نہیں چھوڑی تھی تو وہ دھڑک رہا تھا راجہ جاتی تو سب کو عمر کے اٹھ گیا مذاق کے بارے میں ہنسنا کبھی گروہ چپ چاپ بنایا کہ

لفظ کہنے آسو نہ پڑا کہ اپنے کمرے میں چلے گی اور عمر

”نہیں بارادہ حق نہیں بناتے تو جن کرتے ہیں۔“ میر انہیں خیال کر دھو کچھ پسند کرتے ہیں۔“

”چلو جی یہ وہم ہلا ہوا ہے تم نے۔۔۔ اس دن بھنا شان کا راجہ کا تھم نے بنایا اچھا بار کیا خیال ہے اس کی تعریف کے ڈکڑے برسائے چاہیے تم پر۔۔۔؟“ مامم نے بھر پور بھائی کی سائیڈ لی بس پر راجہ بری طرح جڑ جڑ ہوئی۔

”میں اس دن کی بات نہیں کر رہی وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔“

”تو ٹھیک کرتے ہیں نا تمہاری اصلاح وہ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔۔۔۔۔ اور پھر وہ جو تمہیں ہر جہوار پر شگ کا کارڈ اور پھول بھیجتے ہیں تو وہ کیا ہوئی بیج دیتے ہیں؟ بابا! پسند کرتے ہیں وہ تمہیں تب ہی تو تمہیں کسی موقع پر بھولے نہیں ہیں۔ تم بہائیں کیوں ان کی خاموش محبت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔“

”خاموش محبت نظر بھی تو آئے۔ میں نے تو آج تک ان کی نظر میں اپنے لیے محبت نہیں دیکھی۔“ راجہ اپنی جگہ ٹھیک کیا مامم کے لبوں کو مسکراہٹ نے بھوا۔

”دیکھنا چاہتی ہو؟“

”کیا؟“ وہ بے خیالی میں بولی۔

”ان کی نظروں میں اپنے لیے محبت کا غما میں ماما سمندر۔۔۔ مامم شوق ہوئی وہ بھی بری طرح جھینپ گئی۔

”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ محبت کے لیے تو

ساری عمر بڑی ہے اور پھر یہ سب شادی کے بعد ہی اچھا

لگتا ہے۔“

”اوہ گاڈ! تمہاری بات سے یاد آئی۔۔۔۔۔ صبح تو آیا تھا

ماسوں کا کہہ رہے تھے وہ چار دن میں شادی کی تاریخ

رکھتے آ رہے ہیں لیکن اس سے بھی بڑی بات ہے کہ ماما

بھیا کی نیا بھی بارگاہ کا سوچ رہی ہیں ڈاکٹر اس کی

راے لے لیں پھر پھر لیکن ان کا بیڑ بھی ساتھ ہی جگے۔“

مامم جوش سے بول رہی تھی اور راجہ کی تو جیسے ہی کلم

”میں کو زندگی میں پہلی بار اپنے کی فعل پر ندامت محسوس ہوئی تھی اور وہ نہیں جانتا تھا اس کی مذاق اس کے اور راجہ کے درمیان کتنے فاصلے لے گا۔“

✽

شام کی سبک خستہی ہوا کی چل رہی تھی جس جب وہ مامم کے ساتھ اوپریس پر چلی آئی پچھلے کچھ دنوں سے وہ غیر معمولی طور پر چپ کی عمر سے ناراض بھی تھی تک برقرار تھی شاس نے اپنی غلطی پر معافی مانگی اور راجہ کا اسے معاف کرنے کا ارادہ تھا اس نے اس کی چار گھنٹوں کی محنت کو ہی ضائع نہیں کیا تھا بلکہ اسے تیور کی نظروں سے کرانا چاہتا تھا اور اسے مل دیکھ کر صرف اس کی بات تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

”تمہارا موڈ بگڑ گیا ہوگا، بگڑاؤ گی؟“ مامم نے بے پارگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا جو دراز سان پڑاتے پڑھوں کو دیکھتے تھے تو بھی۔ اس کی بات پر شیشلی کی ہسی ہنسنے ہوئی۔

”مجھے کیا ہوا ہے؟ ٹھیک ہوں۔“

”خاک ٹھیک ہو؟ جب سے بھائی آئے ہیں تب

سے تمہارا منہ بنا ہوا ہے۔ ان کا آنا ناچیں لگایا پھر ان

کی کسی بات سے دھکی ہوئی؟“ مامم اندازہ لگانے میں

بہشت سے کوئی تھی۔

”دونوں میں سے کوئی بات نہیں اور ویسے میں بھی

نے ان کی باتوں پر دھکی ہوتا چھوڑ دیا ہے۔“

”یہ تو خیر صاف جھوٹ ہے۔“ مامم کو قطعاً یقین نہ

آیا۔ ”جب بھی تمہاری پم پر فزائٹ ڈیٹ کرتے ہیں اس

کے بعد پورا ہفتہ تمہارا بیک پر ڈسٹل ہوتا ہے یہ شاید اس

اب نہیں ہے تمہیں کچھ بھی کونا چھوڑ دیا ہے کچھ ہو گیا

کشی کنڈیچنی کرتے ہیں پھر تم سے تو نہ کبھی ڈہرا ہے۔

وہ صرف حق جتاتے ہیں تم راور تمہارا کڑا جالی ہو۔“ راجہ

کا دل ایک لمحے کے لیے پری طرح دھڑکا مگر اگلے ہی

پل وہ ہرجھکا تے ہوئے گر گئی سے بولی۔



ہوئی تھی۔ وہ حیرانی اور بے یقینی سے ساتھ کھڑی ماہم کو دیکھ رہی تھی جو اس کے فتنے پر پڑنے کے چہرے سے خطا نہاتے ہوئے شرارت سے بولی۔

”یقین نہیں آ رہا تھا، مجھے بھی نہیں آیا تھا کہ مہمان نے کہا اس دفعہ وہ بسا کا کوئی بہانہ نہیں چلے دیں گے خیر سے تمہاری تعلیم بھی مکمل ہوئی ہے اور وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے ہیں۔ دیکھتے ہیں اب کیا نیا جوڑا طرہ کرتے ہیں تم سے بچنے کے لیے۔ مگر نہیں اس دفعہ تو تمہارے دام میں آئی جا میں گے۔“

”یقین یوں اچانک۔۔۔ وہ ابھی بھی بے یقین تھی دل یوں خوش نہیں ہوا تھا جسے وہ چاہیے تھا۔“

”اچانک کہاں یار! تم شاید بھول رہی ہو کہ تم پیچھے دس سال سے اس سے منسوب ہو اور دس سال کوئی اتنا عمر ضائع ہوتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر یوں افراتفری میں تو کچھ بھی ڈھنگ سے نہیں ہو سکے گا اور مجھے جو تمہاری شادی کا اتنا ارمان ہے اس کا کیا ہوگا۔“ رابعہ نے چارکی سے ماہم کی طرف دیکھا جو اس کے چہرے پر پہلی مصحوبیت کو محبت بانی نظروں سے دیکھتے ہوئے پیار سے استفسار کرنے لگی۔

”میں اتنی اہم ہوں تمہارے لیے کہ میرے پیچھے اپنی شادی کول کر دوں گی؟“

”بالکل! کوئی شک ہے کیا؟“

”نہیں مجھے میری کیا چال جوتی پیاری لوکی کے غلوں پر رشک کروں۔“ ماہم نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے کی گامیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

”اتنی پیاری لگتی ہے، نہی ہو کر دل رہا ہے آج ہی بھائی بنا کر لے جاؤں۔“ ویسے اگر اس دفعہ بھائی مان گئے ہوتو بچس جاؤ گی تم۔۔۔ اور میرا خیال ہے وہ دہائی ہی جا میں گے۔ بہت دن ہو گئے تمہاری محبت کو دل میں چھپاتے ہوئے۔۔۔“

”آہ! تمہاری خوش فہمی! رابعہ نے طولی شندری سانس لی تھی۔ ”چند کارڈ بھیجئے اور بڑھنے دے وش کرنے کے لیے اس کا ثابت ہو جائے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے ہیں۔ میں نے منہ سے تو ہونے نے ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ لیکن خیر میری محبت میرا سٹیکس۔۔۔ اگر آگئی ہے شادی کا شوشا چھوڑ دیا پھر کیا ہوگا؟“

”پھر کیا ہو جائے غم سے کہن بن کر آ جانا ہمارے پرورش میں۔۔۔ ویسے بھی میری شادی کے بعد کھ سونا ہو جائے گا۔“

”کس کی شادی ہو رہی ہے؟“ عمر جو میرا راوی طور پر رابعہ کو خوفزدہ ہوا اور پراپتا ماہم کی آغوشی بات سننے کے باوجود انجان بننے ہوئے ماہم سے پوچھنے لگا۔ نیوی بلیکمر کی پینٹ اور سیل فلرکری شرٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح کھرا کھرا لگ رہا تھا۔ Lover کی مددوش کس خوش فہمی کے دوجو سے چھوٹی پڑ رہی تھی۔ ماہم نے بھیجیتے ہوئے ایک چپٹ اس کے شانے پر لگا دی اور پھر اپنی سے اندر والی مسکراہٹ کو دانتوں تلے دبائے تیری سے نیچے کی طرف دوڑ لگا دی۔ رابعہ ماہم کے یوں واک آؤٹ کرنے پر ڈراما بدعز اوٹی اور پھر جیسے ہی عمر کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ماہم کی پیروی کرنا چاہی عمر سرعت سے اس کے راسے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

”یہ کیا بدیہی ہے؟ راستہ چھوڑو۔“ عمر کی طرف دیکھتے بغیر وہ لپک اور سخت انداز میں بولی مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ وہ غلوں پر پہلی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

”ایسا تنگ ناراض ہو؟“ اسے اپنی نظروں سے حصار میں لیتے ہوئے وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر بولا پھر طولی سانس لی تھی۔

”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تم سے ایسا کوئی مذاق نہیں کروں گا۔ میں جی اتنا شرمندہ ہوں کہ تم سے معافی مانگنے کا بھی حوصلہ نہیں مجھ میں مکمل میری فلاح ہے سوچا جانے سے پہلے اسکی پڑ کر لوں درتو۔“

”واہں جا کر بھی پچھتاوا دیا رہے گا۔“

”تم نے جس مقصد کے لیے وہ کھلی مذاق کیا وہ مقصد تو پورا ہو گیا پھر اب اسکی پڑکس بات کے لیے۔“ اس کی بات کاٹنے ہوئے وہ ایک دم سے بچہری اور پچھتاہے دنوں بعد اسے حضرت کا خیال آیا تھا یہ بات بھی اسے تپانے کے لیے تھی۔ ”اور تم نے یہ کیا کیا ہے تم تو ہمیشہ سے ہی ایسا کرتے چلے آ رہے ہو زارو سے ہو اور پھر میرا مانگ لینے ہو مگر نہیں اچھے تم سے اتنا بے تکلف ہونا ہی نہیں چاہیے تھا کہ تم یوں میری ذاتیات میں دخل اندازی کرتے پھر دیکھتے تیوری نظروں میں یہ عزت کرنے کے لیے ایسا فضول خرچی کرو کیا ملتا ہے نہیں تمہیں تمہارے۔۔۔ کیوں کرتے ہو تم ایسا۔۔۔“

”اب نہیں کروں گا۔“ ہنرٹ ہنچتے ہوئے وہ ہودہ دو پیچھے بٹھا۔ لہجے میں اچانک شہجری در آئی تھی۔ ”تم میرے بارے میں اتنا غلط سوچنے لگی ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔ بس اتنی چھوٹی سی بات پر تم اتنی بدگن ہو گئیں مجھ سے۔ میں تمہیں تیوری نظروں سے کیوں کر اتنا چاہوں گا؟ وہ بھائی ہے میرا۔۔۔ ہاں اسے والی اہت پر مجھے رشک آتا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں تم دونوں کی خوشیوں کا دشمن ہوں۔“

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ رابعہ نے خشکی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی باتوں کی ترمیدی۔ ”مگر یہ بات سچ ہے کہ تم ہمیشہ شہجری یا شہجری طور پر مجھے ہرٹ کرتے رہے ہو دو دتی یوں نہیں ہوئی عمر اہم سے اچھے تو تیور ہیں وہ اگر مجھ سے محبت کا ڈراما نہیں کرتے تو ان کے کم میری دل آزاری بھی تو نہیں کرتے۔ انہیں کم از کم میرے احساسات کا پختہ خیال ہے مگر تم اس معاملے میں جی ان سے بہت پیچھے ہو تم بھی جی ان جیسے نہیں بن سکتے۔“

”میں ان جیسا بننا بھی نہیں چاہتا۔“ عمر کے لہجے میں واضح ناگواری تھی جسے رابعہ نے بھی شدت سے محسوس کیا تھا۔ ”مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔ میں جیسا اندر سے

ہوں ویسا باہر سے ہوں۔“ ہمیں نہیں بدلے جاتے۔۔۔ مگر نہیں تو کچھ بھی کہا فضول سے نہیں تو دوسری نظر آتا ہے جو سامنے ہوتا ہے مگر ایک بات یاد رکھنا رابعہ! سچ ہمیشہ وہی نہیں ہوتا جو ہم دیکھتے ہیں اور پھر چہرے تو بھی یوں دکھادے ہیں کہ تم کہیں کہاں بھوکی؟“

”اوندھاب اس بے کار کے فلسفے سے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟“ رابعہ نے تھکے چوتھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ لہجے میں اسے اسات کے ساتھ ساتھ استہزا بھی تھی۔ ”تم ان کی مخالفت میں اس حد تک چلے جاؤ گے مجھے یقین نہیں آ رہا ہے تم نے کہا نہیں ان پر رشک آتا ہے مگر نہیں تم ان سے حسد کرتے ہو۔ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر جو مقام انہوں نے سب کی نظروں میں بنایا ہے وہ دکھاتا ہے نہیں۔ مگر حسد کی مسئلہ کا نہیں ہوتا عمر! اس سے صرف برف اپنا ہی نقصان کرو گے میں جو تمہارے پیچھے ہاتھ کر رہی رقیی ہوں کہ یہ کڑی بہت کرؤں اس کا چھوٹا چھوڑ دو اسے دوست بناؤ تو یہ سب کیوں ہوں۔ میں اپنی ایک دم دل سے تمہاری خیر خواہ ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ جیسے سب تیور کو راہتے ہیں تمہاری بھی تحریف کریں مگر تم نے کبھی بھی میرے غلوں کو کھینچی کوشش نہیں کی انٹائی مجھ سے بے کار دانش سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بہت افسوس کی بات ہے عزاوہم تم جیسے نہیں ہیں یا بات اپنے ذہن میں بٹھاؤ۔ تم۔۔۔ میں بھی جی ان کے خلاف تمہاری سی بات کو نہیں مان سکتی۔“

”تو ٹھیک ہے مت مانو میرا کیا نقصان ہے؟“ وہ انکے ہی بچہراٹھا تھا اور یہ اس کی اضافی خاصیت تھی کہ عجب سے وقت وہ ہر طرح کا غلط بھول جاتا تھا۔ ”تم ان کی زندگی میں کہیں بھی نہیں ہو یہ بات اگر ان کے سپاٹ رویے سے تمہاری کچھ میں نہیں آتی تو جب وہ منہ سے کہہ دیں گے تب سمجھ لینا۔“ وہ لفظ چاہیہا کر بول رہا تھا۔ رابعہ کو عمر کی ذہنیت پر افسوس ہوا جی اسے ترم بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اگر میں ان کی زندگی میں نہیں ہوں تو بھی یہ تمہارا درد نہیں ہے۔“

”ہاں واقعی۔۔۔!“ اس نے پہلی بار راجہ کے لیے میں اچھیتی جس کی تمی اور اسے حقیقت اس کی باتوں سے دیکھ کر پہچان تھا اور جب وہ بولا تو یہی گفتگو اس کے لیے سے عیاں تھی۔ ”لیکن پھر بھی میں جاہلوں کا کہ میری ساری باتیں اور خدشات جھوٹ نکلیں اور تمہارا مان اور خواب سلامت رہیں تم جانتی ہو کچھ دن پہلے میں کوئی بات بتانا سے چارہ تھا مگر نہیں۔۔۔ جب ہمیں میری بات کا یقین نہیں تھی تو کچھ کسی کہنے کا کیا فائدہ؟“

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ رکائیں بلکہ سرعت سے واپس ہلٹ گیا جب کہ پچھتہ کڑی مسمیہ مگر راجہ اس کے دل سے لے کر تھیں اور ہوا تھا۔۔۔ کوئی بوجھ تھا جو



عمر شراجہ واپس چلا گیا تھا اور ادھر ماس کی شادی کی ڈیٹ بھی فائنل ہو گئی تھی گھر میں شادی کے بنگلے جاگ اٹھے تھے۔ عاشق اور فخرہ پیگم بڑھ چڑھ کر شادی کی تیاریوں میں حصہ لے رہی تھیں تیوری میں اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے اکلونی بہن کی شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھیں اندر باہر کی ساری ذمہ داریاں اسی کے سر میں لے شک وہ ماہم سے زیادہ پریکٹس جانتا تھا مگر اس وقت وہ اچھا بھائی ہونے کا پورا پورا ثبوت دے رہا تھا۔ راجہ کے ذہن میں اس نظم کی باتیں گردش کرتی تھیں اور وہ کچھ کر رہا تھا کبھی عمر کی عادت تھی فضول باتیں اور مذاق کرنے کی عمر جس نے اس نے وہ سب کیا تھا وہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں تھا۔ وہ خود کو چلا گیا تھا مگر

اس کے ذہن میں بے شمار سوالات چھوڑ گیا تھا۔ وہ تیور کے بارے میں اسے کیا بتانا چاہتا تھا۔۔۔ اس نے اسے دوق سے کیوں کہا تھا کہ وہ تیور کی زندگی میں نہیں ہے۔ اس نے اسے ایسا کیوں کیا تھا کہ چہرے دھوکا دیتے ہیں۔ عمر اس باتیں پہلے تو نہیں کرتا تھا وہ بدو ہمیشہ

اسے تیور کے حوالے سے چھپڑتا رہا تھا پھر اس دفعہ ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اتنا جونی ہو رہا تھا۔ وہ اس سے تھا ہو کر نہ گیا ہوتا تو شاید وہ چھپڑی لیں اور اب تو بھی ہوا ہی نہیں تھا کہ اس نے عمر کو ممانے میں پہل کی ہو۔ غلطی اس کی ہوتی یا نہ ہوتی ہمیشہ وہی اسے ممانا تھا اور بڑے سے بڑے جھگڑے کو چند دن بعد ہی دھول بھی جاتا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اتنی دور جانے کے بعد اس نے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ کوئی فون نہادی میل۔۔۔ اور اس سے لاکھ فکری کے باوجود وہ لا شعوری طور پر اس کے فون کی منتظر تھی۔ چنانچہ کچھ جانے کا ختمش تھا پھر وہ شروع سے ہی عمر حسن کی عادی تھی۔



اس تیور عظیم مسمیہ چہرے کو ڈھونڈتا تھا وہ چہرہ اسے پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ اکثر وہ رات کو بے مقصد سر میں پڑتا تھا اس امید کہ شاید وہ چہرہ اسے کبھی نظر آ جائے وہ چہرہ جسے وہ دیکھتا تھا اور نہ دیکھتا تھا اور نہ دیکھتا تھا اور نہ دیکھتا تھا۔۔۔ اس ایک بار اسے چہرے کے نجوم میں دیکھا تھا اور پھر وہ چہرہ ہمیشہ کے لیے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ چنانچہ وہ لڑکی کوئی کیا کیا تھا اس کا۔ کہاں کی رہنے والی تھی۔ کہاں جاری تھی۔؟ وہ اس کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا مگر اسے دل کو پہلی بار کسی کے لیے ہرگز ضرور پا تھا اور یہ بھی دل کا پائل پرنی ہی تھا جواب بھی اس کا انکار کر رہا تھا جسے وہ ایک ہی مل جائے گی بھلا اگر اس نے ملنا ہوتا تو چھڑتی ہی کیوں۔۔۔ اسے تو شاید یہ باتیں یاد بھی ہوگا کہ تیور مانی وہ ابھی جس نے برقی باتیں میں اسے بس اسٹاپ تک ڈرا کر کیا تھا وہ دل میں اس کے لیے شوق کے کتنے

جہاں تھامے بیٹھا تھا۔ وہ اب بھی اسے چہرے میں کھوجتا تھا اور اپنی اس دیوایگی پر اکثر اسے ہی اچھی لگتی تھی۔ دیوایگی کے ہاتھوں وہ کتنا خوار ہوا تھا۔ ریڈ لائن اریا مسمیہ بدنام زمانہ جگہ کو کسی اس چہرے کی تلاش نے اسے کھانے لے کر مجبور کر دیا تھا۔ ذرا کسی چہرے پر اسے اس

کے کا گلہاں ہوتا اور وہ کسی بھی چیز کی پروا کے بغیر اس کی تلاش اور جستجو میں نکل کھڑا ہوتا۔ ”محبت“ انسان کو یوں اور کرتی ہے اس کا اس سے پہلے ایسا کوئی تجربہ نہیں تھا۔۔۔ اور وہ اسے سواوں کی لا حاصل تلاش کے باوجود بھی پائیں کیوں نہ امید تھا کہ ایک دن وہ اسے مل جائے گی پائیں اسے اپنے جذبوں پر یقین تھا پھر اس ذات جو دلوں کے بھید خوب جانتی ہے۔



ہمیشہ ایسا ہوتا تھا نگاہوں سے پرے ہو کر ہمارے دل میں رہتے تھے مگر اب کے ہوا ہے یوں نگاہوں سے پرے ہو کر ہمارا دل بھی خالی ہے!!!

راجہ بے دلی سے عمر کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی جب اچانک اس کی نصائی کتاب سے ایک تصویر پھل کر اس کے قدموں میں گرئی۔ وہ اس کی الماری کی سیٹنگ کر رہی تھی یہانی کتابوں کی جگہ کچھ کتابیں لگا رہی تھی جب اسے آخر آخر میں وہ تصویر اس کی توجہ کھینچ کر لگی۔ اس نے جھٹک کر تصویر اٹھائی تصویر کی پشت پر مسمیہ فوٹو تصویر اس نظم سے ایک لمحے کے لیے ابھرنی لگی۔ وہ اس نے فوراً تصویر کا رخ بدلا۔ ایک اوچی عمر گورت کے گلے میں بازو ڈالے ایک خوب صورت سی لڑکی پوری زندہ دلی سے ٹھٹھک رہی تھی۔ راجہ نے اپنے ذہن پر زور دیا اس نے اس لڑکی کو پہلے ہی نہیں دیکھا تھا جس کا مطلب تھا عمر نے اس لڑکی سے اسے ملنے کو اس سے دانست چھپا تھا اور نہ یہ تو غیر رسمی بات کی کہ وہ اپنا کوئی فیئر اس سے چھپا کر رکھتا اور شاید فیئر تھا بھی نہیں۔ تصویر کی پشت پر عمر کے ہاتھ کی لکھی وہ نظم راجہ کے ذہن میں ابھرے والے بہت سے سواوں کے جواب دے رہی تھی۔ تصویر کے ایک طرف تصویر والی کا نام اور مقام لکھا ہوا تھا اور یہ سب دیکھتے ہوئے اس کے

ذہن میں بہت سے جھماکے ہوئے تھے۔ ”تو تم محبت کے معاملے میں مجھ سے کبھی رازداری برتنے لگے عمر!“ اس نے ریک سے ٹیک لگا کر سچا۔ ”لیجئے اصرام شراجہ!“ اس نے ایک نظر پھر تصویر اور اس نام پر ڈالی اور اسے اب عمر کی زندگی بچہ بچہ کی جاس نے دورانِ تعلیم کب کچھ چھوڑ چھا کر شراجہ جانے کے بارے میں کبھی۔ کوئی کی کوشش اسے وہاں بھیجی تھی یا اور اک اب ہوا تھا۔ وہ جتنی بھی وہ صرف لڑکیوں سے ٹھیکتا اور اپنی بے خوف بنانا جانتا ہے مگر کوئی لڑکی اس کی ذات میں اس قدر گہرائی سے اتاری تھی کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ تیور کو دوبارہ کتاب میں رکھنے کی کبھی گھر پر کچھ مسمیہ کو اس نے اپنا جھد کر لیا۔ ”پھرے دھوکا دیتے ہیں۔“ اسے عمر کی بات پر یقین نہیں آیا تھا مگر اب آگیا تھا۔ وہ عمر حسن کو جتنا آسان سمجھتی تھی اتنا آسان وہ تھا نہیں۔۔۔ نظارہ ٹھکانہ اور شراجہ مگر اندر سے اتنا ہی گہرا۔ تصویر پر درون تاریخ اس بات کا ثبوت تھی کہ عمر کی زندگی میں بہت پہلے سے ہی اور عمر نے پھر بھی اسے کبھی پکڑیں بتایا یہ اس کی احتیاط ہی تو تھی تصور کو کبھی میں دباؤ دے تیوری سے عمر کے کمرے لگتی تھی۔



Carlton Hotel میں لیجے کے ساتھ کا پتہ پڑے ہوئے وہ شیشے کے پار دیکھا جو کچھ کھو یا ساگ رہا تھا۔ تیوری پر پہلے وہ کافی بڑا شیشا تھا مگر اسے کھینچ کر ابھی لے کر ساتھ دینے سے انکاری تھیں مگر جو رانی اب انھوں میں اتاری تھی اس نے لیجے کو پھینک کر دیا تھا۔ پائیں باہر دیکھتے دیکھتے کس منظر میں وہ اتنا کھو گیا تھا کہ اسے بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ بچنے اس کی نظروں کے تعاقب میں لے گئی اس کی کوشش کی عمر اسے ایسا کبھی نظر نہیں آیا جو کسی کو کبھی باغد کر لینے پر مجبور کر دے تب ہی نہیں کے کنارے پر جتنے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ کا زہر بادل ڈالتے ہوئے وہ اسے باہر سے بھیج کر دوبارہ



”خبریت ہے یہ آج بات پر کہاں گم ہو رہے ہو؟ کیا دیکھ رہے ہو یا ہمارے؟“

”جی نہیں، بس یوں...“ اپنا ہاتھ چھپتے ہوئے اس نے مصروفی سکراہٹ سے اسے ملامت کیجے سے کچھ بھی چھپانا کہا اس کن تھا وہ اس کی رگ سے واقف تھی اور پھر جو لوگ دلوں میں بسنے ہوں ان کے بارے میں تو چھٹی حس ویسے غیر معمولی کام کرتی ہے وہ عمر کی زندگی میں پچھلے پانچ سال سے بھی یہ کوئی اتنا طویل عرصہ تو نہیں تھا مگر وہ اس کے مزاج کے بہت سے مومنوں سے آگاہ تھی۔ اس کی پسند ناپسند خواہ مخواہ غمروہاں۔ عمر نے اس سے کچھ پوچھا بھی تھا کب تھا۔ مگر پھر بھی بہت کچھ تھا جو اس نے مخفی رکھا ہوا تھا اور جسے جاننے کے لیے وہ بے چین بھی تھی۔

آج سے تین سال پہلے جب اس کی فیملی شادی شفٹ ہوئی تو عمر کی جدائی نے اسے کئی قدر حال کر دیا تھا وہ اس کی کافی قیامت تھی اس کی مہم مزاجی اور بس! پھر کب اور کب عمر سن اس بات کا احساس نہ ہو سکا۔ شاید آنے کے بعد بھی اس نے عمر سے قلمی رابطہ برقرار رکھا تھا وہ خود بھی کافی فریڈی لاء اور زندگی تھا وہ سب شیاں کی طرف سے بھی بڑے دوستانہ جواب وصول ہوتے تھے۔ مگر وہ اس کے لیے اپنی تعلیم اور مصروفیت پر شادی چلا آئے گا یہ بات تو اس کے دہم و کان میں بھی نہیں تھی۔ زندگی ایک دم سے اس کے لیے بہت حسین ہو گئی تھی۔ عمر کی زندگی میں وہ اہم مقام رکھتی تھی۔ یہ اس کی اسے تقویت دینے کے لیے کافی تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہو یا ہمارے؟“ اسے ایک بار پھر باہر کی طرف دیکھنا پڑا کہ لمبے بے چینی سے پوچھا اور اس کے لیے کہ جس نے عمر کے ہونٹوں پر ایک شہر آشوبی مکان کشمیر دیکھی۔

”ماتنے والی کو دیکھ رہا تھا اب یہ بھی کوئی بتانے والی

بات ہے۔“

”بس یہی کسر رہ گئی تھی۔“ لمبے نے ناگواری سے تانک لکیری۔ ”ماتنے بھی اتنی حسین لڑکی نظر نہیں آتی جو رات چلتی نظر نیوں کا ڈر ہے ہو؟“

”اس میں تم سے زیادہ تشش ہے یا! تم کیا ہو اس کے ماتنے۔“ عمر نے مصروفی شہری سانس بھری لمبے نے کمری تھنٹی اور اٹھ کر لڑی ہوئی۔

”تو تھک ہے دیکھتے رہو اسے کی بھر کہ میں تو چل۔۔۔ اور ہاں اگلی دفعہ کی تقریبی راہ چلتی کو لے کر ہی آؤ تھک پر نکلتا۔“ پھر کندھے پر ڈالتے ہوئے اس نے مصروفی تھنٹی دکھائی حالانکہ جانتی ہی کہ وہ مذاق کر رہا ہے مگر اسے لانے پر لانے کے لیے خفا ہونا ضروری تھا۔ عمر نے ہنسنے ہوئے سرعت سے اس کا ہاتھ چڑھ کر اسے دوبارہ ہنسا اور پھر ڈر سا اسے ٹھیک پر چھلکے ہوئے شرارت آئیز سنجیدگی سے بولا۔

”تم کیا کم ہو کی تقریبی سے۔“ ہاتھ دھو کر کہ پیچھے پڑ گیا وہ میرے۔۔۔ میں تو کسی کام کا نہیں ہاں۔“

”مگر میرا مشکل تہا میری بخت ہے تو پھر میری خالی ہی ہے۔“ لمبے نے ہرمانہ لہجہ آرزو کی ہے عمر کی طرف دیکھا جس کے مسکراتے لب یک دم سمٹے تن سواں پردہ ہوئی خاموش ہو جاتا تھا۔

”تم میری زندگی میں تو ہونا! ایک لمبی کی خاموشی کے بعد اس نے لمبے کی بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے تعین دلانا چاہا تھا جس پر ایک لمبی سی مسکرات اس کے ہونٹوں پر چھٹی تھی۔

”زندگی میں تو تمہارے اور میری بہت سے لوگ ہیں عمر! پھر ایک میرا اضافہ کیا اتنی رکھتا ہے؟ تم نے وہ شہر تان

اور کون بھی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”یار! محبت کو ماتنا نہیں میں ورنہ شاید میرا پہلا اظہار محبت تمہارے ہی نام ہوتا۔“ کمری کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ عجیب سادیت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

”اور جتنی مستقل مزاج تم ہو مگر اس سے مجھے اس جذبے سے روشناس کروا دو ورنہ میں تو اپنی نزن کی اس شاعری پر یقین رکھتا ہوں کہ:

محبت ایک دھوکا ہے

یہ وہ دھوکا ہے

جو ہم خود کو اکثر دیتے رہتے ہیں

بھی اس کا بوند دھنسا ہوتا ہے

جیسے ہم خود سے بڑھ کر چاہتے

دیکھ کر کرتے ہیں

سو میرا بھی خیال یہی ہے ورنہ کیا محبت اور کیا کسی

حقیقت۔۔۔ اگر یہ کوئی اتنی ہی پادور چیز ہوئی تو میری

ماں میرے باپ کے مرنے کے بعد اس کی انگوٹھی اور

آخری نشانی کو یوں دوسرے کے دم و کرم پر چھو کر نہ

جاتی۔ مانا کوئی بھڑکی ہوگی ان کی مگر بعد میں کب تو مجھ

سے ملنے آسکتی تھیں لیکن انہوں نے تو مجھے یوں فراموش

کر دیا جیسے عمر مات کو لٹی بھرا ان کا تھا ہی نہیں۔۔۔ یہ

سے آتی لوگوں نے مجھے بھی کسی چیز کی محسوس نہیں

ہوئے ہی مگر زندگی میں کی ہمیشہ چیزوں کی ہی تو ہمیں

ہوتی انہوں نے یہاں سے میری پرورش کی مگر کسی غلط

کام پر مجھے ٹوکا نہیں! مجھ پر سختی نہیں کی۔ میری ہر جائز

جاننا خواہش پوری کی حالانکہ میری شدید خواہش بھی کہ

مجھے بھی ڈانٹ بامار بڑے باکل ہو ویسے ہی جیسے تینوں اہم

اور اور بالوں کی شرارتوں پر پڑتی تھی مگر ہمیشہ شہ

محبت سے انہوں نے پیلا سے تو پیلاں کا تہا میری ذات پر احسان ہے۔“ لمبے نے ہمیشہ کی طرح اسے گھسانا چاہا وہ اکثر اسی طرح باتوں ہی باتوں میں اپنی کسی عمری پر دلگرفتہ ہو جاتا تھا اور پھر لوں کڑھتا رہتا تب وہی جی اسے ان خبریوں کے دریاہ سے نکالنے کے لیے طرح طرح کے دلائل استعمال کرتی تھی۔

”ہاں! مجھے پتا ہے۔“ عمر فوراً سنبھلا خود کو کہنے میں لہجہ

ہی تو لگا تھا۔ لمحہ بہت دور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں جوابی بامار دیکھ رہا تھا تو جی میں کی مانگنے والی کو

ہی دیکھ رہا تھا اس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا جسے وہ ہمارا

بار چوم رہی تھی شاید یہاں تھا وہ۔۔۔ اور ایک دوسرا بچہ تھا

جس کی اس نے اپنی پڑ رکھی تھی۔ وہ ان دونوں کو اپنے

وجود سے لپٹانے ٹھیک بھی مانگ رہی تھی اور بار بار انہیں

چومے بھی جاری تھی اور جانتی ہو مجھے ان گندے ملے

چیلے کپڑوں میں بیٹوں بچوں پر بے شمار شہک آ رہا تھا

اگر میں وہاں سرگ پر ہوتا تو ان بچوں کو گھر سے ضرور پھینکا

اور ان کی ماں سے پوچھتا کہ ان میں ایسا کیا ہے جو مجھ

میں نہیں۔۔۔ وہ ان کے لیے اتنی ہر اس بات کیوں بوری

ہے وہ ان کو کہیں چھوڑ کر کیوں نہیں چلی جاتی۔“

”بس کرو عمر! کیوں اتنے جذباتی ہو رہے ہو؟“

اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی اور پھر اس کے چاٹوں پر

دو دوں باہوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے نہی سے بولی۔ ”چلو

گھر چلتے ہیں آج ہمیں اپنی ماں سے ملوانی ہوں بتائیں

کبھی بھی یہ پاگل بنے کے دورے تم پر کیوں بنا شروع

ہو جاتے ہیں اور مجھے تو تم جب سے واپس آئے ہو کافی

ٹھکے ہوئے کہ رگہ ہوئے تھے تم بھی نہیں ہو اور ڈھنک

سے کچھ بھی چھپا نہیں پاس۔“

”کیا چھپاؤں کا یار! لمبے بھی نہیں ایسا۔“ ہونٹ

کاٹتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم کہتے ہو تو ان میں ہوں اور تم باہر کی شادی کا

بھی کھد رہے تھے کیا خیال ہے میں بھی چلوں تمہارے

ساتھ۔۔۔ اس بہانے تمہارا کھر بھی دیکھ لوں گی اور کھر

والوں سے بھی مل لوں گی خاص طور پر راجہ سے۔ اس کا ذکر بہت ہوتا ہے تمہاری باتوں میں۔ ذرا دیکھوں تو یہی موصوفہ لکھی ہیں۔

”تم نے دیکھا تو ہے اسے تصویروں میں اور کہیے دیکھو گی؟“

”تصویروں میں ہی دیکھا ہے نا! کہی رو رو تو نہیں ملی۔ تم نہیں ملے جانا چاہتے صاف کہو۔“

”میں سمجھنے کوئی اعتراض نہیں تمہاری ماحاجات دے دیں گی؟“

”ان کا کوئی مسئلہ نہیں۔ پھر پاکستان میں ہمارے رشتہ دار بھی رہتے ہیں میں اس سے ملنے کے بہانے چلی جاؤں گی اور اگر ماما کو میں تمہارے بارے میں بتا دوں تب ہی انہوں نے نہیں روئے نا وہ تمہیں اچھا لگتا جتنی توجہ دے رہی ہیں۔“

”اور اگر تمہاری جگہ ان کوئی لگی جی ہوتی تو کیا تب بھی وہ اتنی ہی بے فکری کا مظاہرہ کرتیں۔ عمر کے لہجے میں عجیب سی چھین چھی جس نے لمبی کو چوٹ لگائی تھی۔“

”یقیناً! انہیں اپنے سارے بچوں پر بہت اعتماد ہے۔“

”پتے بچوں پر اعتماد فحک ہے مگر کسی دوسرے کی گائیکہ کا معاملہ مشکل ہے آج کل۔“

”کھر چلو! تمہیں کسی بھی بچی بائیں کر رہے ہو آج۔“

”ج نہیں پھر کبھی کسی۔۔۔۔۔۔ ابھی تو بہت تھا کہ وہا ہوں آرام کروں گا۔“

”مجھے نہ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ نہیں بلبل! موڈ نہیں آج پھر کبھی۔۔۔۔۔۔ تم اپنی ما کو میرا سلام کہنا۔“

”اوکے!۔۔۔۔۔۔ مجھے نہ شائے اچانک نے اور پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئی لابی سے باہر نکل آئے۔“

”تیسرا بات سنو بیٹا، وہ جو کتہ کندھے پر ڈالے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا عائشہ بیگم کی پکار پر بے

ساختہ رکا گھم کر ان کی طرف پلٹا جو کافی دیر سے اس کے انتظار میں ہی بیٹھی تھیں۔ اس نے ایک نظر درست واضح پر ڈالی جو درات کے گیارہ بج رہی تھی اور پھر وہ ان کے پاس چلا آیا۔

”جی امی! خیریت۔۔۔۔۔۔ آپ جاگ رہی ہیں اب تک؟“ وہ ان کے پاس ہی پہنچ گیا۔

”بل تمہارا انتظار کبھی ہی دن میں تو ہاتھ نہ گئے نہیں ہو۔“ عائشہ بیگم نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ وہ دھستے سے منہ پڑا۔

”آپ کے سامنے ہی میری ساری مصروفیات ہیں امی! لیکن اسے یہ بتانا نہیں انتظار کیوں کر دیتی ہیں امی؟“

”تمہاری رائے کتنی اسی لیے۔“ عائشہ بیگم نے جان بوجھ کر کیم انداز اپنایا جس پر وہ صیان دیئے بغیر وہ روانی سے بولا۔

”کس چیز کے بارے میں۔۔۔۔۔۔“

”چیز نہیں، لڑکی کے بارے میں۔۔۔۔۔۔ راجہ کے حوالے سے کیا سوچا ہے تم نے۔۔۔۔۔۔ دس سال ہو گئے اسے تمہارے نام کی لنگوٹی پہننے۔ اور فارغہ بھی منہ نہ دے مگر بیٹی کی فکر تو ابھی لائق ہے تم نے عجیب تماشا بنایا ہوا ہے ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال جاتے ہو تم اس کے ساتھ شادی کے لیے سیریس نہیں ہو یا نہیں۔“

”عائشہ بیگم کے لہجے کی نرمی ٹھوڑی تھی جو اس بدلی کی ٹینکڈ راجہ کے حوالے سے تیور کا خاموش رویہ انہیں ابھار رہا تھا۔ تب ہی تو کوئی بی چوڑی تہہ بانہ سے بغیر انہوں نے ڈائریکٹ اپنے دل کی بات کہہ دی۔ تیور ان کی بات سن کر پہلے تو نرمی طرح ٹھٹھا کھا اور پھر کسی گہری سوچ میں مگ ہو گیا جب کہ اس کی خاموشی پر عائشہ بیگم کا دل ہونے کا جیسے ان کے خدشات درست ثابت ہونے جا رہے ہوں۔

”آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے امی! میں کہیں بھما کا تو نہیں جا رہا، پہلے ماہم کے فرض سے تو سبکدوش ہو جائیں۔۔۔۔۔۔ وہ جیسے خود بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ انفر

کے پاس کیا انکار۔۔۔۔۔۔ تھیں جبریز ہوتے ہوئے پہلو تھی کرنے لگا۔ ایک طرف دل تھا تو دوسری طرف ہاں تھی۔ وہ دونوں کی حق کٹ کر نہیں چاہتا تھا اور عائشہ بیگم کے اطمینان کے لیے یہی بہت تھا کہ اس نے صاف انکار نہیں کیا تھا تب ہی اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

”راجہ بھی کسی کی بیٹی ہے تیور اور بیٹیوں کو یوں بلا جواز کھر بھانا اچھا نہیں لگتا! اپنی بہن کی شادی کی اتنی فکر ہے اور وہ کیا تمہاری کچھ نہیں لگتی؟ اتنے سالوں سے تمہارا نام پر بیٹھی ہے مگر تم پوچھو جس سے وہ پانسر پچوڑ رہی ہے۔“

”کی کوئی بات نہیں امی! مگر میں ابھی شادی کے لیے وقتی طور پر تیار نہیں ہوں۔“ وہ بے جا رکے سے بولا۔

”نہیں ہوتو ہو جاؤ۔ ہم کو ان مسائل کی تمہاری شادی کر رہے ہیں۔ ابھی ایک ماہ ہے تمہارے پاس۔۔۔۔۔۔ عمر کا ایکڑ بڑے بعد کی ہوئی تاریخ نہیں کے اور میرا خیال ہے اتنا وقت بہت ہوتا ہے ذہن بنانے کے لیے۔۔۔۔۔۔ راجہ کو غیر نہیں گھر کی بیٹی ہے اور میرا نہیں خیال اس سے انڈر سٹینڈنگ پیدا کرنے میں تمہیں کوئی مشکل ہوگی۔“

”چاہا نہیں۔۔۔۔۔۔ مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں اسے زیادہ خوش نہیں رکھ پاؤں گا۔۔۔۔۔۔ سر جو کھ کر بے زاری سے بولا۔

”اس کے اور میرے سراج میں بہت فرق ہے آپ جانتی ہیں۔“

”یہ کوئی اتنی انہوئی بات نہیں بیٹا! حرا جوں میں فرق تو ہوتا ہی ہے اور پھر بھرنی کے فرض میں ایک کو تو سنجیدہ ہونا ہی چاہیے۔ نہیں اس کے علاوہ کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ۔“ انہوں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا اور وہ ایک دم سے چپ ہو گیا تھا۔ اگر وہ اعتراض کی جگہ پسند پوچھیں تو شاید وہ انہیں کچھ بتا دیتا مگر تانے لائق اس کے پاس تھا ہی کیا! صرف ایک

لاحاصلی حقائق؟

آجکل

”مجھے بہت ارمان ہے تمہاری شادی کا تیور اتم فضول کے سوسے ذہن سے نکال دو! ان شاء اللہ ایک آسودہ زندگی گزارو گے۔“ اس کی خاموشی کو اس کی رضا مندی سمجھتے ہوئے وہ پیار سے اس کا ہاتھ چوم کر باہر نکل گئیں اور وہ ایک چلی پھر اس کے سامنے جاتا دیتا رہا۔

دل نے جو عہد بنا دھا تھا کہ وہ نہیں تو کوئی نہیں اس کی خاموشی کی سمجھت چڑھ گیا تھا اور اب اس نے خاموشی وہ کھر دکھائی تو دنیا تھا خود کو پھر راجہ سکندر کو۔۔۔۔۔۔ مسکراتی آنکھوں والی وہ لڑکی جو جانے انہاں میں اس سے بہت آتی تو تھا تواسے رشتہ بھی کسی مگر وہ اپنے دل کا کرتا جو ابھی اس کے لیے دھڑکا ہی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ مگر ہر تعلق کا

نوٹ نہیں ہوتا نا اور وہ ابھی کوئی حلق راجہ سکندر سے جوڑنے جا رہا تھا۔

موسم خوش ہو! باد صبا چاند شفق اور تاروں میں کون تمہارے جیسا ہے وقت ملا تو مچھیں گے تیور کی جانب سے پچھلے سال ساگر پر موصول ہوئے والا دھنک کا راز اور اس میں رکھا ہوا لڑکی کا یاد دہی جس پر یہ خوب صورت ماسٹر لکھا ہوا تھا ہے سائنس اس کا دل دھڑکا۔ ہونٹوں پر بڑی جان داری مسکراہٹ بھری تھی۔ اس نے ریک میں سے شاعری کی وہ کتاب نکالی جو تیور نے اسے پچھلے بار گفٹ کی تھی۔ وہ بیٹھ سے نکلیں ہی تو تجھے دیا کرتا تھا۔ کتاب کی شفاف جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ تیور کے بارے میں شاعرانہ

لگی۔ پہلے سے کتنا بدلتا گیا تھا وہ۔ جب سے ان کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی تب سے اس کے رویے میں واضح بدلہ آ آیا تھا۔ اب ناصرف وہ اس سے منہ کر بات کرتا تھا بلکہ اکثر اسے شایک پر بھی لے جاتا اور پھر جس جس چیز پر وہ ہاتھ رکھتا اسے ملا جھک خرید لیتا۔ راجہ کو یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے پچھلے دنوں کی حلائی کر رہا ہے مگر جو بھی تھا اسے خوشی تھی کہ تیرو کا غراس کا کچھ خیال تو آیا۔

تیور اس کے لیے ایک اچھی جینیل تھا جسے وہ بھی کبھی سمجھ

جون ۲۰۱۲



اسے بھانڈا کر دیں پھینک دیں۔  
 ”اوہہ! بھتتا کیا ہے خود کو؟“ اس پر کسی کے پیچھے لگ کر کچھ بھول جائے گا تو کیا میں زندہ نہیں ہوں؟  
 دفع ہو بھولا رہنے لگا۔ ”! وقت شاید برقی لکڑی؟  
 اہمیت کیوں ہی ختم کرتا ہے زیر برباد ہوتے ہوئے اس نے ہڑام سے الماری کا پورہ والا پتہ کھولا اور پھر نفرت سے اس کے پیچھے ہونے لگا۔  
 ”خوف کو خیلے جانے میں شونے لگی اوپر کا ایک خالی کمرے کو کچھ بیل کھڑی دکھ جبری نظروں سے اس ٹیڈی بیڑ کو دیکھنے لگی جو عمر نے

نہیں سن سکتی اور اب تو یہ بھتتا بھی نہیں چاہتی تھی۔ آج اس کی سالگرہ تھی اور فی الحال اس کی بھی طرف سے کوئی شے اسے موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ صبح لاشعوری طور پر منتظر تھی کہ کون اسے سب سے پہلے ورت کرے مگر ماہم کو یاد رہا نہ کہ وہ سیر و سلا کی تیور کی طرف سے بھیجا جانے والا ہو کہ اور شک کا راز لایا اور نہ ہی عمر کو تو یقین ہوئی۔ اور عمر کا خیال آتے ہی اس کے خیالات کو یک دم بریک تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ عمر نے اسے شے نہیں کیا تھا اور نہ وہ تو کھڑی کسی سیوین کے ساتھ اسے ختم دن کی مبارک باد دیتا تھا وہ اس سے لاکھ جگہزی کر رہی تھی۔ ہمارا تہذیب نہیں ہے وہ اسے دفن نہ کیا کہ نہ سیر و سلا کی تعادلی بنا کیا تھا۔ وہ لہتا تیور بھی تو نہیں ورت کرنا ہے پہلے اسے روکو۔ اور وہ پہلے ہی ہو کر سویتی کہ بھلا تیور کو کیسے منع کر سکتی ہے۔ اس کی طرف سے سال بعد ملنے والے چند الفاظ اور پھول ہی تو اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ اس سے اتنا بھی غافل نہیں جتنا وہ سمجھتی تھی اور وہ بھی منع کر دے تو پھر اس کے دامن میں کیا رہ جاتا ہے۔ الماری کا پتہ کھولے وہ ان تینوں لوگوں کے دیے ہوئے ڈھیروں نقش دیکھ رہی تھی۔ ماہم اور تیور کی مصروفیات کا اندازہ وہ لک سکتی تھی عمر نے جان لوچھ کر اسے لڑا لڑا کر کیا تھا اور یوں کیا تھا یہ سوچ کر ہی اسے چلن ہو رہی تھی۔ اس نے الماری سے ایک تصویر نکالی اور اسے بھانڈا کر دیں پھینک دیں۔  
 ”اوہہ! بھتتا کیا ہے خود کو؟“ اس پر کسی کے پیچھے لگ کر کچھ بھول جائے گا تو کیا میں زندہ نہیں ہوں؟  
 دفع ہو بھولا رہنے لگا۔ ”! وقت شاید برقی لکڑی؟  
 اہمیت کیوں ہی ختم کرتا ہے زیر برباد ہوتے ہوئے اس نے ہڑام سے الماری کا پورہ والا پتہ کھولا اور پھر نفرت سے اس کے پیچھے ہونے لگا۔  
 ”خوف کو خیلے جانے میں شونے لگی اوپر کا ایک خالی کمرے کو کچھ بیل کھڑی دکھ جبری نظروں سے اس ٹیڈی بیڑ کو دیکھنے لگی جو عمر نے

اسے بھانڈا کر دیں پھینک دیں۔  
 ”اوہہ! بھتتا کیا ہے خود کو؟“ اس پر کسی کے پیچھے لگ کر کچھ بھول جائے گا تو کیا میں زندہ نہیں ہوں؟  
 دفع ہو بھولا رہنے لگا۔ ”! وقت شاید برقی لکڑی؟  
 اہمیت کیوں ہی ختم کرتا ہے زیر برباد ہوتے ہوئے اس نے ہڑام سے الماری کا پورہ والا پتہ کھولا اور پھر نفرت سے اس کے پیچھے ہونے لگا۔  
 ”خوف کو خیلے جانے میں شونے لگی اوپر کا ایک خالی کمرے کو کچھ بیل کھڑی دکھ جبری نظروں سے اس ٹیڈی بیڑ کو دیکھنے لگی جو عمر نے

جی جو اس نے سلا کی تھی۔ وہ ذہن اس قدر منتظر ہو رہا تھا کہ اسے کچھ بھی نہیں آ رہا تھا اب کیا کرے۔ رابعی کی ہانگی شادی اس کے لیے ایک شاگ ثابت ہوئی تھی اور اوپر سے اس کی خود ساختہ رازشہی۔ اسے اسے وہم بھی ہوتا کہ وہ یوں دھجھ جائے گی بدگمان ہو جائے گی تو وہ بھی وہ سب نہ کہتا جو اپنی بے وفائی اور جذبات کے ہاتھوں کہہ ڈھٹا تھا۔ پوری دنیا میں ایک وائی بی وی جس کے لیے وہ بھی غلط نہیں سوچ سکتا تھا اور پھر یہ تو تصویر بھی حال تھا کہ وہ اس کے حق میں برا چاہے اس کی خوشیوں سے پہلے رابعی نے کتنا غلام سوچا تھا اس کے لیے۔ اسے سمجھ گیا کہ اس کی باتیں یاد آئیں۔ دل میں کسی بھی محسوس ہونی۔ وہ کم از کم اس کے حق میں بھی نہیں نہیں ہو سکتا تھا مگر یہ بات اسے کون سمجھاتا۔ جیسے کچھ دنوں سے اسے ہانگا کا ٹیپر پیرچھا تھا اور پھر اس نے سگریٹ پھونکنے کی بہت شروع کر دی تھی۔ جتنے سمجھت تیری سے کرتی جاری تھی مگر اسے پروا کہاں تھی۔ کل باپ کے ساتھ وہ پاکستان جا رہا تھا۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر انکار کا کوئی جواز بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ ایئر لائنز سے فراغت کے بعد اب تو یوں بھی یہاں رہنے کی کوئی تک نہیں رہی تھی مگر وہ بھی کیا کرتا تیری وہاں سے اسے جھکا لگا تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے بھی برا جھکا ہوا اس کا منتظر ہے۔  
 ”یہ بھائی کہاں غائب ہیں کل سے؟“ میٹھے تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہے۔ ماہم نے پریشانی سے کوئی پوچھ رہی بات دہرائی اور اسے رکنی رابعی ایک دم سے پھٹ پڑی تھی جی جاتی تھی اور اسے ہی بار بار سنارہی ہے۔  
 ”تمہارے بھائی کوئی نفعے پہنچیں جنہیں کوئی اغوا کر کے لے گیا۔ حد ہوتی ہے بے پروائی کی بھی۔ کل مجھے تار ہونے کا کہہ کر چلے بنے اٹھا۔ مکہ میں نے انہیں زیادہ اختیاری نہیں کیا کہ وہ کیا تھا۔ پرائیس کیوں مصروف کا وہ ایک دم سے آف ہو گیا۔“

”تم نے کہاں کہاں غائب ہیں کل سے؟“ میٹھے تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہے۔ ماہم نے پریشانی سے کوئی پوچھ رہی بات دہرائی اور اسے رکنی رابعی ایک دم سے پھٹ پڑی تھی جی جاتی تھی اور اسے ہی بار بار سنارہی ہے۔  
 ”تمہارے بھائی کوئی نفعے پہنچیں جنہیں کوئی اغوا کر کے لے گیا۔ حد ہوتی ہے بے پروائی کی بھی۔ کل مجھے تار ہونے کا کہہ کر چلے بنے اٹھا۔ مکہ میں نے انہیں زیادہ اختیاری نہیں کیا کہ وہ کیا تھا۔ پرائیس کیوں مصروف کا وہ ایک دم سے آف ہو گیا۔“

”تم نے کہاں کہاں غائب ہیں کل سے؟“ میٹھے تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہے۔ ماہم نے پریشانی سے کوئی پوچھ رہی بات دہرائی اور اسے رکنی رابعی ایک دم سے پھٹ پڑی تھی جی جاتی تھی اور اسے ہی بار بار سنارہی ہے۔  
 ”تمہارے بھائی کوئی نفعے پہنچیں جنہیں کوئی اغوا کر کے لے گیا۔ حد ہوتی ہے بے پروائی کی بھی۔ کل مجھے تار ہونے کا کہہ کر چلے بنے اٹھا۔ مکہ میں نے انہیں زیادہ اختیاری نہیں کیا کہ وہ کیا تھا۔ پرائیس کیوں مصروف کا وہ ایک دم سے آف ہو گیا۔“

”تم نے کہاں کہاں غائب ہیں کل سے؟“ میٹھے تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہے۔ ماہم نے پریشانی سے کوئی پوچھ رہی بات دہرائی اور اسے رکنی رابعی ایک دم سے پھٹ پڑی تھی جی جاتی تھی اور اسے ہی بار بار سنارہی ہے۔  
 ”تمہارے بھائی کوئی نفعے پہنچیں جنہیں کوئی اغوا کر کے لے گیا۔ حد ہوتی ہے بے پروائی کی بھی۔ کل مجھے تار ہونے کا کہہ کر چلے بنے اٹھا۔ مکہ میں نے انہیں زیادہ اختیاری نہیں کیا کہ وہ کیا تھا۔ پرائیس کیوں مصروف کا وہ ایک دم سے آف ہو گیا۔“

تھی۔ شولر بیگ کندھے پر لٹکا کر دھان پانی کی لمبیہ کے پیچھے پر خوشی کے بہت سے لمحوں غور کر رہے تھے۔ وہ ابھی سواری دیر پہلے لیوہ اور اس کی ماں کو آپس میں ملتے دیکھ کر کسی خیال میں اٹھا تھا۔ وہ حیرت سے اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو لمبیہ کی کسی ماں نہیں تھی مگر کسی ماں سے بڑھ کر محبت کا مظاہرہ کر رہی تھی اسے اتر پورٹ خود چھوڑنے آئی تھی۔ وہ دور سے بھی انہیں بارہا بینا دیتا دیکھ سکتا تھا جیسے لمبیہ کوئی چھوٹی سی بچی ہو یا بچہ وہ دینی بار جہاز کا سفر کر رہی ہو عمر نے اس عورت کو بہت بار دیکھا ہے۔ دیکھا تھا مگر وہ اس سے کبھی دور رہو ملا نہیں تھا لیکن وہ اس بات کا مستزف تھا کہ جتنی تعریف لمبیہ ہی ماں کی کرتی ہے اس میں وہ حق بجانب ہے۔ لمبیہ کا ماتھا چھوٹی ہوئی وہ عورت اسے مانتا کہ شاہکار کی ماں اور وہ بہت مشکل سے اپنی نظر کو اسے زاویہ بدلنے میں کامیاب ہوا تھا وہ نہ تو اپنی محبت کے اس مظاہرہ سے پھرے رہا جاتا تھا۔ وہ جب بھی اس طرح کا منظر دیکھا اپنی عمر کی کا شدت سے احساس ہوتا۔

تھا انکار کرتا تو بہت پہلے کر دیا جوتا یوں ساحل پر لا کر  
 بڑھنے کی کیا ضرورت سی۔ پورا اُترتیور کے اس اندام  
 پر پریشان تھا۔ عظیم صاحب تیمور کو عاق کرنے کی دھمکی  
 بھجوانے کے چکے تھے جس کا اس پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ وہ کچھ  
 دیر سی خدشہ میں آ گیا تھا۔

عمر حسن کل رات کی فلائٹ سے پاکستان آیا تھا۔ ملیجہ کو فی الحال اس کے ننھیال چھوڑ آیا تھا کیونکہ گھر میں جلنے

”آپ نے کیوں کیا؟“ سب نے آپ جانتے ہیں  
آپ کے فیصلے سے سب کو کتنی تکلیف پہنچی ہے۔“ تیور  
رہا فیصلہ کیس میں اسے ضروری ڈاکومنٹس رکھ رہا تھا جب  
میراس کے سر پر چڑھ کر کچھ تداروچی آواز میں بولا۔ چہرہ  
فصیح سے دیکھ رہا تھا کہ کبواس نے نذرول میں ہی رکھا  
ہو۔ تیور سے لڑنے نہیں اُسے سمجھانے آتا تھا۔

”ٹھیک ہے آپ کا ذہنی مسئلہ ہے مگر آپ کی بات کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ جڑے ہوئے ہیں انہیں آپ سے بہت سی قنات وائرہ ہیں آپ کی ضد کے چھپنے ان سب کی دل آزاری کریں گے؟ نئے سے انکل کی طبیعت کی قرب ہے آئی کا دور کرنا حال ہے اور راحہ... اس نے جا کر کیا تصور ہے؟ وہ دس دس سال کے منسوب رہی ہے گردو آپ پر بندش کی نو بہت پہلے گردو چاہتا تھا اور اگر آپ نے سب کی خوشی کے لیے جس نہیں کیا تو آپ کیسے خود غرض بن گئے؟ آپ کو اسے نہیں ہیں۔“

”تم یہ ایموشنل بلیک میلنگ کر کے کیا سمجھتے ہو مجھے

”دو باتیں ہیں، پہلی بات تو یہ کہ میں اس میں انٹرسٹ نہ رکھتا ہوں اور دوسری بات یہ کہ وہ مجھی سمجھ میں انٹرسٹ نہیں ہے۔ مجھے اس بات کا پتا نہیں تھا مگر اب پتا چل گیا کہ وہ کہیں اور انوائو ہے سو پھر ایسی زبردستی کا فائدہ.....؟“

ہے پسند نہیں کرتا مگر وہ تو کرتی۔ اس نے چاری کے  
 ساتھ جیسی زبردستی ہو رہی ہے۔ مجھے ہا میں نے بتایا بھی تھا  
 کہ وہ ابھی شادی کے لیے راضی نہیں ہے، مجھے بتایا تھا  
 اسے قاتل بھی کہاں کی کوئی سنائی کہ ہے۔“

”آپ یہ سب اتنے بڑے کیسے کہہ سکتے ہیں؟  
 میں نہیں جانتا وہ آپ کے علاوہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔“

مگر کے لیے میں ان یقین بول رہا تھا اور یہی یقین  
 انھوں نے جھلک رہا تھا۔

”تمہیں یقین دلا کر مجھے کیا مل جائے گا.....؟ اور  
یہ بھی چھوڑو اس بات کو..... تمہیں جواز چاہیے تھا وہ  
س نے دے دیا۔“



”مگر مجھے ایسا لالو لالکا اواز نہیں چاہیے آپ اگر اس پر اتنی بڑی بات کر رہے ہیں تو مجھ جی دیں۔“ عمر مجب خدی لہجے میں پھنکارا، بھی تیور شانے اچکا تے ہوئے بے نیاز بنی ہو۔

”میں نے نہیں پہلے کہا میں تمہیں یقین دلانے کا پابند نہیں ہوں، ویسے ایک بات متاؤ، تمہیں اتنی بے چینی کیوں ہوئی ہے؟ کیوں تم راجہ کی اتنی حمایت کر رہے ہو بہت بھاری ہو رہی ہے اس سے۔“

”بات بھاری کی نہیں۔ اور نہ ہی میں اس کی حمایت کر رہا ہوں۔ میں صرف آپ کو غلط فیصلے سے بچانا چاہتا ہوں کیونکہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ وہ آپ کے سوا کسی اور کو نہیں کریں۔“ عمر جھجھکیا ایک گلاب کی تیور بغور اس کی جھجھکات پر ملاحظہ کر رہا تھا۔ ”آپ اپنی بات کریں راجہ پر الزام لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں آپ کی زندگی میں کوئی اور ہے اور مدافعت کیجئے گا ایک دفعہ قلعے سے آپ کی دائری ہاتھ کی تھی میرے۔“ آپ کے جذبات کی ترجمان اور پھر لڑکیوں کے پیچھے آپ کو خوار ہونے تو میں نے خود دیکھا ہے آپ کہاں کہاں جاتے ہیں ابھی مجھے سے پوشیدہ نہیں ڈرا اسنے گریبان میں تو جھلمک پھر کسی دوسرے پر انگلی اٹھا میں آپ نے تو ریڈ لائٹ اریا جی نہیں چھوڑا۔ وہاں میں نے خود آپ کو دیکھا تھا اور میں نے یہ بات راجہ کو بھی بتائی چاہی کہ مگر وہ تو آپ کو دودھ کا حالہ جھتی ہے انہما تھا کہ درکنار سے آپ براہ راست چٹائیں سب بات سے بدگمان ہو کر اسے اتنی بڑی سزا شانے جارہے ہیں۔“

”مگر تمہاری تقریر ختم ہو گئی تو جاؤ یہاں سے۔۔۔ میں نے اور پچھتیں سناؤ۔“ وہ ایک دم بے زار ہوا۔

”چلا جاؤ گا مگر ایک بات اور میں سب کا دل دکھا کر جائیں گے تو سکون آپ کو بھی نہیں ملے گا۔ راجہ کو یقیناً آپ سے اچھا شخص مل جائے گا مگر آپ کو اس سے اچھی لڑکی نہیں ملے گی۔“ وہ دھکے سے کہہ کر پلٹنے لگا تھا

کہ تیور کی بات نے اسے وہیں اپنے قدموں پر ساکت کر دیا۔

”اور وہ اچھا لالکا عمر حسن کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔“ عمر کے قدموں سے جیسے کسی نے زمین چینی تھی اس نے بات کر تیور کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہمیشہ سگراہٹ تھی اور ضمیر اوستھی تھا۔ ”اور میں کم از کم اس کا ثبوت ضرور دے سکتا ہوں۔“ عمر کے چہرے کے رنگ بڑی تیزی سے بدلے گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر قوت کو پانی کو گلاب ہو گئی تھی۔ ”اور میں جانتا تھا تم ضرور مجھ سے ٹھکرے آگے اورچ پوچھو میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ وہ بول رہا تھا اور عمر کو کش کے باوجود اس کی کسی بات کو نہیں سمجھا پایا۔ وہ جھٹلانے کی پوزیشن میں آئی نہیں تھی۔ ”تم راجہ کو بہت خوش رکھتے ہو۔“ عمر نے بھی زیادہ۔ اورچ پوچھو کچھ بھی میرے کان کاؤ بولا ہے۔ میں یہاں سے جاتے وقت اوسے کھانکا کاؤ بولا ہے۔ اس کی شادی تم سے کروں آ آخر تو کبھی تو بیٹوں کی طرح پالا ہے انہوں نے۔“ عمر اس کے بدلے میں نہیں بھی میرے لیے پھنکارا ہوا گا۔

”آپ غلط جھج رہے ہیں ایسا کچھ نہیں راجہ میری دوست ہے اور میں۔“ عمر نے دل کی ہڑتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر تیور کی غلطی رنغ کرنی چاہی جب ہی تیور نے غیر اعتدال میں بیٹھے ہوئے اسنے بیڑی کے دروازے کچھ خشک کارڈ نکال کر اس کے آگے ڈھیر کر دیئے اور عمر کو گواہ اب واقعی کچھ نہیں بول سکا۔



ٹوٹے ہان کو کھرنے سے بچایا تھا۔ بار چہر میں بہت سی خامیاں تھیں مگر ان کے خیال میں اس طرح کی خامیاں آج کل ہر دوسرے لڑکے میں نہیں پھر انہیں عمر سے زیادہ عزیز یوں ہو سکتا تھا اور وہاں کر کے مجھے میں پھنسا ہوا تھا۔ بے شک وہ اپنے فیصلے سے مطمئن تھا مگر راجہ کی مسلسل چپا سے اسے سمجھائی تھی اور اس کا متوقع رد عمل بھی اس کے ذہن سے غائب تھا اور پھر وہ اس سارے قصے میں کچھ کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اور ہڑکی جسے وہ گھر والوں سے ملے والے کسی خاص مقدمے سے لایا تھا مگر تیور نے اسے لیوں کا جواب ایک کرودہ تو اسے جھٹلا۔ کا شہر اندر اسے شادی کے لیے تیار کر دیا اور نہ ہی خود پیچھے ہٹا کا۔ اس نے ملائی نظم اور سکندر انقل کے چھپے ہاں آپ پیش کر دیا تھا کہ وہ صرف ان چہروں کو خوش دیکھنا چاہتا تھا جنہوں نے ہمیشہ اسے خوش رکھا تھا اور راجہ سکندر کو اپنا نام دے کر وہ بڑی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔



ماہم شادی کر کے پادشہ مدھار میں اور راجہ سکندر مسمر عمر حسن بن کر اس کے قلیف میں چلی آئی۔ وہ قلیف ولید حسن کی طرف سے اسے وارثت میں ملا تھا اور جہاں دوران تعلیم وہ رہائش پر بھی تھا۔ راجہ کو یہاں لانے کا مقصد صرف اس کا ذہن بنانا تھا کیونکہ اس کی عمر دس دن بن کر تھی اور وحشییت سے رہنا یقیناً اس کے لیے اذیت ناک تھا۔ راجہ عمر کی رہائش پر بھی ”حیات لائٹ“ میں آگے مگر وہ راجہ کو اپنی دہانے جانے کا بولے کر ارادہ نہیں رکھتا تھا اور راجہ کے لیے تو عمر حسن سے شادی ہی ایک ایسا بڑا شاک تھی جس سے نکلنے کے لیے اسے چاہئیں کتنی مدت درکار تھی اس کے سارے احساسات برف ہوتے جا رہے تھے اور خاموشی کا قیل قیل تھا جو وہوں پر لگ چکا تھا۔ عمر کے قلیف کو برقی قہقروں سے سجایا گیا تھا۔ راجہ ریاں جھلملاہٹ وہ خوش ہے مہک رہی ہیں ہر سو روشنیوں کا اجالا تھا۔ راجہ اور تھا۔ مگر وہ احساس سے لائق

کی نسبت کی طرح سر جھکا لے ایک ہی ہل میں بیٹھی تھی عمر کے سرے کی دلہیز پر قدم رکھتے ہوئے اس کے پاؤں ایک بل کے لیے دو لگاتے تھے اور خشک آنکھوں میں ایک ہی سمندر آتے تھے مگر یہ صرف ایک لمحے کی بات تھی اگلے ہی بل سے دردی سے ہونوں کو کھینچتے ہوئے وہ اندر چلی آئی۔ جب مکمل صراط پر قدم رکھی دیا تھا اور لگا لگا لیا۔۔۔ مگر جو بھی ہوا اسے مجھے اور قبول کرنے میں اب بھی بہت وقت درکار تھا۔

اسے عمر کی سعادت مندی پر غصہ آیا تھا مگر اب ترس آ رہا تھا۔ اس نے بھی تو اپنی محبت قربان کی تھی، گھر والوں نے اس کو کالے کا کپڑا خارج کیا تھا۔ تیور کو عاق کر کے گھر بند کر دیا گیا مگر اس بات سے بھلا کیا فائدہ پہنچتا تھا۔ وہ جس جس کی زندگی کے دائرے سے ہی نکلی تھی پھر بھی نہیں ہوتا کیا فرق بنانا تھا۔۔۔ اور اب جلد عروسی میں ہو سکتا دل اور سرخ آنکھیں لیے وہ اس شخص کا انتظار کر رہی تھی جس کے انتظار سے اسے ہمیشہ کوفت ہوتی تھی مگر اب اس کا انتظار کتنا قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تنھائی کی بھی پانی سیدھ کرتے ہوئے اس کے بیڑ کر اون کے قلیف لگائی۔ ایک پھول کی نظر عمر حسن کے کمرے پر ڈالی جہاں وہ پہلے بھی آکر آتی رہتی تھی اور ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کا مگر نفاس کا منہ بولتا بیٹھ تھا۔ آڑھنگ انداز میں جاوے ہی کہہ کر تازہ پھولوں کی خوش بوی سے مہک رہا تھا۔ سوچے پرے عمر حسن کا ریت پر تھنے سے بیڑی میں ڈوبی ملوٹ ہوئی تھی۔ اسے ہلکا سا جھکا کر عمر کو تو بے پسند یہ درگ نہیں تھا یہ درگ تو خود اسے پسند تھا اور پھر بھی نہیں دیواروں پر لگی ایک لڑکی کی فصول تصویریں بھی غائب تھیں۔ یقیناً عمر نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اسے یہ سب پسند نہیں اور وہ بھی جی یہاں آتی تھی ان کا پہلا جھگڑا اس کی بات پر ہوتا تھا۔ خالی دیواروں کو دیکھتے ہوئے اس کا ذہن کی یاد پر چھل میں ٹھکوتے لگا۔

”بس! میں نے اب فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ







تھا جھڑکاؤ کرتے ہوئے وہ اسے دیکھتے بغیر اس سے مخاطب تھا۔ راجہ کے ہاتھ ایک بل بوتہ پر تھا جسے ہونے لگا۔ گھر کی طرف سے کسی قسم کا کوئی تاثر دینے بغیر الماری کا کیت بند کرنے لگی۔ "میں جانتا ہوں تمہیں پسینہ یا کسی بھی امیسی والی زید سے کوئی فریق نہیں پڑتا مگر اس کو تم سے ضرور پڑائے ایک ہی دن میں صمد یوں کی بیمار کتنے کی ہے لیکن خیر یہ تمہارا دوسرا تو نہیں ہے۔" راجہ کے رنگ بدلتے چہرے سے خط اٹھاتے ہوئے وہ میٹکی سے منکر کیا۔ "اور یہ ہا تمہاری رومانی کا تھا۔۔۔ امید ہے پسند آئے گا۔۔۔" اسے مزید ہنک کر کہنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے ایک نازک سا ٹھیکس مینس سائیز نیبل پر رکھا اور پھر ٹھوس پکس سے چند شو کمال کراس نے راجہ کی طرف پھینکے۔ "آریہ آسو تھو کے لیے ہیں تو تم باقی آئیں ہمارے ہو اور اگر کوئی کچھ کی بات ہے تمہیں دیکھ کیا ہے تو کچھ نہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا اور آئندہ میں تمہیں روتا نہ دیکھوں۔" راجہ کے آسو اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے وہ سنجیدگی سے کہتا کر کے سے باہر نکل گیا تھا اور راجہ کی زندگی میں آئے والا دوسرا شخص تھا جس کا مزاج انہی آدمی نہیں سمجھ سکتی تھی۔



اور پھر زندگی انہی مخصوص ڈگر پر چل نکلی۔ وہ دونوں بظاہر تو بہت خوش تھے مگر درحقیقت اندر سے اتنے ہی غالی تھے۔ لوگ ان کی جوڑی کو سراہتے تو اسے بولے وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں نہ اٹھاتا رہ جاتے۔ کیونکہ چار ماہ گزرنے کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے سے نہ صدمے کی صداقت پر کھڑے تھے۔ نہ صدمے نے آگے قدم بڑھانے اور نہ ہی راجہ کے رویے میں جھلک آئی۔ عمر کو تو خیر راجہ کا یہی جملہ کانٹے کی طرح چبستا تھا کہ مہینے فیروز مہسن پڑا تھا تم جیسا آئیں اور جہاں تک راجہ کا کائنات تھا اسے عمر کی سرگرمیاں ہی طرح نہ تاپہندتیں مگر اب وہ پہلے کی طرح دھوکوں جھا کر اس پر روک ٹوک نہیں کر سکتی تھی۔ تعلیق کیا تھا بلکہ وہ تو سر تاپا دل گئی اور اب عمر بھی تو

بکھی کتنی وہ صرف اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا ہے بھی تو اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا مگر گھر کی دن اس کی خوش ہوا ہو گئی جب عمر بڑھتی آئے کرم کھلانے آئے کرم پاپار لایا تھا۔

"عمر جیابیر امون نہیں تم، اکیلے چلے جانا" وہ پورا راستہ احتجاج کرتی آئی تھی مگر عمر کے کانوں پر جون تک نہ رہتی تھی، وہ مرنے سے مسکراتا بڑے دنوں بعد انہی پرانی جوتان میں لایا تھا۔ اسٹینڈر کے پردوں پر ہاتھ منجھتی سے جھانکے کن اکیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"موتو تو میرا بھی نہیں مگر تمہیں اس موسم میں آس کرم کھانی اچھی لگتی ہے نا"۔ وہ پہلے تو ہنسنی پھر اگلے ہی بل صدمہ کر گئی۔ عمر اس کے حوالے سے چھوٹی سے چھوٹی بات یاد رکھتا تھا۔ وہ پہلے تو حیران ہوتی تھی مگر اب اس نے حیران ہونا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہت عمر صدمہ اس کے قریب رہی تھی وہ اسے اتنا تو جانتا ہی تھا۔ مگر وہ اس کے حوالے سے ہر بات یاد رکھتے ہوئے تھا اس خیال سے وہ دانستہ نظریں چراتی تھی۔

"اب کیوں نہیں لگتی؟" وہ دھچکی سے دھڑا کر کہیں پر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔ میں اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ ہونٹ پیچھ کر کھڑکی کے بار دیکھنے لگی۔ اب تو بہت کچھ اسے اچھا نہیں لگتا تھا وہ کس کس چیز کی وضاحت دیتی تھی۔

"کیا تھو لہا تھا تھا تھا ایک لاپرواہی میں جاب کرتا ہے آج کل۔۔۔" عمر نے دانستہ موضوع بدل کر راجہ کے سامنے ٹھیک کراس کی طرف دیکھتے پر مجبور ہوئی۔ "پوچھ رہا تھا تمہارا میں نے جھوٹ بول دیا کہ بہت خوش ہووے گی۔" "میں واقعی خوش ہوں اس میں جھوٹ کیا ہے۔" وہ

ایک ایک لفظ چاچپرا کر بولی تھی عمر اس کے درمیان میں ہی نوکے پڑا سا سرگرم کراس کی طرف پلٹا۔

"لگتی تو نہیں ہو اور ویسے بھی تم تو سمجھتا کر رہی ہو میرے ساتھ۔۔۔"

"وہ تو تم بھی کر رہے ہو۔" وہ وہ دہو بولی۔ عمر اس کی حاضر جوابی پر ایک ستانی نظراس پر ڈال کر دقتی کچھ میں بولا۔

"میری تو مجبور ہے تم سے سمجھتا کرنا تمہاری کیا ہے؟" "وہی جوتہاری ہے۔"

"میں تو صحبت کرتا ہوں تم سے۔۔۔" عمر نے آہستہ سے کہتے ہوئے جیسے اسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا اور اتنا عجیب لگتا تھا اس عمر کے منہ سے اپنے لیے بے پناہ لڑنا۔۔۔ اور شاید اچھا بھی لگتا تھا۔ وہ جھٹک کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی جس پر اس شخص کے نام کی ہندی لگتی تھی۔ گزربے وقت نے جہاں تھو کے نقش کو ذہن سے مٹایا تھا وہاں اس کی اور نقش کو بھی ابھار دیا تھا۔ الگ بات کہ وہ نقش انہی دھندلا تھا اور وہ نقش جس سے وہ دانستہ نظریں چراتی تھی۔

"میں قریب کر رہا ہوں یا راتہا تھا کیا ہاں ضرورت ہے میری محبت کی؟" وہ دھکی سے بولا وہ کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا اور کیا وہ اس کے شادی سے پہلے ہی دن عمر سے وہ کہہ کر ٹھیک نہیں کیا تھا اب شاید ماری عمر اس نے یونہی قطعے سننے تھے۔ حالانکہ وہ عمر کو گھسٹ کا کھسا کھکا کر قبول کر چکی تھی مگر وہ بھی کہاں پورا اس کا ہو تھا۔ ذہن بورڈ پر اعرام کا موبائل اچانک ہی تر قریا۔ راجہ روز بروز سنوٹے پیچھے بھی اس نے ایک ہاتھ سے اسٹینڈر کھماتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے موبائل پڑا۔ "مسی ہو میلو۔۔۔" کال پک کر رہی تو وہ بے قرار رہے بولا اور راجہ اس کے پر عشوق کچھ پر سنا کر رہ گئی تھی۔

"تم آتی بھی سمجھی کی کیوں ہو بیٹا! عمر ٹھیک تو ہے تمہارے ساتھ۔" آج وہ بڑے دنوں بعد "حیات



ولا“ آئی تھی۔ عمر کی طرف سے جو خبر کوئی باندی نہیں تھی مگر اسے نام نہ نہیں ملتا تھا اب بھی عمر آس جاتے وقت اسے ڈراپ کر کیا تھا۔ فافرخہ بیگم کے اس کا ملایا چہرہ دیکھا تو حجت اسے سینے سے لگاتے ہوئے نظر سے بولیں۔

”میں ٹھیک ہوں امی! بس ذمہ داری بڑھ گئی ہے! عمر خڑے بھی تو بہت کرتا ہے ہر بات میں..... بالکل بچہ بن جاتا ہے۔“ ماں کی کوہ میں سر رکھتے ہوئے اس نے آدھے جموٹے آدمے سے بچے سے کام چلایا۔ وہ اس اعتراض کا خوصلہ نہیں کر پائی تھی عمر بھی اس کا نہیں ہوا اس کے دل پر بھی کسی اور کا لیرا ہے۔ وہ خود کو جھوٹی سمجھتی تھی کہ وہ کچھ بھی کرے اسے فرق نہیں پڑتا۔ مگر وہ رات گئے تک جب موہاں سے چٹنا رہتا تو اسے فرق

پڑتا تھا وہ اس کے ہونے کوئی شے غیر عورت کی طرف متوجہ ہوا اس سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی تھی اور شاید یہ بات کسی بھی پادفا عورت سے برداشت نہیں ہوتی۔ ”عمر آئے تو کان بچھوں گی اس کے..... توئی کمزور ہوگی ہوم.....؟ غضب خدا کا بہت باہتہ سے نکل گیا ہے یہ لڑکا۔“ اس کے گھنے بالوں میں انگٹاں چلائے ہوئے وہ منہ منہ سے غصے سے بولیں لیجے جس عمر کے لیے بھی مختار ہی کی۔

”امی! تیور کا کیا بنا.....؟ میں نے سنا تھا وہ معافی مانگتے آ تھا اب لوگوں کے پاس.....؟“ اسے اپنا کب یاد آیا تو اٹھ کھڑی۔ فافرخہ بیگم کے چہرے کے تاثرات یاد دم اٹھ گئی میں بدلے تھے۔

”بیٹا! ہم نے تو معاف کر دیا مگر عظیم بھائی نہیں ہیں اسے رے حال کا کہ تمہارے بابا نے بھی اتنا بھجایا مگر وہ کہتے ہیں اسے اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔“ درود دیکھ کھائے کا تو عقل ٹھکانے لگی۔

”نہیں امی! جو بھی وہ اب اس پر کرے گا کیا فائدہ ہے بلکہ جو بھی وہ اس میں اللہ کی کوئی رحمت ہی ہوگی میں شاید تیور کے ساتھ ایک خوش گوارا درود بھی زندگی نہ گزار

کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے بولی عمر یادت سے بولا۔

”تو پھر اتنی جلدی کر جا کیوں رہی ہو؟ پہلے بیٹھ مجھے بتائے بغیر چل گئی تھیں! میں اتنا اب بیٹھ تو تھا تمہارے بارے میں سوچ کر..... اور اب تم آچھٹی راہ سے لے میری فرمائش پر آئی ہو تو اس سے بغیر بتی جارہی ہو؟“

”خدا یہ وہ سب اچھا نہ تھے عمر نے کہا تمہارے سے بات کرتے ہو تو اسے لگتا ہے۔“

”مگر میں اسے بھی مجھ سے کہا نہیں۔ آئی میں یہ صرف میرے محسوسات ہیں۔ وہ کہتا ہے اسے برا لگتا صرف اور لگتا ہے تو وہ دل میں رکھنے والوں میں سے نہیں ہے۔“ اور وہی سب بات کوئی بچہ نہیں کہنا چھوڑا۔

”جسے بہت چپ چپ سی رہنے لگی ہے۔“ عمر اس کی بات کو سن کر دھڑک اٹھا۔ وہ پہلے ہی بڑے مشکل دور سے گزر رہی ہے تمہارے کزن نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا ہے وہ اتنی جلدی یہ سب فراموش نہیں کر سکتی۔“

ملیہ اداسی سے بول رہی تھی اور عمر جو بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے ذہن میں اچھا کا سا بول ملیجے بات کرنے کا اس سے اچھا مروج اور کیا ہو سکتا تھا۔

”تمہیں یاد ہے.....؟ میں نے تم سے ایک بار ایک سوال پوچھا تھا؟“ عمر نے بات کی تہذیب بھی بڑے عجیب سے انداز میں یاد دلائی تھی کہ وہ نا بھی کی کیفیت میں اس کے دیکھنے کی یاد ہے تم نے ایک بار وہ کی کلاسی لالچ بھیج کر مجھ سے میری رائے پوچھا تھی چاہی کی اگر کمری میں دو لوگ

ڈوبے ہوں تو میں کسے بھاؤں گا اسے جس سے میں محبت کرتا ہوں یا اسے جو مجھ سے محبت کرتا ہو اور تمہیں یاد ہے اس وقت میں نے کیا جواب دیا تھا.....؟“ عمر جو کچھ اسے یاد دلانا چاہ رہا تھا وہ اسے یاد کیا تھا مگر وہ ابھی نہیں کی اس بات کا ان کی گفتگو کے کی تعلق ہو سکتا تھا۔

”مجھے اپنا سوال اور تمہارا جواب اچھی طرح یاد ہے۔“ وہ شجیدگی سے اس کی طرف متوجہ۔

طے ہر قدم پہ رفاقت تمہاری کہاں ہم کہاں یہ عنایت تمہاری ہمیں چاہیے بس تعلق تمہارا محبت طے یا عداوت تمہاری کسی سے بھی ملنا اسے جیت لینا بڑی دلچسپ ہے یہ عادت تمہاری نا دیکھا جہاں میں کوئی اور تم سا بڑی منفرد ہے طبیعت تمہاری ہمیں زندگی کے ٹھکانے راستوں میں ہمیشہ رہے گی ضرورت تمہاری کرن سین کی پسند..... پیر بخاری ملتان

”اور تمہیں یاد ہے.....؟ میں نے تم سے بھی نہیں بھجایا تھا اور تم نے جو جواب دیا تھا اس پر ہماری کئی بحث ہوئی تھی؟“ عمر نے اس کی آنکھوں میں چھانکا اس کی ابھمن اور بڑھی تھی۔

”ہاں مجھے یاد ہے۔“ عمر تمہیں کیوں پوچھ رہے ہو؟

”نہیں! یونہی ایک بار میں نے اپنی محبت کو ڈوبے سے بچایا تھا اور اب تمہاری باری ہے تم اس کو بچاؤ جو تم سے محبت کرتا ہے۔“ عمر تمہیں سے ہونے لگے میں بولا

تھا۔

”مجھ سے محبت.....؟“ ملیجہ ٹھیک کر دو گی۔

”ہاں! تم نے کہا تھا نا تم اس کو بچاؤ کی جگہ سے محبت کرتا ہوگا اور مجھے تمہارا یہ جواب بہت غیر فطری لگا تھا۔“

کیونکہ ہم انہیں ڈوبنا اور مرنا نہیں دیکھ سکتے جن سے ہم محبت کرتے ہیں مگر تم نے کہا تھا محبت کرنے والے شخص کا ہاتھ تمہارا اس شخص کا ہاتھ تھا نے سے بہتر ہے جس کی زندگی میں اس نہیں بھی نہیں ہیں ایک شخص کی گھٹی اگر تمہاری ماں سے سہرے میں پھونکا کیا مضائقہ ہے۔“

”عمر پلیز! اس بات کی کرف“ وہ اچھی خاصی غصی بھلائی تھی۔

دینی مسائل کا حل: مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

روحانی مسائل: حافظ شبیر احمد

خوابوں کی تعبیر: حافظ عبدالقیوم نعمانی

اسلام اخوت بھائی چارے اور جذبہ شافعی کا مذہب ہے۔  
 اپنے دین کو جا اور گھبراہٹ پر غرض میں ہے۔  
 اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، ہمیں اس کے مجھے کی ضرورت ہے۔  
 اس پر عمل کر کے یہ ہم غرت میں غرور کی حاصل کر سکتے ہیں۔  
 ہمیں کی مشکلات کو حل کر سکتے ہوئے اسلام میں کیجئے اس لئے ضروری ہے  
 جس جنس سے عام لوگوں کو دینی مسائل مجھے ساری ہو سکے۔

وہ نائے اسلام کے تمام مسالک متعلق

علماء کرام کی نگارشات اور آراء پر مشتمل

وہر کچھ آواز نالہ و مستجاب تھے

تک نیت: ۱۷ جمیع اشیاء پاک است

35260773 35260774

alislamkhi@gmail.com

تھوڑا فلٹر ٹائپ لڑکا ہے مگر شادی کے بعد اس طرح کی حرکتیں زیب دیتیں۔ تم جانتی ہو اس لڑکی کو؟“

راجا ایک لمحے کے لیے کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہی تھی عمر کی حرکتوں نے اسے ایک بار پھر اپنی نگاہوں میں گرا لیا تھا۔

”مجھے نہیں پتیا رہا کہ وہ کون ہے ہو کی کوئی اس کی سابقہ دوست!“ رابعہ نے بے پروا بننے کی کوشش کرتے ہوئے استہزاء کا لہجہ کہا جس پر ماہم قدرے خفا ہو کر بولی۔

”پتا نہیں تو ہونا چاہیے یار! وہ تمہارے ہوتے ہوئے  
غیر عورتوں پر اپنا وقت اور پیسہ ضائع کرے یہ کہاں کا  
انصاف ہے؟ تم کمیل ڈالو نا اسے.....“

مغزوں کو میں نہیں ڈالی جانی باہم! رابعہ نے  
 ابھٹکی سے کہا۔ وہ کسی اور کا تھا یہ اعتراف مشکل تھا۔  
 پہلے تیور اور اب عمر! اس کی قسمت میں محبت سے  
 کھوکھلے مروی لکھے تھے شاید..... باہم کیا کہا رہی تھی  
 اس نے غور نہیں کیا کیونکہ فیصلے کی صلیب پر چڑھی تھی۔  
 آ رہا ہرچیز کو کرتا ہی تھا۔

”میں نے کل عمر کو ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا کہ اپنے  
میر یا میں..... دونوں چائے پی رہے تھے اور ان کے انداز

وہ شدید بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔  
”میں جس محبت کے چچے اپنی تعلیم کیرئیر، ملک



ہوا اس کے پاس آ کر رک گیا۔ راجہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ کر اور بچھلے ہوئے ناگاری سے بولی۔  
 ”کوئی انہیں ہوں تمہاری..... اپنی یہ فضول فرمائش اسی سے کیا کرو جسے دل میں بیاسے پھرتے ہو۔“  
 ”اسی سے تو کر رہا ہوں۔“ وہ ایک دم ہنسا تھا اور راجہ کو اس کی ہنسی پر تڑا دیا تھا۔  
 ”میں نے تمہیں بہت برداشت کر لیا مگر اب باتو تم اپنی فضول کرتیں چھوڑ دیا پھر مجھے۔“  
 ”کیا ہو گیا ہے بارگس بار پر لی بی بی ہو ہے تمہارا؟“ اسے گرجتا رہتا دیکھ کر اسے کون کون خوش ہوئی گی۔  
 ”مجھے کیا ضرورت ہے بی بی بی بی کرنے کی۔ مجھے بس اپنے سوال کا جواب چاہیے کسے لے کر بیٹھے تھے کہنے میرا یا نہیں؟“  
 ”اوندہ نہ سہی۔“ وہ تو ملیجی میری بہترین دوست تمہیں اس سے حسد ہو رہا ہے۔“ اس نے جان بوجھ کر لپکا کا نام لیا۔ جانتا تھا وہ نام سے چڑنی ہی اور واقعی وہ بچہ چڑنی لگی۔

”بھڑا میں جائے دو مجھے پروا نہیں۔“ تم صرف بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر وہ کورت تمہارے خاصوں پرانی ہی سوار ہے تو یوں چھپ چھپ کر ملنے کی کیا تنگ بختی ہے لے لو اسے نکال کر چھو کر کم از کم میری جان چھوئے تمہاری جاگری سے۔“  
 ”آئی جلدی آگئی تو مجھ سے۔“ اس کے لالہ پڑنے سے چہرے سے خطا اٹھاتے ہوئے وہ گھیرے لہجے میں بولا۔  
 ”خیز لے آؤں گا بہت جلد اس کورت کو جس سے تمہیں کچھ بھی کرتا ہوں اور یقیناً وہ کرے گی میرے تمام کام کو تمہاری طرح احسان بھی نہیں جتانے گی اور تم سے ضد بھی نہیں کرے گی۔ دے دو بچہ چھوچھو تم اس عورت کے پاؤں کی دھول کے بھی برابر نہیں ہو۔“ عمر نے بچہ بولتے ہوئے سفاکی کی انتہا کر دی تھی۔ کوئی کس

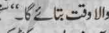
تھا جو ذہن کے پردوں پر ابھرا تھا اور راجہ یہ بوٹ بھیجے قدرے بچی بچی نگاہوں سے عمر کا بچہ نہی تھی۔ اس کے آخری جملے نے اسے عرش سے فرش پر لپٹا چھادہ عموماً ایسی باتیں غائب کی کرتا تھا مگر اس وقت اس کی آنکھوں سے چھلکی سی تیزگی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ بچہ بول رہا تھا۔  
 ”تو پھر میں کہاں ہوں تمہاری زندگی میں۔؟“ بڑی مشکل سے لفظ اس کے حلق سے برآمد ہوئے تھے۔ عمر کا پسند اس تھا جو کہیں سینے میں اٹل گیا تھا۔ زندگی میں دوسری بار اسے اپنا وجود بے جا ہوتا محسوس ہوا۔ چائے کا پانی اٹل اٹل کر خوش تھا راجہ مگر اس کو کوشش ہی کہاں تھا جانے پر دھیان دینے کا۔ اس کے اندر تو خود ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔  
 ”ہر ایک کی اپنی اہمیت ہوتی ہے راجہ۔ یہ تمہاری ہی تو کہاں جو مقام اس کا میری زندگی میں ہے وہ کم بھی نہیں لے سکتیں تم کی یاد دہانی کو کوئی دوسری لڑکی نہیں لے سکتی۔“ وہ اسی کے الفاظ ہی اس کو لوٹا رہا تھا اور ایک بار پھر لفظوں کی جنگ ابھرنی لگی۔ اس نے شائستگی سے رخ موڑا۔  
 ”تو ٹھیک ہے اسے اپنی زندگی میں لے آؤ میں چلی جاتی ہوں۔“ اس نے یک دم فیصلہ کیا تھا۔ یقین تھا عمر اپنی آسانی سے اسے کہاں جانے دو گا مگر وہ تو جیسے تیار بیٹھا تھا۔  
 ”مرضی ہے تمہاری..... اگر جارہی ہو تو واپس بھی خود ہی آتا میں مانتا نہیں آؤں گا۔“

”میں اب واپس آؤں گی جب نا۔“ عمر کے رویے نے اسے بہت دل برداشتہ کیا تھا بھی وہ ہر خدا خدا میں کہتے ہوئے چلی۔  
 ”تم جو چاہو کرو مگر اس خیال کو دل سے نکال دو کہ میں لوٹ کر تمہارے پاس آؤں گی میں نے جتنا عرصہ بھجوا کر تھا تھا کر لیا اب مزید نہیں۔“ عمر کھسکا کر وہ چلی سے باہر نکلی۔  
 ”وہ بھی اس کے پیچھے لپکا۔“  
 ”فضول ضد کر دو کی تو نقصان بھی اٹھاؤ گی راجہ! میں

بچہ سے شادی کر لوں گا۔“

”تو شوق سے کرو منع کس نے کیا ہے۔“ بریف کیس میں کپڑے ٹھونسنے ہوئے وہ ازلی ہندی لہجے میں بولی۔

”مگر وہ میری زندگی میں یوں نہیں آئے گی۔ پہلے فارغ کرنا پڑے گا نہیں۔“ عمر نے ایک اور کاردار اور وہ بلالہ کر دی مگر اس کے سامنے بار مانا بھی اسے اپنی تو جن گلی تھی تھی بے پروا نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے استہزاء کرتی۔  
 ”تم جو چاہو کرو مگر بھلا فرق نہیں پڑے گا۔“  
 ”یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔“ شہیدگی سے کہتے ہوئے راستے میں آنے والی پرچہ کرنا ہوا ہوا ہوا کر لیا۔  
 ”راجہ ابھی اس کے بعد وہاں کی بھیجی تھی۔ عمر سے جھگڑا کر وہ بیٹھ کے لیے وہاں سے چلی آئی کسی مگر عمر حن کی زندگی سے لگنا اٹھانا آسان کہاں ہے۔“



چلو تم کہہ رہے ہو تو  
 میں واپس لوٹ جاتی ہوں  
 تمہیں منزل مبارک ہو  
 نیا سہمی مبارک ہو  
 عمر بے ہم درمید!  
 مجھے اتنا تو تھلا دو  
 کہ واپس کس طرف جاؤں  
 کہاں سے ساتھ لے تھے  
 مجھ اتنا تو بھلا دو  
 اگر اب میں ممکن  
 تو تم کو اس طرح توڑ دو  
 کہ میں کبھی عمر جاؤں  
 بھٹکتے سے تو بہتر ہے  
 تمہارے پاس مر جاؤں  
 خشنہ سے خشنہ سے پیشانی اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر گڑاؤں کے پار دیکھنا چاہا تھا جہاں اس وقت

سوچ کے سارے در بند ہیں

اب نہ تیرا خیال ہے

نہ تیری یاد ہے

غم دور اس میں ابھی ہے

کچھ اس طرح زندگی

نہ پہلے سے جذبات ہیں

نزدہ ہو گئی بات ہے

خاموشی میں ڈوبے ہوئے

لفظ سارے زہر خند ہیں

سوچ کے سارے در بند ہیں

روحان دانش کی پسند

کبھی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اسے ایسی ہی سیالی کی نصیب ہو چھڑی تھی ہونے لگی۔ وہ جو بڑے یقین سے عمر کو کہاں تھی کہ وہ کبھی کسی کے سامنے نہیں پڑتا مگر اس نے بڑا بول بولا تھا اور بڑے بول پر تو آکر شکر تک دینی پڑ جاتی ہے۔ اسے فرق پڑا تھا اور بہت زیادہ فرق پڑا تھا۔ وہ کیسے اندازہ لگائی۔ ”میان ایک بار پھر بھٹک کر اس سفید لٹافے پر عمر کوڑ ہوا جو عمر سے اس کا دل دہلا رہا تھا۔ یقیناً عمر نے اسے پہلی عمر ہی طلاق بھجوائی تھی کیونکہ کل فون پر وہ بھی دھکیلا اسے دے رہا تھا اگر اسے گمان بھی ہوتا کہ وہ ایسا کر کرے گا تو اسے بھی ایسا قدم اٹھانے نہ دیتی۔“

”اور اب وہ کھرا دلوں کا کس منہ سے سامنا کرے گی؟“ یہ خیال ہی اس کے حوصلے پت کرنے کے لیے کافی تھا اگرچہ گھر والوں نے اس دنوں کو اپنے حال پر چھوڑا اور تھا تھا مگر اتنا بڑا اچھا تو یقیناً نہیں بھی چوکتا ہے پر مجبور کر دے گا اس نے گھر والوں کو ہر بات سے عالم رکھا تھا مگر اب وہ اس بات کو تک پوشیدہ رکھتی۔ اذیت سے سب چلنے ہوئے وہ کھڑکی سے پرے ہوتی تھی۔ اس نے نیز پر پڑھ کر وہ سفید اٹھایا اور سرعت سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ یہاں وہ کرک تک اپنی بات کا سوگ مناسکتی تھی۔ اُس کے گرم ماحول سے بھٹکتی ہی

وہ ایک بار پھر ہمدردی کے شدید پیلے میں آئی۔ باہر زچم  
باش ہو رہی تھی سہرا کی آخری بارش اس دن کو یادگار  
بناتی تھی اور یہ دن وہی اس کے لیے یادگار بن گیا تھا۔  
یار لگ تک آتے آتے وہ ابھی غاصی بیگ لگی تھی، مگر  
آج اسے اپنی پردہ گئی ہی کہاں!



”تم بہت غلط کر رہے ہو عمر تمہیں اسے یوں  
پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ دونوں میسر پر کھڑے دم  
بہم باش اوجائے کر رہے تھے جب تیمور مرشد کرنے  
والے انداز میں عمر سے مخاطب ہوا۔ عمر کے چہرے پر  
بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ذوقی مسکراہٹ  
ہنسے ہوئی مشکل سے دانتوں سے دبائے تھے کہ کیا سب  
ہو تھا۔

”آپ جانے نہیں ہیں وہ بہت ضدی ہے، اگر وہ بے  
پوری اس نے ساری زندگی اعتراف نہیں کرنا تھا کہ میں  
اس کے نزدیک کیا ہوں۔ اور پھر اتنا حق تو میرا اپنا ہی  
ہے کہ جس لڑکی پر مجھے دیا تم ہوئی محسوس ہوئی ہے اس  
کے بارے میں جان سکوں کہ وہ میرے بارے میں کیا  
سوچتی ہے؟ اسے اپنی زندگی میں بغیر مجھے چاہیے تھا اور  
مجھے اس کے اپنے لیے بغیر جذبات۔ اور اب اسے  
اپنے جبر میں مدد مل کر دیکھ کر یقین جانے مجھے کتنی خوش  
ہو رہی ہے۔ وہ بڑی خود غرضی سے بولا تھا محبت کے  
معاملے میں شاید یہ برہنہ خود غرضی ہو جاتا ہے کبھی تیمور  
نے ایک بار پھر اسے کہا۔

”اتمام آزماؤ اسے کوہم سے بدلتی ہو جائے اور  
پلیز علیحدہ کا وصال کرو اس کے دماغ سے۔ وہ بے  
چاریافت میں نظروں سے گزرتی ہے اس کی۔“  
”آپ کو بڑا خیال ہے پلیز کا؟“ عمر نے شوشی  
سے اسے چھیڑا۔ ”وہ پلیز سے تو میرے ڈو دو دوست  
ہیں۔ بہترین دوست بھی ہے اور ابھی بھائی بھی ہے اس  
کا خیال مجھے آپ سے زیادہ ہے آپ کی غمگین کریں۔“  
”اور وہ جو میری شادی کے کارڈ کے ساتھ اپنے نام کا

کارڈ چھپوایا تھا وہ۔۔۔؟“ تیمور کو چاک یاد آیا اور عرض  
پڑا۔  
”وہ تو راجہ کو تک کرنے کے لیے یونی ایک پرنٹ  
کر دیا تھا تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ میں جی جی شادی  
کر رہا ہوں۔“

”تو کیا ملا اسے تنگ کر کے۔۔۔ وہ جگلی تو پھر بھی  
نہیں۔۔۔؟“ تیمور نے شرم ڈالی چائی۔

”ہاں مجھے جو عادت ہے اسے منانے کی۔۔۔ پھر وہ  
کیوں جگلی کی؟“ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے وہ  
زندہ دلی سے مسکرایا چمکے اس کا خفا تھا، رونا و رونا اور چہرہ  
نظروں کے سامنے لہرایا تھا اور اسی بل اس کی گاڑی کھلے  
گیٹ سے پورچ میں آ کر رکی تھی۔ عمر عسرت سے  
جٹا کٹھنی سے عمر کی راجہ کی اس پرنٹ پر چڑ جائے۔ ورنہ  
حیات والا تو درآ تھا اس کی بغیر موجودگی کا وہ خوب فائدہ  
اٹھاتا تھا۔ سب گھر والوں کو بڑا احمقوایا ہوا تھا سب ہی  
خاموش تھے۔

”ایک بات ہوں عمر؟“ تیمور اسے یوں پیچھے بٹھا دیکھ  
کر عمر سے انداز میں گویا ہوا عمر اسی کی طرف متوجہ تھا۔  
”محبت میں بدگمانی نہیں آنی چاہیے بار پھر یہ دھوکہ جانی  
کے تم پلیز میرے نام سے جو دھوکہ کارڈ اسے خوش  
کرنے کے لیے پیچھے رہتے تھے اس بات کو کبھی کیلٹر کر لینا  
اس کے ساتھ ورنہ پتا نہیں وہ کب تک مجھ سے بدگمان  
رہے گی اور ایک بات اور آئندہ اسے خوش دیکھنا ہو یا  
رکھنا ہو تو میرا بھائی اس طرح کے اٹلے سیدھے  
جھکنڈے آزمانے کی ضرورت نہیں۔“

”اوکے ہاں! اور کبھی۔۔۔؟“ آپ نے میری خاطر اتنا  
بڑا اشیئینڈ کیا آپ کا حکم ماننا اب فرض ہے مجھ پر۔“ وہ  
کوشش بھلاتا ہوا سعادت مندی سے بولا۔ تیمور بے  
سامنے بیٹھ پڑا۔ ”حیات والا“ خوشیاں ایک بار پھر  
لوٹ آئی تھیں۔ تیمور اور پلیز کی بات طے ہو گئی تھی۔ تیمور کو  
عمر کی غفارش پر معاف کر دیا گیا تھا اور وہ بھی تیمور عمر کا  
راستہ ہموار کرنے کے لیے ہی تو منتظر سے تھا اور پھر عمر

اس عورت کو کبھی اپنی زندگی میں لے آیا جس کے بغیر  
اسے ہر شے پھینکی اور بغیر کسی محسوس ہوئی تھی۔

وہ ”مارا پلیز“ جو اسی کی ماں کی اور وہ عورت جس  
سے وہ عقیدت کی حد تک محبت کرتا تھا اور وہ عورت جس  
کے پاؤں کی جھلیں اس کے لیے سرمایہ جاتی تھیں۔ وہ پلیز  
کی سونپلی ماں تھی عمر کی ماں سے بڑھ کر۔ شوہر کی  
وفات پر بھی اس نے اس کی بی بی کیلچر کی پلاس کی  
پرورش اور بچہ بچال کے لیے کئی بڑی زندگی نہ دی۔ وہ  
عمر سے ملتے جلتے کی بار بار کئی میسر عمر کو سندرہ سے ہمیشہ  
عمر سے نہیں ایک فاصلے سے ہی نہ دیا۔ وہ نہیں چاہتے  
تھے کہ عمر کو ماں کی حس پر چڑ جائے اور پھر وہ ان کے پاس  
رہنے کی ضد کرے کیونکہ اسے بھائی کی اعلوی نشانی کو وہ  
نظروں سے اوجھل نہیں دیکھ سکتے تھے۔ عمر جو پہلے ماں کی  
بے کسی پر کڑھتا تھا بعد میں ان پر غصہ کرنے لگا اس نے  
بلیچے کے پاس اپنی ماں کی تصویر بھی بار بار دیکھی تھی اسے  
ٹھیک سے یاد نہیں تھا مگر یہ ضرور تھا کہ اس کے بعد اس  
نے پلیز کا پیچھا نہیں چھوڑا اور تھا وہ شاید چلی گئی تو وہ بھی  
ماں کی ریت و جوڑیں چلا گیا۔ وہ اکثر پچھت کر اس عورت  
کو دیکھتا تھا جس کی کوکھ سے اس نے جنم لیا تھا اور جو  
عمر کو پروان دیا اور اپنی مثال اور اسی عمر سے اسے حسد  
محسوس نہیں ہوا۔ اس کے لیے یہی بات بہت سی کیلچر کی  
بدولت وہ اس حقی کو دیکھتا تھا جس کو پیار سے ایک نظر  
دیکھنے پر ایک مقبول جج کا ثواب ملتا ہے اور وہ ہر روز کتنے  
جج کرتا تھا اسے خود بھی کوئی اندازہ نہیں تھا مگر وہ بھی  
خود میں اتنی محبت نہیں پاتا تھا کہ ان کے سامنے چلا  
آئے۔ وہ ہمیشہ کے لیے لڑکا دیکھنے پاکستان آئی تھیں مگر  
عمر کا رازہ دیکھ کر شادی کے بعد نہیں ہمیشہ اپنے پاس اپنی  
نظروں کے سامنے رکھنے کا تھا۔



باہر زچم بارش ہونے لگی۔ وہ بڑی مشکل سے  
ڈرائیونگ کر کے گھر پہنچی۔ کچھ تو بارش کا بے حساب  
پانی تھا کچھ تو انداز زمانہ کے والوں کا رش اور پھر خود اس کا

## حافظہ تناء قادریدہ عطاریدہ

آنجل اسٹاف تارکین اور انشز کو میرا پیار ہوا  
اسلام (بول سمجھے)۔ اسے اسے آرام سے ڈرا ہوا  
سے دیکھئے آپ کو اپنا تعارف کروائی ہوں مبادولت کو  
شاء کہتے ہیں جو جناب ہم 10 دسمبر 1993 کو اس دنیا  
میں خوش آمد میرے کے لیے تشریف لائے میرا اشار  
توس ہے انشاز کی بہت سی خوبیاں اور خامیاں مجھ میں  
پائی جاتی ہیں۔ میں خباہ کے شہر جندری میں رہتی  
ہوں ہم سب ہم بھائی ہیں چار دیکھیں اور تین بھائی۔  
میرا کبیر پانچواں ہے محل کے بعد میں نے مدر  
میں داخلہ کیا اب قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد  
(شرائے ہوئے) شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی  
ہوں۔ اب آئی ہوں خایوں اور خوبیوں کی طرف۔  
خامیاں تو بے شمار ہیں لیکن خوبیاں ڈھونڈنے سے بھی  
نہیں نہیں (ہلکا)۔ غصہ بہت جلد آ جاتا ہے کام کوئی  
آتا نہیں ہے بس کھانا آتا ہے منہ پھٹ بہت زیادہ  
ہوں جو نہ میں آتا ہے کہہ دیتی ہوں بعد میں پچھانی  
ہوں کہ کیوں ایسا کیا۔ اب آتے ہیں جناب خوبیوں  
کی طرف! تو حساس بہت زیادہ ہوں اور سب کہتے  
ہیں کہ گشت میں تہا رہی آواز بہت اچھی ہے۔ عمر بہت  
بہت اچھی لگاتی ہوں کھانے میں مجھے لڑی چاول  
میٹھے میں شہزادہ انشاز کی اور دینا جاگیت بہت پسند  
ہے۔ گزرتے ہیں بے پیک اور ادائت کھرا چکا لگتا ہے۔  
لباس میں سادہ شادریں اور لمبا دھوپا چھ لگتا ہے۔  
دو تین ہفت ہیں مگر سب سے بہت دوست صبا  
قادریدہ اور قادریدہ جو کہ میری سسرز ہیں۔ بھانجے  
سب ہی پیارے ہیں لیکن ایک بھانجا زین بہت ہی  
پسند ہے۔ بھائی ایک ہی ہے جس کا نام حرم الشیانی  
ہے۔ آپ بچل کے ذریعے عظیم اور زین کو بہت سنا پیار۔  
آپ بچل ہوں بس میں بھائی رہی ہوں۔ اگر کوئی  
دوستی کرنا چاہتی ہے تو آپ چل کے ذریعے کر سکتی ہے  
انتظار کروں گی۔



اے ہوا سے کہنا

اے ہوا! اے کہنا!  
ہم بالکل بھی نہیں بدلے  
ہمیں آج بھی تیری راہ نکلنے کی عادت ہے  
ہم آج بھی خود کو تیری امانت سمجھتے ہیں  
اے ہوا! اے کہنا!

یہ دل آج بھی تیرے نام پہ  
بے حساب دھڑکتا ہے  
تیری یاد میں روتا ہے ٹپکتا ہے  
اے ہوا! اسے کہنا!

مجھے آج بھی اس سے محبت ہے  
 بڑی شدت کے ساتھ  
 زندگی کی پہلی سانس سے  
 آخری سانس تک  
 صبح سے شام تک  
 مجھے آج بھی تم سے محبت ہے  
 اے ہوا سے کہنا!

شمالیہ رباب کی پسند..... چو آ خالصہ

آہستہ آہستہ پھلنے لگی بھی عمر نے بے بسی سے ہونٹ کچلے۔ اس کی اس قدر ناراضی کا تصور تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

”راجہ پلینز! مجھے بخنکھی کو بخش کرو۔ تم کس بات پر ناراض ہو جاؤ؟“

”مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سنی عمر! تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ پلینز.....!“ وہ عجیب صدی انداز میں بولی۔

”اچھا..... چلا جاؤں گا مگر پہلے تمہیں میری بات سننا ہوگی۔“ وہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑا رہا۔ وہ بھی کون سا کم ضدی تھا۔ ”میں نے کل جو بھی کہا وہ یوں ہی نہیں سنا تے۔“ اس نے کہا تھا۔ لیجئے کہ مجھے سمجھا بھی تھا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس

دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے  
ندامت سے بولا۔

”اے ایم سوری راہ! مجھے اعتراف ہے میں برابر ہوں  
مگر پتا نہیں کیوں نہیں اپنے لیے فکر مند دیکھ کر مجھے  
عجیب سی طہایت اور انیت کا احساس ہوتا ہے۔ ہاں میں  
بان بوجھ کر تمہیں ستا رہا ہاں تمہارے بھی جج ہے جب تم  
ناراض ہو جاتی ہو تو مجھے پتہ نہیں اچھا نہیں لگتا۔ میں  
صرف مذاق کر رہا ہوں تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔۔ میرا اور تمہاری  
دل آزاری کا نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے  
مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لیے وہ کس قدر جاچتا ہے  
بولا تو راہ ایک دم ٹھک کر بے یقین نظروں سے اسے  
دیکھنے لگا۔ باہر سے آنے والی آواز سے زیادہ فریاد  
کا یہ جملہ تھا۔ ”میں نے صرف مذاق کیا تھا“ وہ مری  
طرح ہر ف ہوئی تھی۔ وہ شادی کا رُخ مذاق تھا وہ صغیر  
مذاق تھا۔ مذاق چاہے کچھ بھی ہو اس کی آوازوں کا اس نے وہ  
مذاق تھا۔ اگر یہ سب مذاق تھا تو کتنا خیالوار ہے ہر وہ  
مذاق تھا اس کا خیال چاہا وہ عمر کا منہ بوجھ لے کر اس کے  
منہ پر اتنی زور سے پھیر مارے کہ آئندہ وہ اس طرح کا  
مذاق بھول جائے۔ وہ دان ہوتا تھا اسے آ زمانے والا۔۔۔۔۔  
اس کے جذبات سے کھلنے والا۔۔۔۔۔

مگر عجیب بات تھی کہ بجائے اس پر خیریت اور چالانے کے وہ بے آواز رہے۔ لیکن آنسو نفاذ رفتار چلے آ رہے تھے۔ عمر کو خالی خالی ہڈوں سے دیکھتے ہوئے وہ اس کے سامنے بکسر کھڑی گئی۔ ان آنکھوں میں اپنے لیے آنسو دیکھنا اس کی بڑی خواہش تھی اور تب جب وہ اس کے لیے رورہی تھی تو اسے دکھ ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر راجہ کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامنا چاہا مگر اس نے جتنی سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک دیا اور خود بھی بے ساختہ و قدم پیچھے ہٹی۔

”زندگی تمہارے لیے مذاق ہوگی عمر! مگر میرے لیے نہیں چلے جاؤ یہاں سے..... پلینز گیٹ آؤٹ فرام سیئر.....“ وہ اچانک حلق کے بل چلائی تھی اندر کی برف

حس و حرکت کھڑی رہی مگر اگلے ہی پل جب کسی نے ہولے سے اسے پکارا تو وہ راز کھانے پر پٹنی سماعت کے ساتھ ساتھ اسے اپنی بصارت پر بھی دھوکے کا گمان ہو رہا تھا۔ تازہ چھپلوں کا گلہ دستہ تھا جسے مخصوص و شنگ کارڈز کے ہمراہ روشن اور گہرائی آنکھوں والا دھار سحر سا دھرم و رحمن ہی تھا۔ کمرے کے وسط میں کھڑا امید کے ڈھیروں جلتوں لینے لہو سے منانے آخر ہی گیا تھا۔

والہ ایک لمحے کے لیے چھاپا اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہیں تھی۔ یہی عروج چاچا کے سامنے تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔۔ اور عمر کے سمراتے لب اس روٹی روٹی ککھری پکھری سی آڑی کو اسے بیوں بعد اپنے دروہ دیکھ کر بے ساختہ تھمتے۔ وہ اسے اپنے لیے پریشان کر چکا تھا۔ پتا قمر کوں ڈٹا ہوا نہیں۔۔۔۔۔ اس کا جھڑا اس قدر قہر حال کر دے گا یا اس کے گان میں بھی نہ تھا۔ وہ لپک کر اس کی طرف بڑھا۔ پھول اور کارڈ راستے میں ہی ہاتھ سے پھسل کر پیچھ کر رہ گئے تھے۔ والہ ایک ہنساہک سے قریب کھڑی ککھری گئی اسے ڈانڈا کر کے پھرتی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر ہی گان اس کا چھینٹا سا مذاق اس کی یہ حالت کر دے گا وہ کہاں ہاں تھا۔ کبھی نظریں جڑتا ہوا وہ ایک قدم آگے بڑھتا۔ اٹھانے کا حوصلہ یہ کہاں تھا۔

”عمرا! راجے نے اس کا بازو دبوچا جیسے اس کی دھال  
 موجودگی کا خود کو یقین دلادی ہو اور عمر کو ایک بار پھر اپنی  
 شرارت پر شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ ”ایک ایل آئے تھے  
 یہاں۔ اب کیا رکھا ہے ابھرا۔“ اس کے بازو کو  
 سمجھوتہ کرتے ہوئے ایک دم ہڈیانی ہو کر چلائی تھی۔ ”تم  
 بہت بُرے ہو عمر! تم میرے ساتھ ایسا کر کے مجھ کو توبہ  
 سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ اس نے توبہ سے کہی زیادہ بھڑکاو  
 کر کے وہ نہیں سمجھتا۔ ہمیشہ جیسے راکھوں کو ملتا ہے۔ جیسا کہ  
 یمنی کی آنکھوں میں کتنے سمندر گھومتے ہیں۔ جیسا کہ  
 اپنی فتح کا۔ ”تم اپنی کوشش کا کامیاب ہو گئے ہو۔“  
 عجیب جنونی اعزاز تھا اس کا۔ پھر! ابھرا! عمر نے اس کی  
 دونوں کانٹیلوں کو مٹھوٹی سے اپنے ہاتھ میں جکڑا اور پھر

بھی وہی توازن کہاں ٹھیک تھا۔ وہ لکی باؤڑی پر سے  
کنٹرول کھو بیٹھی کسی ٹکڑے پر بھی پتی چبائی تھ کہ ایک آہی کی  
تھی۔ جسم ہلکا ہلکا لیڈ میں تھا اور سر بڑی طرح  
لکڑا رہا تھا۔ شولڈر بیگ کندھے پر اٹکا ہے وہ نہت دور  
کھول کر باہر لنگی۔ طویل ریمڈری بارش سے بھیگی ہوئی  
تھی۔ وہ شاکت قدموں سے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔  
لاؤنچ سے باؤں اور آواز کا شور آ رہا تھا کروڑوں کی بھی  
دھیان دینے بغیر سیم ایپنے کمرے سے چلی آئی۔ کمر  
والوں نے تو یوں اپنے خاموشی کا فانس لپیٹ چھوڑ دیا  
تھا وہ جب سے عمر سے ناراض ہو کر آئی تھی تب سے  
قدرے بھیجی بھیجی اور اداس رہنے لگی تھی۔ اپنا دھیان  
بٹانے کے لیے اس نے بابا کے دوست کا آفس بھی  
جواں کر لیا تھا مگر لاھ کوشش کے باوجود وہ عمر کو دین سے  
جھٹک نہیں پائی۔ وہ لاشعوبی طور پر اس کے شعور میں  
نہنے لگا تھا۔ اسے اعتراف تھا وہ عمر حسن کی محبت میں بڑی  
بڑی طرح گرفتار ہو گئی ہے مگر اس بات کا اب احساس ہوا  
تھا جب وہ شخص ہی ہاتھ سے پھسل گیا تھا۔ پراس سائڈ  
نہیں پر جتنے ہوئے وہ مچال سے انداز میں سوینے پر  
گرہنی اس پرس اپنی قسمت کا پرہیز وہ ساتھ لائی تھی  
مگر کھول کر دیکھنے کا ارادہ تھا نہ تھا۔ کیا نہیں تھا

جواسے یاد آ رہا تھا۔  
 عمر! اس کی باتیں..... اس کے قصے..... اس کی  
 شرارتیں..... وہ کچھ بھی تو نہیں بھولی تھی! وہ جتنی بھی عمر  
 کبھی ہو کر جاگزیں لے سکا کرتے ہو تو اس کی زندگی میں  
 کہیں تھا ہی نہیں۔ آنسو بڑی تیزی سے گالوں پر پھسلنے  
 لگے جنہیں صاف کرنے کی بھی اس نے ضرورت محسوس  
 نہیں کی۔ کھلی کھڑکیوں سے آنے والی نئی ہستہ تو انہیں  
 کمرے کو برف کھڑکیوں میں..... وہ آنسو بہتے سے آچی اور  
 کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ پھر پھر حسن کی ہونے  
 جاری تھی اور وہ جب جاب تماشا دکھا رہی تھی۔  
 دفعتاً کمرے میں شیشا سائڈ مول کی جاب ابھری وہی  
 جاب جو اس کا کمان بن گئی تھی۔ وہ اپنا وہم جان کر بے

ہاتھیں جھکا ہوگا تمہیں اعتراف کرنا ہوگا کہ میری اہمیت جتنی ہے تمہاری نظروں میں؟ اور سوئی اس سلسلے میں میں نے کیلئے کوئی حسینا جب کہ شیخ تو ہے کہ میری زندگی میں اس اہمیت تو صرف دو لوگوں کی ہے۔ ایک تیرا دوسری وہ ہستی جس کے آگے تمہاری اہمیت کبھی ماند پڑ جاتی ہے۔ وہ عجیب شکستہ سے انداز میں بول رہا تھا اور راجہ ساکت اس سے دیکھے جا رہی تھی۔

”اور وہ دوسری ہستی میری ماں ہے راجہ! وہ عورت جس سے مجھے جنون کی حد تک محبت ہے اور وہ عورت جس کے بغیر مجھے اپنی زندگی ادھوری محسوس ہوتی ہے۔ مجھے ساری زندگی اس عورت سے شکوے رہے مگر جب جب میں اس کو دیکھتا ہوں سارے شکوے فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور یہی ہے کہ جن سے محبت ہو ان کے لیے دل کشادہ کرنے کی ہوتی ہے۔“ اس کا دھڑکنے والا میرے لیے کشادہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا ذکر کرتے کرتے وہ چاک اس کی طرف پٹنا تھا اور راجہ جو انہماک سے اس کی ماں کے لیے والدین محبت دیکھ رہی تھی اس کی خاموشی کے ساتھ ہی اس کا سکتیہ ٹوٹا اور وہ زیادہ یہ غلط سمجھنے لگی تھی۔

عمر کا یہ روپ اس کے لیے اٹھنا بھی تھا اور نیا بھی۔۔۔۔۔ جس بات کو بیان کر وہ عمر سے جھگڑا کرتی تھی۔ اس بات کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنی ماں کو گھر لانے کی بات کر رہا تھا اور وہ کچھ اور بھی کی مگر غلط وہ بھی کہاں کی عمر نے جان بوجھ کر اسے پردے میں رکھا تھا کہ وہ چاہتا تو اسی وقت اس کی غلطی کی رو کر سکتا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر اسے اذیت کی سوئی پر لٹکا کر رکھا۔ کوئی بوجھ تھا جو دل سے سر کا تھا۔

مگر عمر سے تو اب بھی بہر حال بہت سے شکوے تھے عمر کی بات کا کوئی جواب دینے بغیر وہ اس کے پہلو سے نکل کر سرائے نیل تک آئی جی جس پر پڑا پس اس نے لڑنے کا پختہ ہاتھوں سے ٹھوٹا تھا۔ وہ سفیر لفظ سارا دن اس کے لیے ہوتا ہوا اس میں تو شاید ایسی کوئی بات تھی

ہے۔ بس اتنا یقین کر لو کہ تمہارے سوا میری زندگی میں کوئی دوسری ہے نہ ہوگی۔ میں صرف تم سے محبت ہی نہیں کرتا بلکہ مجھ کی پاگل پن کی حدوں کو بھی چھو آتا ہوں۔“ عجب لو تھا تاجہ تھا اس کا۔ بہر شوق جذبات کی حدت سے دہکتا ہوا۔۔۔۔۔ وہ اپنی دیوانگی کی خودی پس رہا تھا۔

”تمہاری محبت میں ہمیشہ میں نے ہر وہ کام کیا جس کا انجام میری توقع سے بھی بڑا ہو سکتا تھا مگر تمہاری خوشی کے آگے مجھے میری ہر خوشی پر فعل نکلا۔ وہ رشک کا راز جو تمہیں تھوڑے کے نام سے موصول ہوتے تھے وہ باقاعدگی سے میں بھیجتا تھا۔ تیرا بھلا تمہاری پسند سے اتنا واقف تھا کہ اب تمہیں اس کی طرف سے ش کا منتظر پا کر مجھے بھی ایک طریقہ سوچنا تھا تمہیں خوش کرنے کے لیے۔“ مگر میں نے تم سے جھوٹا کیا تھا راجہ میں بچوں کی طرح تھا کہ جھوٹ کی بنیاد پر ہم بھٹوں کے تاج محل تعمیر نہیں کر سکتے۔ میں نے تمہیں اس شخص سے خواب دکھائے تھے جن آنکھوں میں تمہاری کبھی شبیہ بھی نہیں لہرائی۔ مگر میں تمہاری محبت کے ہاتھوں مجبور تھا اور یہ تصور کی تم سے شادی نہ کرنے کی ضد میں اسی سلسلے کی کوئی بھی اس کے ہاتھ میں کارڈ لگ گئے تھے جو میں اس کے نام سے بھیجتا رہا تھا۔

عمر شرمندگی سے اعتراف کر رہا تھا اور راجہ حیرتوں میں گھر بیٹھ رہی تھی۔ عمر کے انکشاف نے جہاں سے اذیت دی تھی وہیں کوئی چھاس بھی تھی جو سننے سے نکلی تھی۔ بیہل کرے آنکھوں میں آنسو تھیں کی طرح جبکہ رہے تھے۔ وہ واقعی عمر حسن کی محبت کو بھی نہیں سمجھ سکتی تھی جو اسے رات بھر تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی پچھان نہ کرنے کے اس کے احساسات مجروح کیے تھے وہ اب اسے کیا احساس دلائی۔

”تم بہت بڑے دھوکے باز ہو عمر! تمہیں کسی بھی نہیں سمجھ سکتی۔“ اس کی شرت کو شیوں میں بیچنے ہو گویا

## امید رضوان

اسلام علیہ السلام! میرا نام امید رضوان ہے میرا نام چاہا نہیں کس نے رکھا۔ 9 ستمبر کے سکتے ہوئے دن اس دنیا میں شمشک کا احساس بن کر شریف لائی۔ تعلیم کی بات کی جائے تو میٹرک پاس ہوں اور ایف اے کر رہی ہوں۔ میں ریڈیو بہت شوق سے سنتی ہوں۔ سید اختر عباس میرے فیورٹ ہیں اور دل FM کے سٹیشن خان بہت زیادہ فیورٹ ہیں ان کی آواز بہت پیاری ہے۔ بات اگر دوستوں کی جائے تو دوست بہت کم باتی ہوں میری دوستوں میں سدرہ طاہرہ، اقرام صفا، سلمیٰ رشتا، عروسہ، منعم میری کالج کی دوست ہیں۔ میری میٹ فرینڈ سدرہ ہے اس کی آنکھیں مجھے بہت پسند ہیں۔

شاعروں کی بات کی جائے تو مجھے علامہ اقبال بہت پسند ہے ان کا ایک شعر جو مجھے بے حد پسند ہے۔

اگر ہوں تو عشق کے رشتوں میں وفا

تو دیکھتے یوسف مصر کے بازاروں میں

میں ڈانچت بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔

آج کل کی بہت دیوانی ہوں براہ کی 28، 29 کو آج کل خرید لیتی ہوں۔ ناولوں میں ”جان“ ناول بہت پسند ہے اس کے بعد ”ہم سفر جو چلے جان سے گئے“ میری زیت کا حاصل ہوئے چاہتا ہے۔ شہدیں“ میرے فیورٹ ناول ہیں۔ اب میرا تعارف میری کزنز کے نام میری کزنز ہیں آبی میرا مہینہ فارہ عاتقا، منعم سدرہ وغیرہ کو سلام اور آبی میرا شہر یار کو بہت زیادہ پیار۔ آخرت میں آج کل قارئین کو بہت سلام۔



آواز میں بولی تھی۔ وہ سفید لفافہ اس کے سامنے پڑا تھا جسے اگر وہ جتن بھی چاک کر کے دیکھ لیتی تو آگنی اذیت برداشت نہ کر سکتی پڑتی جو صبح سے کمری تھی۔ کچھ غلطی تو اپنی تھی۔

”میں اتنا مشکل نہیں ہوں یا رافیقین کرو۔“ قہوڑی اس کے سر پر نکالتے ہوئے اس نے طمانیت کا سانس بھرا پھر چاچا چاک چھچھ یاد آنے پر بولا۔ ”مجھے سے ملو کی تم۔“ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔“

”مجھے اس لڑکی سے کوئی مطلب نہیں۔“ عمر کے حصار سے نکلے ہوئے وہ ناراضی سے بولی تھی۔ ”میں جانتی ہوں وہ چہرہ زنگی سے کبھی بھی نہیں نکل سکتی اور یہ تصویر اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہوئے۔“ وہ بیویوں والے مخصوص لڑکا انداز میں اس سے اچھی خاصی اور وہ اس کا خفاخفا انداز دیکھ کر نہیں پڑا تھا۔

”مجھے یاد ہے اس کی ماما جانی ہیں یعنی ایک تیسویں صحت اور ایک میری۔ میں نے سوچا جیسے تیر سے دو شکار کر لوں مگر مجھے کیا تا تم لفافہ چاک کر کے دیکھو گی ہی نہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ وہ خوش گوار سی حیرت میں گھر گرا سے دیکھنے لگی۔

”تیسویں لڑکی میں انگریز تھا وہ میری فریڈ لمیٹد ہے ہی تو تھی۔ ہاں، میرے لیے پسند کیے کے جذبات رکھتی تھی کمری اس میں دلچسپی صرف اس حد تک کی کہ وہ میری اگلی دوست کی اگر تم سے میری بچائی شادی نہ ہوئی تو پھر یقیناً دلچسپی سے بہتر اور کوئی نہیں تھا کہ وہ تیروں کے ساتھ تھی سے بھی زیادہ خوش رہ سکتی ہے۔“ اس کا لہجہ پُر یقین تھا۔

”تیسویں لڑکی میں انگریز تھا وہ میری فریڈ لمیٹد ہے ہی تو تھی۔ ہاں، میرے لیے پسند کیے کے جذبات رکھتی تھی کمری اس میں دلچسپی صرف اس حد تک کی کہ وہ میری اگلی دوست کی اگر تم سے میری بچائی شادی نہ ہوئی تو پھر یقیناً دلچسپی سے بہتر اور کوئی نہیں تھا کہ وہ تیروں کے ساتھ تھی سے بھی زیادہ خوش رہ سکتی ہے۔“ اس کا لہجہ پُر یقین تھا۔

”تیسویں لڑکی میں انگریز تھا وہ میری فریڈ لمیٹد ہے ہی تو تھی۔ ہاں، میرے لیے پسند کیے کے جذبات رکھتی تھی کمری اس میں دلچسپی صرف اس حد تک کی کہ وہ میری اگلی دوست کی اگر تم سے میری بچائی شادی نہ ہوئی تو پھر یقیناً دلچسپی سے بہتر اور کوئی نہیں تھا کہ وہ تیروں کے ساتھ تھی سے بھی زیادہ خوش رہ سکتی ہے۔“ اس کا لہجہ پُر یقین تھا۔

”تیسویں لڑکی میں انگریز تھا وہ میری فریڈ لمیٹد ہے ہی تو تھی۔ ہاں، میرے لیے پسند کیے کے جذبات رکھتی تھی کمری اس میں دلچسپی صرف اس حد تک کی کہ وہ میری اگلی دوست کی اگر تم سے میری بچائی شادی نہ ہوئی تو پھر یقیناً دلچسپی سے بہتر اور کوئی نہیں تھا کہ وہ تیروں کے ساتھ تھی سے بھی زیادہ خوش رہ سکتی ہے۔“ اس کا لہجہ پُر یقین تھا۔

”میں نے سنا تھا تیسویں نے شادی کے دنوں میں تمہیں بہت شاپک کر سکتی تھی؟“ مکمل ٹھکرا دینے پر سوٹ نکالنے ہوئے راجہ کے ہاتھ بری طرح نکلے۔

”تو۔۔۔؟“

”کچھ نہیں۔ بس آج ایک حساب چکانا۔ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بات کو لے کر گیا۔ راجہ نے بے نیازی سے شانے اپکانے۔ ”تم تیار ہو جاؤ۔ میں لیکچر کو ایک کال کر کے آتا ہوں۔“ شریز کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ سون فلن ہاتھ میں لیے بیس کی طرف پلٹا اور راجہ سر جھٹک کر دھیرے سے ہنس دی۔ ”پوچھو گی نہیں کال کر کے اسے کیا کہوں گا؟“ قہوڑی دور جا کر وہ ایڑوں کے بل پلٹا۔ راجہ نے دھیرے سے ٹپ ٹپ سر ملایا۔ ”وہ مجھے سے ناراض ہے نا اسے مٹانا ہے۔“ وہ خود سی ڈھٹ بن کر بتانے لگا۔

”ناراض کیوں ہے؟“

”وہ بہتی ہے جھٹوں میں جھک جانا رشتوں کو ناراض کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیا چاہیے ہے؟“ وہ شریز کی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ کچھ کمر کرادی۔

”انکل!“

”تم تیسویں عزیز ہو اسے اور میں نے جس طرح ہے تمہیں ستایا اس پر بہت غصہ ہے اسے۔ لیکن اب ہم دونوں کو اٹھاد دیکھو گی اسے ساری شکایتیں دور ہو جائیں گی۔“

”بھروسہ مت کرو اسے اچانک پر ہاڑ دیں گے۔“ اس انجیلی لڑکی اپنے لیے محبت سے ایک پل کے لیے شرمندہ کر گئی تھی بھی بے ہوش ہاتھ باندھتے ہوئے بھی محبت سے بولی تھی۔ عمر اپنے گئے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیرے سے ہنس پڑا تھا۔

”تو چلو اسے مٹانے اور دھت کرنے چلتے ہیں۔“ وہ پلٹ کر اس کی طرف آتا تھا۔

”صبر کرو سوچو تو کرو۔“ وہ سکرانی ہوئی اس کے

سامنے سے بیٹے کی گلی کا چاک کر دیا۔

”چھ میز پر پسند کا ڈنڈاں پہنوں۔“ ڈنگر اس کے ہاتھ سے چھینے ہوئے وہ پیار بھری دھوئیں سے بولا تھا اور وہ اس کی زبردستی پھول کر دھوئی۔

”عمر!“ وہ دہلی آواز میں اسے سنا جاتا تھا۔

”کیا ہے؟“ دوسری طرف اس کی آنکھوں میں ہنوز شرارت دھل کر رہی تھی۔

”تم نہیں سمجھ سکتے۔“ خشکی کے باوجود وہ ہنس پڑی تھی اور اسے کتنی بل کر محسن کا جان دار قہقہہ پورے کمرے میں گونجتا تھا۔

محبت اس پر ابر بن کر برسی تھی اور اسے بھی اس بارش میں کتنا بھینکا تھا وہ خود میں جانتا تھا اور بھی تو سارا ولید کی محبت سے بھی اچھا حصہ وصول کرنا تھا۔ کچھ پر بعد راجہ کے سبک کمرے سے نکلے ہوئے وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو شمار کر رہا تھا۔ محبت اس کی ٹھپی میں بھی اور دوسری کو ابھی مشید میں قید کرنا تھا۔ جس نام پر کرنا اور دوسرا تھا اس سے ملنے کا تصور ہی بڑا دلچسپ تھا۔ راجہ کی آنکھوں سے اسے ڈرائیونگ کرنا دیکھ رہی تھی۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی جو اس کے چہرے کو اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔ اس نے سرعت سے نظریں چرائیں۔ ہاں اس کی نظریں رنگ جائے اور پھر لڑکی کے بارے میں کئی ہمارے ہمارے شادی جاتی تھی۔ اس کی تار کی بھی ہر جگہ میں بھی تھی۔ سرباب ہاں کا ہر منظر اسے دلکش لگ رہا تھا۔ دلی قیاس کے موسم تھے ہوں تو سارے موسم ایک ہی تھے اور راجہ عمر کے دل کا موسم بھی بدل گیا تھا اب وہاں بہاؤ اور محسن کی جھٹوں کی بارش۔

بھگت

بھی کسی کو ملل جہاں نہیں ملتا  
کہیں زمیں تو کہیں آساں نہیں ملتا  
ججھا سکا ہے بھلا کون وقت کے شعلے  
یہ ایسی آگ ہے جس میں دھواں نہیں ملتا

ٹریفک کے ازدحام میں گاڑی کا پھنسا سے سخت لڑکی سے بولا۔  
”میں لڑکی ہوں اور یہ دروازہ کھول کے بیٹھی ہوں۔“ بڑی معصومیت سے بتایا گیا تو اسے کڑھ چھو گیا۔  
”یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ لڑکی بڈوروازہ کھول کے کیسے بیٹھ گئیں۔“  
”اب دوبارہ بیٹھ کر دکھاؤں۔“ مزید معصومیت سے پوچھا گیا۔  
”نٹ اپ اتریں یہی بی گاڑی سے“ وہ لوگوں کے خیال سے خاصی مدغم مگر سیلی آواز میں بولا۔  
”پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں میں بہت مشکل میں ہوں۔“ وہ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو برلائی۔  
”دو ہاٹ۔“ اسے تعجب ہوا۔  
”پلیز یہاں سے چلیں میں بتاتی ہوں۔“ اس نے منت کی۔  
”کیوں!.....“ وہ چاروں طرف سے لوگوں کو اپنی جانب دیکھتا پا کر گاڑی اشارت کرنے پر مجبور ہو گیا۔  
”دھیرے دھیرے گاڑی ریورس کرتے ہوئے سیدھی گئے۔“ اپنی جانب دیکھتی بڑی بڑی آنکھوں والی

ٹریفک کے ازدحام میں گاڑی کا پھنسا سے سخت لڑکی سے بولا۔  
”میں لڑکی ہوں اور یہ دروازہ کھول کے بیٹھی ہوں۔“ بڑی معصومیت سے بتایا گیا تو اسے کڑھ چھو گیا۔  
”یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ لڑکی بڈوروازہ کھول کے کیسے بیٹھ گئیں۔“  
”اب دوبارہ بیٹھ کر دکھاؤں۔“ مزید معصومیت سے پوچھا گیا۔  
”نٹ اپ اتریں یہی بی گاڑی سے“ وہ لوگوں کے خیال سے خاصی مدغم مگر سیلی آواز میں بولا۔  
”پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں میں بہت مشکل میں ہوں۔“ وہ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو برلائی۔  
”دو ہاٹ۔“ اسے تعجب ہوا۔  
”پلیز یہاں سے چلیں میں بتاتی ہوں۔“ اس نے منت کی۔  
”کیوں!.....“ وہ چاروں طرف سے لوگوں کو اپنی جانب دیکھتا پا کر گاڑی اشارت کرنے پر مجبور ہو گیا۔  
”دھیرے دھیرے گاڑی ریورس کرتے ہوئے سیدھی گئے۔“ اپنی جانب دیکھتی بڑی بڑی آنکھوں والی





## مقبول رائٹرز کے مقبول ناول شائع ہو گئے ہیں

قیمت  
400/- روپے

نمرہ احمد

بلی راجپوتان کی ملکہ

قیمت  
450/- روپے

نوشین ناز اختر

محرم دل

قیمت  
900/- روپے

سمیرا اشرف طور

پچھتیلیں پشتیں

قیمت  
500/- روپے

زمرہ نعیمی

تیری چشم غم کی چاہی

قیمت  
300/- روپے

نایاب جیلانی

طلوع سحر ہے شامِ محبت

قیمت  
250/- روپے

ساجدہ حبیب

دل درگاہ اور دیا

قیمت  
300/- روپے

اقبال بانو

اک بار ملو ہم سے

قیمت  
200/- روپے

زاہدہ پروین

ایک تھی رانی

کتابیں خوب صورت سرورق، عمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں

ناشر

القریبی پبلی کیشنز

سرکسر روڈ چوک اڈو بازار لاہور۔ فون: 37652546, 37668958 (042)

”جاؤ اپنا کام کرو ہم خود کھیل گئے۔“

بی جان نے انہیں چلا کیا اور خود اس کا بازو پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئیں اس سے اتنی محبت اور اپنائیت سے پوچھا کہ اس نے اپنے بارے میں صاف صاف بتا دیا بی جان رنجیدہ ہو گئیں۔ گلے سے لگا کر ایک جملہ کیا۔

”صبح بی! تمہارے سوتیلے چچا اسنے ظالم ہو سکتے ہیں کہ تمہیں جھوٹا بیٹا سا گھر سے نکال دیں۔ ہمارے دل گھر سے بڑے ہیں کی دارالامان کی ضرورت نہیں آرام سے یہاں رہو۔“

”میں سب کام کروں گی۔“ وہ پھول کی طرح کھل گئی۔

اس نے جیسا کہا ویسا ہی کر کے دکھایا۔ بے تکلفی سے بڑی تندہی سے وہ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ اذان کو بی جان کی ذہنی حالت پر شک ہوا۔ اس نے نفل کے سامنے مصلحتاً زبان بند رکھی۔ البتہ حنان کے لبوں پر جیسی مسکائی۔ محل کو اپنی ذات کے سوا شاید کسی میں وجہی نہیں تھی۔ اپنی لٹ سے کھیلنے اور موبائل میں منسلک رہنے کے علاوہ کچھ ضروری نہیں تھا۔ بی جان نے کھانے کی میز پر بڑھ بڑھ کر ایسے تیز پس پیش میں مکر وہ اداسے ٹوٹ کر کہہ

انکار کر لی رہی۔

”تمہیں مجھے شائبہ بہت پسند ہیں یہ لو۔“ اذان نے کہا تو وہ قطعاً احتجاج بن کر ہوئی۔

”آؤ کھا نہیں۔“

عین نیچے کھڑی صبح نے بے تکلفی سے کہا۔

”مجھے بھی بہت پسند ہیں۔“ بی جان حنان اور اذان نے جرت سے اس کے سادہ سے چہرے کو دیکھا۔ کل سے کوئی دوش نہیں لیا۔ ایک سو ڈی کہہ کر

نیل سے اٹھ گئی۔ اذان نے ناگوار نظروں سے بی

معصیت سے اس نے پوچھا۔

”کیوں شرمندہ کرنی ہو کھانے کا بدلہ کیا ہوتا ہے؟“

”اچھا لیکن مجھے تو یہی پتا ہے کہ ایک کھانے کے بدلے میں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ ایک دم ہی اس کے حسین چہرے کے کلاب مر جھک گئے۔ حنان ترمذی نے واضح طور پر دیکھا۔

”مطلب؟“

”مطلب؟ میں نے آج تک بنابدلے کے بھوک نہیں مٹائی۔“

”اوہ پھر ایسا کرو مجھے ایک گلاس پانی لا کر پلا دو۔ پورا ہو جائے گا۔“ وہ طمینان سے بولے۔

”بس پانی سے۔“ اس نے غیر یقینی نظروں سے انہیں دیکھا۔

”حنان یہ کیا ہو رہا ہے۔“ بی جان اسی طرف آتے ہوئے بولیں۔ تو وہ درازے دور ہو کر کھڑے ہو گئے۔

”میں پانی لے کر آتی ہوں۔“ وہ بی جان کی پروا کے بغیر بڑی بے باکی سے اندر چلی گئی۔

”یہ کیا تماشہ ہے حنان؟“ بی جان نے لڑاؤ سے بڑھ کر بولے۔

”کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟“

”پاگل ہے بی جان بس نکال باہر کریں۔“ اذان نے تیار ہو کر آتے ہوئے کہا۔

”مگر آپ کیوں ساتھ لائے؟“

”زبردستی مسلط ہو گئی۔“ اذان نے کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

”مجبوری تھی اے اچھی نیچر کی ہے۔“ حنان نے ڈرتے ڈرتے دکالت کی تو وہ بھڑک اٹیں۔

”تو گھر میں کھلیں۔“

”اس سے پوچھ لیں۔“



جان کو دیکھا۔

”صبح کی سب کھاؤ، بلکہ آؤ سب کچھ کھاؤ۔“ بی جان نے بہت پیار سے کہا تو اذان پڑھ۔

”حد ہوتی ہے بی جان نہ جان نہ بچان جس پر جاہیں مہراں ہو جائیں کیا جاتی ہیں آپ اس کے بارے میں۔“

”جو بھی اس نے بتایا۔“ وہ بولیں۔

”اور آپ نے اعتبار کر لیا۔“ وہ چڑ گیا۔

”ہاں یار جیسے کل پر اعتبار کیا کہ وہ اس عادت کی کسی سے انداز ہی ہے اب یہ الگ بات ہے کہ وہ وہی نہیں جیسا ہمیں بتایا گیا۔“ حنان ترمذی نے چھتا ہوا لہجہ میں ڈپ کر لیا۔

”جودل چاہے کریں مجھے کچھ نہ کہیں گا پھر۔“ صبح کی طرف سے باہر گرنے کے لیے کمرے کی طرف چلا گیا۔

”کاٹنا ترمذی“ میں ایک ناقابل یقین تہذیل آتی تھی۔ دو متضاد مزاج کے باعث کچھ عجیب سے حالات و واقعات رونما ہو رہے تھے۔ اذان کی ہر مکمل نہ کو شش تھی کہ صبح اپنے گھر جانے۔ اس کا خیال کسی حد تک ٹھیک بھی تھا مگر بی جان نے خود ڈرائیور کے ساتھ جا کر تحقیق کی تھی۔ وہ اپنے سوتیلے چچا کے گھر ایک ملازمہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی روٹی گھر کے ہر کام کے بعد بھی اس پر بھاری تھی۔ بی جان کا دل رشتوں کی اس سفاکی پر بھرا آیا۔ بہت خوش ہوئی کہ صبح نے جو بتایا وہ سچ تھا۔ ان کے گھر میں نوکروں کی ہی نہیں تھی۔ اس لیے انہیں صبح کی صورت میں شاید پیاری سی بیٹی لگتی تھی۔ جو ہشام بنش سب کی خدمت کے لیے کھر

میں بھائی دوڑتی نظر آتی۔ اس وقت بھی سب لان میں موجود تھے۔ اذان اور

کچل کچھ دیر بعد وہاں آئے حسب معمول کچل کی کسی میں کوئی دیکھی نہیں تھی۔ صبح ٹرے میں چائیت آکس کریم کا بڑا ساڑ پیک اور شے کی نازک پیالیاں بچھ لیے آئی۔

”یہ لیں آکس کریم آپ کی پسندی۔“ اس نے ہر اہد راست اذان کی آنکھوں کے سامنے ٹرے نہ چٹائی تو اسے چھانیں لگا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ مجھے یہ فلیور پسند ہے۔“

”میرے ذہن نے۔“ وہ سادگی بولی۔

”اس میں غلط کیا ہے یار آپ کو پسند تو ہے۔“

حنان نے مسکرا کر مزایا۔

”تمہیں پسند تو جھیک دیں۔“ کچل نے بے پروائی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

”اور ان سب کی پسند۔“ اذان نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

”ہم تو آپ کی پسند کی ہر چیز کھالیتے ہیں۔ بلکہ آپ کی پسند کو جان سے لگا لیتے ہیں۔“ حنان نے ترجیحی آکھ سے مزاح جن کچل کو کہتے ہوئے کہا۔

”پلیز چاچا ان محترمہ کو کھجوا دیں انہیں الہام ہوتا ہے کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا چاہیے؟“ وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”کچل! بیٹا چاچا تو اذان کو لے کر آؤ۔“ بی جان نے موبائل سے کھلتی کچل کو کھانا کیا۔

”بی چھوڑو آؤنی خود ہی آجائے گا۔“ وہ بے زاری سے جواب دے کر خاموش ہوئی مگر صبح چھلاوے کی مانند اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔

”یہ زیارت کے کڈنے کے لیے تم نے سوٹ نکالا ہے اور یہ شرٹ مائی۔“ اسے دیکھ کر بیکہ کے کنارے پر رکھے سوٹ گرنے کو نہیں سوٹ ساف کھر شرٹ اور

رہ میر اور نائی دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

”اور یہ جو تے اور جاہیں بھی۔“ وہ بڑے پر اطمینان انداز میں بولی۔

”دیکھ رہا ہوں کل۔۔۔۔۔۔“ وہ دے دے غصے کے ساتھ بولا۔

”مگر کیا آپ کا پسند یہ سوٹ نہیں کیا؟“

”یہ لیکن۔“ وہ کڑ بولا۔

”پھر لیکن چھوڑیں اور مجلس باہر۔“

”مجھے نہیں جانا۔“

”بی جان بلاری ہیں۔“ اس نے اس طرح کہا کہ اسے آپاؤ کر کل وہاں سے اٹھ کر جاری تھی اذان کی آداس کے لیے غیر اہم تھی اذان نے محسوس کیا۔

”کھاؤ یار ساری آکس کریم کا مزرا خراب کر دیا۔“ حنان ترمذی بولے۔

”صبح بنا آپ حنان کے ساتھ جاؤ اپنے لیے کپڑے وغیرہ لے آؤ۔“

”نہیں بس آپ نے دیے تو ہیں مجھے پیٹ بھر روٹی چاہیے اور کچھ ٹش۔“ وہ بہت سی سے بولی۔

”یہ روٹی روٹی کی کھار کب بند ہوگی۔ جانے کیا عزائم ہیں تمہارے۔“ اذان نے یکدم سچ اختیار کیا۔

”اذان! ایسے نہیں بولتے۔“ بی جان کو برا لگا۔

”چلو آج میرے ساتھ چلو۔“ حنان ترمذی نے انتہائی محبت سے کہا۔ وہ وہ کمرادی۔

”یہ لو کی کچھ اور ہے آپ ٹھیک نہیں کر رہیں۔“ اذان نے ان دونوں کے جانے کے بعد متنبہ کیا۔

”شاید کھک تو ہم کل کے لیے بھی نہیں کر رہے۔“

بی جان نے متشکر سا دمق انداز اختیار کیا۔

سپراسٹوکی بھیڑ میں حنان ترمذی اس کی حرکات و سکنات دیکھ کر کھیر کھیر تھے۔ وہ کسی کے بچے کو پیار

کرتی تو کسی کے فرش کو چھوٹے بلو کھانا کہتا تھا۔ دہتی کسی کو کاؤنٹر پر اپنا موبائل فون نہیں مل رہا تھا تو وہ مددگار بن گئی۔ حنان نے کچھ دیر کے بعد نرئی سے اس کا ہاتھ تھاماد اور ایک طرف لے جاتے ہوئے بولے۔

”اب اپنے لیے بھی وقت نکال لو جو خریدنا ہے وہ دیکھو۔“

”آپ کچھ بھی لیں بس مجھے کیا پتا۔“

”ہی لیکن لوگوں کو تو آپ بڑھ بڑھ کر مشورہ دے رہی ہیں۔“

”سب کے ساتھ تو ابھی طریقے سے پیش آنا چاہیے اپنا کیا بے ہوئی میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد کسی کے دیے پلے ہی پہنچے ہیں۔“ ڈھیر ساری نرئی اس کی مسکرائی آنکھوں میں سائی۔ حنان کا دل دکی ہو گیا۔ پھر انہوں نے اس کو بھجور کر ڈھیر ساری شاہنگ کمرادی۔

واپسی پر سارے راستے وہ بہت خوش تھی۔ ہزار ہا باتیں کر رہی تھی حنان کو یہ دھان پان کی سچ کچھ کچھ متاثر کر رہی تھی۔ رات بستر پر لیٹے وہ کافی دیر اس کے بارے میں سوچتے رہے۔ ٹھیک بارہ بجے جب اذان کچھ معطر ب سا ان کے کمرے میں آیا تو وہ چونک اٹھی۔

”چاچو یہ کیا ہے؟“

”لڑکی ہے اور کیا ہے۔“ وہ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے۔

”بات کرتی ہے نا اسے کوئی انٹرنیٹ ہے صرف اپنی ذات میں مگن۔“ وہ ہنستا ہوا۔

”تو کیا ہوا؟“

”میں نے نہیں کے ساتھ شادی نہیں کرنی وہ کوئی ریپا س نہیں کرنی۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ تمہیں ویسے پسند ہے۔“

حنان نے گویا اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

”شاید ہاں ہی حسین تو ہے؟“

”تو ٹھیک ہے پھر شادی کر لو۔“

”وہ کچھ بولے تو نہ کوئی بات کرتی ہے نہ آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہے۔“

”وہ اس کا مزاج ہے۔“

”مگر میں اسے کیسے سمجھوں جبکہ وہ دن بعد اس کی

واپسی ہے۔“

”اس سے کھل کر بات کرو۔“

”میں بات کرنے ہی کیا تھا۔ باہر لان میں کتنا

خوب صورت موسم ہے چاندنی رات ہے۔ مگر اس نے

بڑے سرسری انداز میں کہا۔

”اذان! صبح ہے کہہ دو مجھے جلدی نہ اٹھائے۔“

اس نے نقل تار دی۔

”ہا ہا ہا! حنان بیٹے ہوئے بولے۔“

”تو پھر صبح کو کہہ دیا۔“

”وہ تو جیسے میرے تعاقب میں دھکی ہے لان میں

خود بخود آگئی۔“

”اس کو کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔“

حنان بولے۔

”ہنہ مذاق نہ اڑائیں اسے آپ نے اور بی

جان نے سچ سچ ہار کھا ہے ہاتھ دکھا کر جائے گی۔“

وہ ہنسا اٹھا۔

”جسکی تم نے اسے غور سے دیکھا ہے وہ مفر دسا

حسن رکھتی ہے جو کھل میں دیکھنا چاہتے ہو وہ سب

میں موجود ہے۔“ حنان نے کہا۔

”اب سو جائیں بس۔“ وہ چڑ کر چلا گیا۔ تو صبح

چھپاک کر کے ان کے دماغ کے نہال خانوں میں

سُکرائے گئی۔

پھر گلی گلی ناشتے کی میز پر حنان نے دلچسپ

نظروں سے اذان کی طرف دیکھا وہ گم سم سا تھا۔

پلیٹ میں نوٹس دیکھے جانے لگا سوچ رہا تھا۔ صبح نے

چائے بنا کر سامنے بھیجا اور بولی۔

”آج آپ نے ورزش نہیں کی اس لیے دو تازہ

نہیں ہیں۔“ وہ چونکا لی جان نے بھی محسوس کیا۔

”تم مجھے اتنا نوٹس کیوں کرتی ہو اپنے نوٹس اپنے

پاس رکھا کرو۔“ وہ کرسی پیچھے کھیل کر اٹھا اور آفس کے

لیے چلا گیا۔ صبح شرمندہ ہی ہوئی۔

”اذان کو کیا ہو گیا ہے؟“ بی جان پریشان

ہو گئیں۔

”میں ابھی آتی ہوں۔“ صبح کچھ سوچ کر باہر کی

طرف بھاگی اس کا خیال درست تھا وہ ابھی گاڑی تک

پہنچائی تھا کہ اس نے چالیا۔

”بی جان آپ کی وجہ سے گھر مند ہیں۔“

”اپنا کام کرو۔“

”اچھا آپ اپنا کام تو ٹھیک سے کر لیں۔“ اس

نے اس کے بیروں کی طرف دیکھا تو اس نے بھی

لگا ہوں کا تعاقب کیا اور پھر سمجھ میں نہ آیا۔

”کیا مطلب ہے؟“

”پہلی جراب بدل لی ایک ایک کالی ہے اور ایک

نیلی۔“ وہ یہ کہہ کر اندر چلی گئی تو اس کی گھنجلاہٹ

شرمندگی میں بدل گئی۔ اندر آنا پڑا حنان ترمذی اور بی

جان کو سخت حیرت ہوئی اذان جھینپا جھینپا سا کرے

کی طرف کیوں جا رہا ہے؟ قہقہہ دیر بعد واپس آیا تو

نظریں چڑا کر چلا گیا۔

”بی جان کھل میری فیم کے مطابق اذان کو سوٹ

نہیں کرتی۔“ حنان بولے۔

”مزاج کی بہت مختلف لگی ہے، بچپن میں تو ایسی

نہیں تھی۔ آپ اذان سے پوچھو۔“ وہ بولیں۔

”کیا پوچھنا اس کے تیر بتا رہے ہیں۔“

”مطلب اس نے ذکر کیا ہے۔“

”ہاں آپ بچل سے بات کریں اس کی ذرا سی بھی

اذان میں دیکھتی نہیں ہے۔“

”تو آپ کھل سے بات کرو۔“

”میں نہیں اس اذان کو سمجھتا ہوں وہ خود پوچھے۔“ وہ یہ

ابہرکان کے پاس سے اٹھ گئے۔

☆☆☆☆☆

آفس میں حنان ترمذی نے اذان کو اچھی طرح

سمجھا دیا کہ اسے بچل سے کیا بات کرنی چاہیے۔ اذان

نے واپسی پر ویسا ہی ارادہ کر کے کھل کے کمرے کا رخ

کیا وہ میز پر کھڑے لطف اندوز ہو رہی تھی اور ٹیبل پر

لگانے میں بھیجی کہ اس کی غیر متوقع آمد پر ہلکا سا ہنسا

کر دیکھا۔ اذان نے میز پر آف پیسز کیا اور مگر مگر

اس کے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

”بچل باہر چلیں۔“

”کہاں باہر؟“

”باہر لا لاک ڈور یا تو آف یا تو کفرم کر دیا۔“ اس

نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

”معدے پیاز میں آپ سے کیا کہہ رہا ہوں اور

آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“ وہ ہنسا اٹھا۔

”کوئی اتنی غلط بات تو نہیں کی میں نے۔“

”میں نہیں میں نے غلطی تو چھلپائی۔“

”کوئی ضروری تو نہیں کہ ایک ہی بات دونوں

کر لیں۔“

”کوئی ضروری نہیں بلکہ کچھ بھی ضروری نہیں۔“ وہ

لیٹس میں بولا۔

”مطلب؟“

”کوئی ضروری نہیں کہ آپ اور ہم شریک سفر

ہوں۔“ اس کے جملے میں طنز تھا۔

”ہاں میں نے تو ابھی یہ سوچا بھی نہیں۔“ وہ بڑی

سادگی سے بولی۔

”اچھا تو پھر یہاں کیا کرنے آئی ہیں؟“

”کم آن اذان کو پتہ نہ تھا کہ سوال ہے؟“ وہ بڑی ادا

سے کمر لیتی تو وہ ضبط کرتا کر سکا۔

”اوکے“ میرا سوال پوچھنا ہے تو میرا جواب بڑوں

والا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر جانے لگا تو وہ بولی۔

”اذان! آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”آپ مجھے لے ڈوف بنانے آئی تھیں؟ یونو

ہمارا ارشد بڑوں نے تقریباً طے کر دیا ہے۔“ وہ

پلٹ کر بولا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟“

”آپ کو تو کسی بات سے نہیں پڑتا پتا نہیں کیا چیز

ہیں آپ۔“ وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

رات کھانے کی میز پر حنان کو اندازہ ہو گیا کہ ان

کے درمیان ہونے والی بات کا نتیجہ صفر ہے۔ اذان کا

مؤدحت آف تھا وہ چار لقمے زہر مار کر کے اٹھ کر

جانے لگا تو صبح نے ٹوکا۔

”اس طرح تو آپ کی صحت متاثر ہو جائے گی۔“

”تم سے مطلب۔“ وہ کھانا کھا کر دوڑا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں صبح۔“ بی جان نے تائید کی۔

”اسے اوقات میں رکھیں بلکہ چلتا کریں۔“ وہ

توخ کر بولا۔ صبح ایک دم بچھری گئی۔ بڑی بڑی

آنکھوں میں نمی آگئی۔

”اذان کچھ تو خیال کرو۔“ بی جان نے ڈانٹا۔

”اچھی طرح سن لیں یہاں اب یہ مختصر ہیں گی یا

میں۔“ وہ کھل کا غصہ اس پر نکال کر چلا گیا۔

”صبح اب اسے کھڑے چلا جاؤ۔“ بچل نے لاابالی

پن کا مظاہرہ کیا تو صبح ڈیڈ پانی آنکھوں سے دھکتی

ہوئی اندر کی طرف بھاگ گئی۔ حنان کو سخت دکھ ہوا۔ وہ



نکل سے اٹھ پرے۔

”نکل! آپ کو ضروری معاملات میں اگر دیکھی نہیں تو پلیز ہمارے ذاتی عام سے معاملات میں مداخلت کی بھی ضرورت نہیں۔“ حنان وہاں سے اٹھ گئے۔ اذان نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ اور بی بی جان صبح کی دہائی کے لیے اس کے پاس پہنچ گئیں۔

”نندنہ سچے روئے نہیں۔“ انہوں نے آنسو بہاتی صبح کو سنبھلے لگا لیا۔

”بی جان مجھے جانا ہے وہاں جانا ہے۔“

”کیوں! وہ لوگ ہمیں اس لیے نہیں رکھیں گے۔“

”رکھ لیں گے ان کو تو کرنا ہی ضرورت ہوگی۔“ وہ ان سے الگ ہو کر اپنے کمرے کے لیے جمع کرنے کی فکر انہوں نے پڑے۔ پھر ان کے کمرے پر اچھا بھلا

”اس کے لیے سوچ لو ہم خود ان کے پاس چھوڑ آئیں گے۔ صرف چند روز سوچ لو۔“

”اذان نہیں پسند کرتے۔“ وہ بولی۔

”وہ بے چارہ تو خود اچھا نہیں کھا رہا ہے۔“ بی جان کا چہرہ افسردہ سا ہو گیا۔ تو وہ ان سے مشتاق ہو کر چپ ہو گئی۔

وہ پریشان سی ہو کر باہر نکلی تو کل اپنے کمرے سے باہر آ رہی سی۔

”نکل! بیٹھے کچھ پوچھنا تھا تم سے۔“ بی جان نے انہی فقط اتنا ہی کہا تھا کہ نکل نے اپنی بات کہہ دی۔

”اچھو لی مجھے بازار جانا ہے کیونکہ کل فلائٹ ہے۔“

”آپ کو ملے جاتی ہوں۔ لیکن بیٹا! بتاؤ اذان پسند آیا بی جان نے جلدی سے دل کی بات کہہ دی۔

وہیں راستے میں کھڑے کھڑے۔

”اذان اذان کو تو مجھ پسند کرتی ہے۔“ نکل نے

انتہائی سہا سہا سے لہجے میں کہا تو بی جان کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ جبکہ بی جان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ سیدھی اذان کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ نکل کا کہا ہے سنایا تو وہ دھچک پڑا۔

”وہ کنگلی پڑا جسے آپ نے جانے کیوں گھر میں رکھا! وہ بی بی جان سے میرے لیے۔“

”تو کیوں لائے تھے اسے گاڑی میں۔“

”وہ خود جلائی کے آ کر بیٹھی تھی۔ بھولی تھی مگر آپ نے اسے گھر میں ہی رکھا لیا۔“

”یعنی اس کی بیوی نے بس لڑکی کو ہم گھر سے نکال دیتے ہیں۔“ وہ بولیں۔

”سب ڈراما ہے اس کا فلموں میں ہوتا ہے ایسا۔“ وہ چیخ پڑا۔

”اچھا اچھا ہم اسے چھوڑ آئیں گے۔ نکل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟“

”نہیں! وہ کچھ کہتی ہے سنتی ہے جانے دیں۔“

اس نے کہا اور پرسکون ہو گیا۔ کیا جواب میں ان کا تھا۔

”اگلے صبح نکل چلی گئی تو بی جان نے نگہت بگ بگ فون کر کے اصل حقیقت بتادی اور کچھ سوچ کر حنان سے بات کی۔ حنان نے اذان اور اپنے لیے کافی کا

آرڈر دیا اور اس کے پاس آ گئے۔

”یار! اچھا! لڑکی ہے اس کو تمہارا کتنا خیال ہے وہ تمہاری ہم مزاج ہے۔“

”پلیز چاچی! اہل حال میں بہت ڈسٹرب ہوں۔“ وہ بے زاری سے بولا تو حنان مزید کچھ نہ بولے۔ صبح کافی

لے کر آ رہی تھی راستے میں بی بی جان انہوں نے اسے اپنے کمرے میں آنے کو کہا وہ آ گئی۔

”صبح! آپ بہت اچھی ہو اذان! آپ سے تعلق سے پیش آتا ہے مگر وہ نہیں ہے۔“

”بہت اچھے ہیں مگر آپ سے زیادہ نہیں۔“ وہ

سادگی سے کہ گئی۔ حنان تجب سے دیکھنے لگے۔

”نکل نے کہا ہے کچھ اذان کو پسند کرتی ہے مگر اذان تو۔۔۔۔۔۔“

”اف تو بے نکل کو اہام ہوتا ہے۔“ اس نے ان کا ہنسا چاک کر صاف انکار کر دیا۔

”مطلب تمہیں اذان سے دیکھی نہیں۔“

”میں اور میری اوقات کیا سوچنے لپچا کے گھر سے بھاگی تو جیسے تیسے اذان صاحب کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”میں بی بی جان نے اچھا بتاؤ کیا رکھا لیا۔ میں چلی جاتی ہوں اور یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔“ وہ رو دی۔

”اُدھ ہوا ہے نہیں کرتے کی کو پسند کرنا کوئی جرم نہیں اذان ہے بی بی بہت اچھا۔“ وہ گھبرا گئے۔

”چند نواں پھول کو کیا جاتا ہے اگر میں حق رکھتی تو پھر میری۔۔۔۔۔۔! اس نے کچھ سوچ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”جملہ مکمل کرو اذان کو میں سمجھاؤں گا۔“

”نہیں! میں اذان صاحب کا وہی ہے خیال رکھتی ہوں مگر نکل نے فکٹو بنادیا میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں مگر۔۔۔۔۔۔! وہ پھر اٹھی۔

”ہاں بولو۔“ انہوں نے نرمی سے کہا مگر وہ نکل سے گروں ہلا کر چلی گئی۔

نکل کا جانا اذان کی بھیجلا جملہ دونوں لمبے کی صورت اس پر کر گئیں۔ اس نے رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے چند بچوں سے باندھ لیے۔ بی جان نے مصیبت پسندی سے کام لیتے ہوئے حنان کو اسے چھوڑ آنے کا کہا وہ جس وقت ان سے ملے آئی تو آپ کو دیدہ بھلی بی جان نے پیار کیا اور اپنے بچوں سے کچھ روپے نکال کر اس کی طرف بڑھا گئے۔

”کیسا؟ میری محبت کا مذاق نہ اڑائیں۔“

”کاش! تم تمہارا خیال رکھ سکتے رکھ لو کام

آئیں گے۔“

”نہیں! یہ لینے میں نہیں آئی تھی۔“

”میں معلوم ہے لیکن۔۔۔۔۔۔! وہ ان کی بات پوری سے بنانی باہر پوری کی طرف چلی گئی۔ حنان گاڑی کی چابی لے کر پہنچا تو وہ روئے ہوئے بولی۔

”میں اذان صاحب کے ساتھ آئی ضرور تھی مگر آپ کی وجہ سے یہاں رہنا چاہتی تھی۔“

گاڑی کا فریٹ ڈور کھولتے حنان ترمذی کا دل زور سے دھڑکا گاڑی لباس میں رونے کے باعث گلابی گلابی آنکھوں والی بی بی جان انہوں نے غور سے دیکھا۔

”اگر نکل آپ کا کہتی تو مجھ ہوتا مگر اس نے خود اذان صاحب کو چھوڑنے کے لیے جھوٹ بول دیا۔“ وہ پھر سے معصومیت سے بولی۔

”کیا مطلب۔“ حنان نے پکارا ہو گئے۔

”بس وہ کچھ نہیں آپ اچھے ہیں۔ میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔“ پھوپھوں سے کہہ کر وہ خوفزدہ ڈور کھول کر آ کر کہا۔

”کیوں؟“

”تاکر اس اچھے آدمی کی زندگی میں روشن چمکی صبح نوا آئے۔“ انہوں نے محمود مگر کچھ لمبے میں دھیرے سے کہا اور دروازہ کھول کر اسے اچھا چکر کر باہر آنے میں مدد دی۔

وہ کچھ نہ بولی۔

کوشش کرتی رہی۔



# آگے

امرم

آگے کی طرح راز ہے کھلتا بھی نہیں وہ  
سیلاب بھی بن جاتا ہے دریا بھی نہیں وہ  
اس شخص کے پہلو میں سکون کتنا ہے جب کہ  
گر جا نہیں، مندر نہیں، کعبہ بھی نہیں وہ

”زویا! کل ناٹم پر تیار ہو جانا۔“ سالار نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے تاکید کی تو زویا جو اسد کا لباس تبدیل کرتی تھی، ذرا چوگی۔

”خیریت! نہیں جانا ہے کیا؟“

”نوف! ایک تو تم بھول بہت جلدی جاتی ہو۔ بتایا تو تھا اکبر کا ویسے، ساری ٹیلی کوڈ ہو گیا ہے۔“

سالار کے ہتھکڑیاں کر کے پروہ بدک اٹھی تھی۔

”تو آپ ٹیلی کے ساتھ جائیں گے؟ یاد رکھیے میں ہمیشہ سے ایسی بھلکوتیں تھی، آپ نے اور آپ

کی اولاد نے مل کر مجھے بھلکوتا بنا دیا ہے، سمجھے آپ؟“

پہلا سوال ماتھے پہ شکن ڈال کر کہا تھا جب کہ وضاحت دیتے ہوئے لہجہ بالکل مل جمن گیا تھا۔

سالار ہمیشہ کی طرح ہنس کر نال کیا۔

”ظاہر ہے بھی! اپنے خوش ہو جائیں گے۔“

”تو پھر آپ ہی اپنے بچوں کے ساتھ تقریف لے جائیے گا۔ میں نہیں جاری پلٹن کے ساتھ۔“

اس کے ناک چڑھا کر نفوت سے کہنے پر سالار نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ اب اسے قائل کرنے کو کم از کم دو تین گھنٹے مغفوری کرنا پڑتی جب کہ اکبر کی امی

نے کتنے پیار بھرے انداز میں اصرار کیا تھا زویا کو ساتھ لانا ہے۔

”یارا کیا ہو گیا ہے تمہیں زویا، بیچے بچے چارے کیا کہتے ہوں گے ہمیں؟ میں انہیں خود دیکھ لوں گا۔“

اس نے گویا اسے نماز کو سر کرنے کی ابتداء کی۔

”اٹھو، دیکھ لیں گے۔ کیا کیا کریں گے؟ واش روم لے جائیں گے یا پھر ان کے گندے ہو جانے کی

صورت میں کپڑے بدلیں گے؟“ وہ طنز سے ہنکارا

بھر کے بولی پھر مزید طس کر اضافہ کیا تھا۔ ”اوپر سے اس پلٹن کو دیکھ کر مجھ پر انہی لوگوں کی رحمانہ

نظریں..... مجھے توج میں روٹا آنے لگتا ہے۔“ زج ہو کر کہتی وہ آخر میں روہا کی بھی ہوئی تو سالار کو ہونٹ

پھینچنے پڑ گئے جب کہ اس کا عصر گویا آسان کو چھو رہا تھا۔

”پتا ہے لوگ کتنا مذاق اڑاتے ہیں؟ آفاق بھائی کی شادی پر جب میں آپ کے تین تین سپوتوں کے

ساتھ یارات کے ساتھ گئی تو ان کی ریں ریں اور شرارتوں سے عاجز آ کر ایک خاتون نے کیا کہا تھا

مجھ سے.....؟ کہنے لگیں بیٹا! انہیں ان کی ماں کے حوالے کرو۔ مانا یا کا بھی حق ہوتا ہے بھانجے



بھانچوں پر مگر ایسی بھی ماں ہے بے پروائی کیا کہ ساری ذمہ داری ہی تم پر چڑی اور میں تو اوز میں بن ہی گزرتی تھی۔ کیا جواب دینی مگر وہ معیہ بھائی میں نا گھٹی سستی، بڑا مسکرا کر بولی۔ ”اماں جی! یہ میرے سارے بچے اسی کے ہیں، گنتی ہے ان کی اماں؟ دراصل چھوٹی عمر میں شادی ہوئی اور بچے بھی جلدی جلدی ہو گئے اس وجہ سے۔۔۔۔۔“ ان کی ہمدردی کی آڑ میں بھی جو طعنے بھرا منہ چھپا تھا، بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں میں۔ ”سارار نے دیکھا اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

”بہت وقوف ہو۔۔۔ شرمندگی بھلا کس بات کی؟ بچے خدا کی نعمت ہیں۔ ان کو لوں کہ کیوں راجا وادو کو ترستے ہیں۔“ اس نے مخصوص دھمے انداز میں بھجھایا مگر زویا کی سمجھ دانی خاصگی و تار یک تھی۔ عقل کی بات کہی سالی تھی۔

”مگر سارار ہماری شادی کو صرف چار سال ہوئے ہیں۔ ان چار سالوں میں پانچ بچے۔۔۔۔۔ فدا کی بات تو ہے نا۔“

”لا حول ولا قوۃ الا باللہ ازویا خدا کا خوف کرو کچھ، حد ہے جہالت کی۔“ وہ اس پوری بحث میں پہلی مرتبہ غصے میں آتا زویا بھی بھڑک اٹھی۔

”میں تو آپ سے محبت کی شادی کر کے پچھتا رہی ہوں۔ دیا کیا ہے آپ نے مجھے سوائے ان ذمیر سارے بچوں کے۔۔۔۔۔ جن کے کام کرتے اور انہیں سنبھالنے میں باکل ہوتی رہیں۔“ اس کے بھڑک اٹھنے پہ ہی ان کی لڑائی ہوتی تھی، حالانکہ کئی مرتبہ سارار نے اسے سمجھایا تھا۔

”لوگ تمہاری اسائنس اور خوب صورتی سے جلتے ہیں بس۔ اس لیے تم سے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ دھیان مت دیا کرو۔“ وہ قہر طور پر سمجھ جاتی، وعدہ بھی کرتی آئندہ لوگوں کی باتوں میں آکر اس سے جھگڑا نہیں کرے گی مگر جب کوئی واقعہ ہوتا وہ پھر سے بھڑک جاتی اس مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ سارار کو بھی غصہ آیا تھا۔

”بچہ کدھر ہیں؟“ سارار گھر آیا تو خاموشی اور ستائے کوٹھوں کر کے سوال کیا تھا۔

”امی کے گھر! آج ڈیٹا ان کو فون کیا تھا آکر لے جائے۔“ ریڈی ہناری ساڑھی میں بنی سنوئی وہ آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

”مگر کیوں؟ تمہیں پتا بھی ہے وہ ممانی جان کو کتنا تنگ کرتے ہیں؟“ دوسرا احتجاج بن گیا۔

”آپ نے مجھے ساتھ لے کے جانا ہے انہیں؟“ اطلاع عرض ہے کہ وہ مجھے بھی اتنا ہی تنگ کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ آپ کے پاس بائیک ہے گاڑی نہیں کہ اس پر سات افراد لاد کر ایک ساتھ سفر کر لیں۔“ اس کے لہجے میں ٹی وی طعنے بے حد کھرا تھا۔ سارار نے ہونٹ پیچھنے لگا کر دیکھا، کبھی وہ یونی بڈ فاطمہ ہو جایا کرتی تھی۔ ولیم کی تقریب میں وہ جتنا خاموش تھا۔

زویا ہی قدر مطمئن اور سرشار نظر آ رہی تھی۔ صرف چھوٹی لین ہی اس کے پاس تھی۔ جسے اس نے زیادہ تر سارار کو ہی پڑائے رکھا خود وہاں وہاں ہنسی مسکراتی پھرتی رہی۔ سارار کو اس کی خوفناکی سے اس گزر رہی تھی مگر خاموشی اور ضبط کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ واپسی پر سارار نے جب بائیک کا رخ زویا کی امی کے گھر کی جانب موڑا تب زویا نے کسی قدر تباہی سے سوال کیا۔

”بچوں کو بھی لینا ہے کہ نہیں؟“

تمام ضبط کے باوجود وہ تپ گئی تھی۔

”میں ڈیٹا ان سے کہہ دوں گی فون پر، رات کو گھر

ہوڑ جائے گا خود ہی۔ ابھی بہت تنگی ہوئی ہوں گھر جا کے ذرا سکھ کا ساسا لینا چاہتی ہوں۔“ آپ کے ہاتھوں کی موجودگی کے باعث سکون خواب و خیال ہی ہوتا ہے۔“ اس کے بے زار انداز میں کئی کاغذ بے حد ممانیاں تھیں۔ سارار کا کھانا ہوا خان گویا ابل پڑا۔

”اچھا! بات چیتیں ہو گئی ہے میڈم! کیا کیا ہے آپ نے وہاں، سوائے باتوں اور شیتیاں بھگائے کے۔۔۔۔۔“

”دیکھنا نجل گئے آپ فوراً مرد ہوتے ہی تنگ نظر ہیں۔ جیسے ہی اپنی بیوی کو سنا کئی لوگ کام کر کے دے دیا، جل کر کباب ہو گئے۔“ وہ حط لیتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں بے زاری آتی۔

”بکواس مت کرو۔“ سارار نے بے دریغ جھاڑ دیا۔ بائیک کا فون میں داخل ہو گئی تھی۔ گاڑی پھولوں سے دھکی دیوار لے گھر کے آگے سارار نے بائیک روکی اور بجٹ بھرے انداز میں انٹر کرانڈ چلا گیا۔

ممانی جان بچن کی ڈانٹنگ ٹیبل پر اسد اور اسارہ کو ساتھ بٹھائے کھانا کھا رہی تھیں جب کہ حذیفہ اور فاطمہ سو چکے تھے۔

”اسلام علیکم ممانی جان! کبسی ہیں آپ۔۔۔؟“ بچوں نے تنگ تو نہیں کیا؟“ وہ ان کے پاس آ بیٹھا۔ انہوں نے تپاک سے سلام کا جواب دیا۔ سر پہ ہاتھ پھیرا اور شفقت سے مسکرائیں۔

”یہ کتنی جاں نثیں کیا کتنی ہی بھلائی کو؟ بلکہ ان کے آنے سے تو گھر میں رون ہو جاتی ہے۔ بہت بہت فرماں بردار بچے ہیں۔“ ممانی جان کی بات پر سارار کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”اچھا۔۔۔ لیکن ان کی والدہ ماجدہ کا تو خیال ہے یہ دنیا کے بدتمیز بچے ہیں۔“ حالانکہ اس کا انداز شکایتی نہیں تھا۔ اس کے باوجود اندر داخل ہوتی زویا کو اتنی فضا کی طرح جھٹنے پر مجبور کر گیا۔

”ہاں ہاں کرلو میری شیتیں میری ماں سے۔۔۔۔۔“

شر تو آتی نہیں ہے نا۔“

”آف! سارار کو ایک دم فقط نے سرخ کر ڈالا۔ شرمندہ تو ممانی جان بھی ہوئی تھیں، داماد سے بیٹی کی بدکاری کے مظاہرے پہ جیسی اسے ڈانٹ ڈالا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے زویا! شوہر سے اس طرح بات کرتے ہیں۔“

”بوتہ شوہر! وہ سر جھٹک کر خفارت سے بولی پھر اسد اور اسد کو آؤ خواہ ایک ایک ہاتھ جڑا اور جا کر کمرے میں حذیفہ اور فاطمہ کو جھٹھو کر چگانے لگی۔ سارار نے سوتے ہوئے بچوں کو سنا کھٹک کا جب کہ ممانی جان اس کے پیچھے آئی تھیں۔ وہ فاطمہ کو کھینٹ کر روتے سے نیچے نیچے جاتی تھی۔

”وفوہ زویا! کیا کرتی ہو، اس طرح جگاتے ہیں بچوں کو؟“

”پھر اور کس طرح جگاؤں، ماوری سنا کر۔۔۔۔۔؟“ وہ بڑی طرح تڑپتی اور حذیفہ کے ساتھ فاطمہ کو بھی باہتی ہوتی باہر نکل گئی۔

”بیٹا! یہ کچھ بے وقوف ہے ہم شرمندہ ہیں کہ۔۔۔۔۔“

”کوئی بات نہیں، ممانی جان! پیاز ایسا مت کہیں۔ اس میں آپ کا سر سے کوئی ٹھون نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ شادی سے پہلے ایسی تو نہیں تھی، بس بچوں میں بڑا گھر کچھ جھگڑا جاتی ہے، دعا کیا کریں۔“ سارار سے ان کی نفقت برداشت نہ ہوتی تو نزدیک آ کر کھندے پر ہاتھ رکھ کر راسنیت سے بولا۔

”بہت دعا کرتی ہوں بیٹا کہ یہ سدھر جائے۔ اس

کاروہ ہمارے لیے اتنا تکلیف دہ ہے۔ تم تو ہر وقت کہتے ہو۔ ”ممائی جان مول نہیں، وہ جس ان کی رنجیدگی دوسرے کے خیال سے مسکرایا۔

”آپ پریشان نہ ہوں۔ ہر وقت ایسا مودی نہیں ہوتا۔ بس کبھی بھگداری!“ اس نے ڈھارس بندھائی ممائی جان گھر اسراں بھر کر رہ گئیں۔



”زویا۔ زویا! کیا کردی ہو، آخر تو بھلا رو کر لپکان ہو رہی ہے، اسے تو پکڑو۔ سالار ہاتھ لے کر واٹ روم سے باہر آتا تو بیٹھ پڑی طرح روتی ہوئی لپکھ کر اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے اسے زور سے پکارتا۔

”فارس تو ڈرا ہی ہوں، بچوں کو سکول کے لیے تیار کر رہی ہوں۔ ان کی وین آنے والی ہے۔“ وہ باہر سے ہی جوابی جیٹی، سالار کو خاموش ہوتا پڑا۔ جب تک بچے تیار ہو کر اسکول نہیں گئے وہ لپکھ کر اٹھائے پھر تیار ہوا۔

”اب پکڑ لو اسے بھی، مجھے آفس جانا ہے۔“ یہ سن کر لپکھ جاگ رہی ہے؟ اگر آپ نے اسے جھوٹے میں ڈال کر چھوڑا ہوتا تو سوچیں۔ لپکھ کر لپکھ کر وہ کی قدر رکھتی ہے۔ بولی۔

”تم اگر یہ ترکیب مجھے پہلے بتائیں تو لازماً ایسا ہی کرتا۔“ وہ بھلا کر کہتا اپنی شرٹ اٹھا کر پہنتا لگا۔ ”ناشتا تیار ہے میرا؟“ مکمل تیاری کے بعد وہ اس کے پاس آتا تو لپکھ کر سوچ گئی۔

”انٹانامی ہی کہاں ملا۔ اب بناتی ہوں۔“ لپکھ کر کاٹ میں لٹاتے ہوئے اس نے سکون سے جواب دیا تو سالار نے سر و نظروں سے اسے دیکھا۔ ”کوئی ضرورت نہیں ہے اس نعمت کی، جا رہا ہوں میں۔“ کسی قدر غصے سے کہتے وہ اپنی بائیک

لے کر نکل گیا۔

شام کو کھانا بارالانا تو زیادہ موزاں کیے بیٹھی تھی۔ ”چپا چوک گئی ہے اور ماکھانا نہیں دے رہی ہیں۔“

اسامہ نے اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر منہ بسورتے ہوئے لپکھ کر نکلتے تھے وہ تیرہ سو کر رہ گیا۔ ”بچوں کو کھانا بھی نہیں کھلاتی تھیں تم؟“ وہ اس کے پاس آتا تو مڑے بے حد خراب تھا۔

”جہاں سے والد محترم کھاتے ہیں وہاں سے یہ بھی کھائیں۔ میں تو کوئی نہیں ہوں کہ خیرے بھی سہوں اور کام بھی کروں۔“ بولتا وہ نودھٹے پن سے بولی سالار نے ہونٹ پیچھے لے پھر فحاشیت بھرے لہجے میں بولا۔ ”چلو اٹھو میں کھانا نکال کر لا رہا ہوں۔“ اس نے ہاتھ پکڑ کر باقاعدہ اٹھانا چاہا مگر وہ کچھ اور بڑبڑائی۔

”آج میں نے کچھ نہیں کھایا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ ڈھٹکا۔

”آپ صبح ناشتا کر کے کیوں نہیں گئے تھے؟“

”تم نے کچھ بنایا ہوتا تو کھا تانا۔“ وہ زچ ہونے لگا۔

”میں بیماری تھی مگر آپ..... کس کے لیے کر رہی ہوں یہ سب؟“ آپ کے بچوں نے میری ٹینڈر اور سکون حرام کر ڈالا ہے۔ رات کو بارہ بجے کو رنج و آذان کی پکار کے ساتھ آتی ہوں، جب بھی کام ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔ مشین بنا کر رکھ دیا ہے آپ نے مجھے۔

کام..... کام..... کام اور بچوں کی تعداد..... اللہ بیچائے۔ اس پر محترم کام کو پھر بھی خراب۔“ وہ منہ ہلکا کر کہتے ہوئے روئے تو تیار تھی۔ سالار کو یہ یک وقت بھی سمجھ آئی اور اس پر ترس بھی۔ بے جاری مرجھا کر میری گئی تھی۔ شادی سے پہلے نازک اندام، لکڑی لڑکی تھی۔ سالار جب کے سلسلے میں پچھرے

ان کے گھر میں مقیم ہوا تھا، مگر اس کے دل کا بھی کلین ٹھہرا کر زویا اس کی دلکش شخصیت سے از حد متاثر ہو گئی تھی۔ کالج میں خیر خیر کی طالع بھی۔ شوخ و شنگ اور ابلہ جی، جس کی عمر ہی خوب دیکھنے کی تھی۔ سالار کو بھی وہ بے حد اچھی لگی۔ چنانچہ نہ چلا جا دوں محبت کے راتے پچھل پڑے اور جب ایک سال بعد اس کے فخر کی جانب سے ہاش کی بھولت دی گئی تو زویا کی جیسے جان پرین آ گئی۔

”میرا کیا ہوگا سالار! میں آپ کو دیکھوں نہ تو کیسے دن گزرے گا؟“ وہ واقعی رو پڑ گئی۔

”میں نے اماں سے بات کر لی ہے۔“ غصہ بھرے وہ تمہارا رشتہ مانگیں گی ممائی جان سے، تم پریشان نہ ہو۔“

”بچو پو پو کا تو نہ کریں گے سالار! کیا بتائیں انہوں نے آپ کے لیے کوئی اور لڑکی پسند کر رکھی ہو۔“ کئی خدشوں میں مبتلا تھی وہ..... مگر یہ سارے خدشے بے بنیاد ثابت ہوئے اور اگلے چند مہینوں میں وہ انیس سال کی عمر میں ڈپٹی کلاش روپ دھارے اس کے آگن میں اتر آئی تھی اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا مگر جب ایک ماہ بعد یہ وہ امید سے ہوئی تو اس کی خوشی پر اوس بڑی۔ وہ آتی جلدی ان چھیلوں میں پڑنا نہیں چاہتی تھی مگر سالار بہت خوش تھا۔ چلی بارہی جب ان کے ہاں دو جڑواں بچوں نے جنم لیا تو زویا بھہ کر رہ گئی۔ جب تک بچو پو پو زندہ ہیں زویا بچوں کی طرف سے بے فکر ہی رہی۔ اس پر ایک سال کے اندر اندر جب وہ دوبارہ امید سے ہوئی تو اس کی ہولکا جٹ دیکھنے سے تعلق نہ رہی مگر پو پو کی توجہ اور محبت نے اسے سنبھال دیا۔ رکھا۔ پو پو کا چلوایاں

تھا، جب اس کے فاطمہ کو جنم دیا۔ دوسالوں میں تین بچے..... وہ ہولکا کر رہ جاتی تھی۔ دنوں جیسے چکر بن کر رہ گئی تھی۔ اس کی وہ دسٹیں جو ابھی زیر تعلیم تھیں، انکس کا مذاق آؤا نہیں، جسے ہمیشہ زویا نے دل پر لیا اور بچوں سے بے زار رہنے لگی۔ فاطمہ ابھی ایک سال کی تھی، جب ایک بار پھر وہاں سے دلی تھی۔ تب تو اس کا سالار سے پہلا زور دار بھگڑا ہوا تھا۔ وہ کی صورت تھی ابھی جلدی مزید بچنے کی آمد پر آدھ نہیں تھی۔ سالار نے کہہ سن کر اسے سمجھا مٹایا کہ جتنے کس کے اس کے غصے کو خنڈا کر دیا۔ یہ وہی جاتا تھا مگر اس بار لیز اور خلیفہ کی سہمی پیدا نہیں کی اس کی بچوں سے بے زاری اور کوفت کچھ اور بڑھ چکی تھی کہ خاندان کی دیگر خواتین نے باقاعدہ اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا اور اس ضمن میں نادر مشوروں سے بڑے خلوص سے نوازا مگر سالار آڑے آ رہا تھا۔

”پاکل ہو گئی ہو..... خدائی کاموں میں دخل اندازی کی ہرأت کر دگی؟“

”پھر کیا کروں؟ اب لوگ جہالت کے طعنے دینے لگے ہیں۔ کام کا پو پو پھر میری صحت کا سوال ہے۔ جان سے گزرو جاؤں گی تب سکون ملے گا آپ کو.....“ وہ روئے لگی تھی۔

”بے خوف اتم کیا جیتی ہو مجھے تمہاری پروا نہیں ہے؟“ وہ زچ ہونے کا باوجود بھی بڑی رسائی و خل سے سمجھانے لگا۔ ”خدائی مرضی نہ تو تو ایک پتا بھائی بازاری میں نہیں کر سکتا، یہ تو پھر بچنے کی پیدائش ہے۔“

”میں نے کہہ دیا مجھے اور بچے نہیں چاہئیں۔“ اس کی سونٹی ایک جگہ بے گئی تھی۔

”جس روح کو بس انداز میں خدائے دنیا میں بھیجتا ہے اور جس وقت بے بھیجتا ہے وہ بچ کر رہتا ہے، انسان اس کے سامنے مطلق طور پر بے بس ہے۔ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ تم بھی









# پتھر کا دل

نازیہ کنول ناوی

سبز جنگل میں پرندوں کے ٹھکانوں میں کہیں  
وقت لے آیا ہمیں گزرے زمانوں میں کہیں  
گم بھی ہو سکتے ہیں تاریخ کے اوراق میں ہم  
مل بھی سکتے ہیں مگر تازہ فسانوں میں کہیں

ہم تو وہ لوگ ہیں جو  
نہ کی کے دست شمار میں ہیں  
نہ کی کی نگاہ کے حصار میں ہیں  
یوں جیسے ہو کوئی صدیوں کا بے انت سفر  
صحرا صحرا پھر تار کوئی خاک بسر  
کیا پوچھتے ہو ہم سے کہ کون ہیں ہم  
ہم تو جانو بھی نہیں جو کسی کی آنکھ میں چپکتے  
کسی کو سنوارتے

ہم تو آنسو کی طرح ہیں  
آنکھ سے نپکے اور ڈوب گئے  
محبت کی آس میں کھر سے نکلے اور بے سمت مسافت میں  
در بدر پھرتے ہوئے

بے نام شام کی نذر ہوئے  
”سائینڈ پرہو کے بیٹھو بی بی تین لوگوں کی سیٹ ہے یہ۔“  
گم حواس کے ساتھ اپنے خیالوں میں ڈوبی وہ بس کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جب کنڈیکٹر کی کڑک  
دار آواز نے اسے چونکا دیا۔

مسافروں سے سچا کچھ بھری اس بس میں ضرورت سے زیادہ لوگ ٹھونے جا چکے تھے انوشکی ناگلین  
ساتھ بیٹھے ایک نامحرم مرد کی ناگھوں سے کس ہو رہی تھیں۔ ہزار سکنے کے باوجود وہ اپنے وجود کو

ساتھ بیٹھے تاخیر مرد کے وجود سے محفوظ نہیں رکھ پا رہی تھی۔ مارے بے بسی کے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

کتنی مشکل سے کراچی جانے والی بس میں جا رہی تھی۔ مردوں سے کچھ بھی بھری اس بس میں بیٹھنے کے بعد اسے اپنی حقارت کا اور بھی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

ایک عورت کی زندگی میں عزت اور حریم کی کیا اہمیت ہوتی ہے بہت اچھی طرح سے معلوم ہو رہا تھا اسے وہ پھر حالات کی نذر رہنے کی خواہش نہیں بھی کر اس کے اندر کا جولاؤ اٹھا وہ اسے چین لینے نہیں دے رہا تھا۔ اس وقت وہاں گاڑی میں مردوں کی اکثریت تھی۔ جن کی بیوی نگاہیں دوپٹا اچھی طرح لپٹا ہونے کے باوجود اس کے وجود کو نوچ رہی تھیں۔

اس نے بھی یوں بسوں میں طویل سفر نہیں کیا تھا مگر اب وہ خود جان لو بھ کر اس صلیب پرنگ کی تھی۔ کراچی صبا احمد کی شادی ہوئی تھی۔ اسی صبا احمد کی جو بیوی شری میں اس کی واحد عزیز ترین دوست تھی۔ جس سے ہمیشہ اس نے اپنا ہر دکھ سکھ بلا جھگ ٹیڑھ کیا تھا۔

اس وقت بھی جب وہ خود سے بھاگ رہی تھی۔ بھری دنیا میں اس کو اپنی یاد دہانی نہیں دے رہا تھا جس سے وہ دل کی بات کر سکتی۔ تب اسے صبا احمد یاد آئی تھی۔ جو اپنی شادی کے بعد بھی کبھی اس کی ذات سے یکسر غافل نہیں ہوئی تھی۔

تخت ہوئی کر کے ساتھ رات کے جانے کسی پہرہ پر اس کی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

اسے لگا جیسے اس کے بدن پر چیونٹیاں سی رہی ہیں۔ کڑک کڑا کر وہ سیدھی ہوئی تو اس نے دیکھا بس میں برابر والی سیٹ پر بیٹھا وہ ادیب عمر مرزا اس کے وجود کو اپنے ناپاک ہاتھوں سے چاٹ رہا تھا۔ انوش کا دل چاہا وہ اسے زوردار کچڑا کر بس سے اتر جائے۔ مگر منزل ابھی بہت دور تھی اور رات کے اس پہر کی اور گاڑی کا اس دیرانے میں ماننا فطری ممکن نہیں تھا۔

زندگی میں پہلی بار کسی کی غلط حرکت پر وہ چپ رہی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اسے یقین آیا تھا کہ وہ اپنے نفس کی بھوک کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

پنڈی سے کراچی کا جدہ سفر اس پر زندگی کی بہت سی تکلیف دہ حقیقتیں آشکار کرنے کے لیے یادگار ثابت ہو اٹھا۔

اگلے روز دو پہر کے قریب جب وہ کراچی بس اسٹاپ پر اترتی اسے لگا اس کے اندر کی خود اور مضبوط عورت مری ہو۔ صبا احمد اسے اپنے دروازے پر دیکھ کر کبریت سے لگ رہی تھی۔ کتنے سالوں کے بعد وہ انوشہ رحمان کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہوا انوشہ..... تجھے مجھ میں یقین نہیں آ رہا کہ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔“

”ٹھیک ہوں مگر بہت تھک چکی ہوں۔ کیا انداز آنے کے لیے نہیں کہو گی۔“

”ارے یہ کیا بات ہوئی۔ میری عزیز باز جان دوست سالوں بعد چل کر میری دلیہ تک آئی ہے اور میں اسے اندر آنے کو نہ ہوں ایسا ہو سکتا ہے کیا؟“

خوشی سے بے حال وہ اسے بازو سے تھام کر گھر کے اندر لائی تھی۔ تھوڑے سے ریسٹ کے بعد انوشہ فریش ہو کر لاؤنڈری میں آئی تو صبا اس کے لیے لکھا ناچنے لگی۔

”مجھے بتا ہے تم با سفر کر کے آئی ہو اس لیے بیوی لگی ہوگی۔ چلو بلا تکلف شروع ہو جاؤ۔“ چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف وہ اسے ہدایت دے رہی تھی۔ انوشہ دل نہ چاہنے کے باوجود ناولے لٹوٹنے لگی کچھ کبھی گوشت کھاتا اور صبا اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اسے گیسٹ روم میں لے آئی تاکہ وہ آرام کرے۔

شام میں پرسکون نیند کے بعد وہ بے دار ہوئی تو صبا اس کے پاس چلی آئی۔

”جی جناب کیسے کسے مزاج ہیں آپ کے تھکن کچھ کم ہوئی کہیں۔“

”کس تھکن کی بات کر رہی ہو زندگی کی تھکن یا سفر کی.....؟“ کہیں کے بل اٹھتے ہوئے اس نے پیچھے دھرے تنکے سے ٹیک لگائی تھی۔ صبا مسکرا دی۔

”کی الحال تو سفر کی بات کر رہی ہو رین سے آئی تھیں یا جہاز سے۔“

”مٹرین نہ جہاز بس سے آئی تھی۔“

”کیوں شاہ زہرا بھائی نے اعتراض نہیں کیا؟“

”وہ اعتراض کرنے کا حق کھو چکا ہے صبا اس شخص نے مجھے اپنی زندگی سے نکال پھینکا ہے۔“

”کیا مطلب کہ تمنا چاہتی ہو کہ تمہاری شاہ زہرا بھائی سے علیحدگی ہو چکی ہے۔“

”ہاں۔“

”مگر کیوں اور کیسے۔“

”کیا ضروری ہے کہ ہم صرف اسی موضوع پر بات کریں۔“

”ہاں کیونکہ یہ میری دوست کی زندگی کا معاملہ ہے۔“

”زندگی زندگی زندگی..... کون سی زندگی صبا کیا وہ زندگی تھی جس میں باپ اور باپ دونوں کے ہوتے ہوئے میں کی لاوارثی کی طرح اپنے خیمیاں کی دلیہ پر پڑی ان کی دل شکن باتیں سننے لگی تھیں اور بل میں مجھے اپنے زہرہ بھائی سے پریشان ہونا تھا۔ کیا وہ زندگی تھی جس میں باپ کے کچھ ہوتے ہوئے میری حیثیت ایک ملازمہ سے بڑھ کر نہیں تھی۔“

”جی میں جس کا جولد چاہتا تھا میرے ساتھ سلوک کرتا تھا مگر کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہیں تھا۔ کیا ہوئی ہے زندگی؟“ ایک ان چاہے باپ نہ یہ بدترین شخص کے ساتھ اس کے احسانوں کے بوجھ سے دب کر رہنا؟ تب تک صبا جس کہانی کا کوئی اعتراض نہ ہو میں زندگی کی آخری سانس تک اس کہانی کا کردار بن کر نہیں رہنا چاہتی اگر یہ زندگی ہے ہی تو زندگی کہتے ہیں تو مجھے یہ زندگی نہیں چاہیے۔“ وہ رہ پڑی تھی صبا نے لپک کر اسے گلے سے لگا لیا۔

”ایسے نہیں کہتے انوشہ زندگی تو خدا کی آزمائش ہے ایک امتحان ہے جو اللہ نے صرف ہمیں ہمارے اعمال جانچنے کے لیے دی ہے۔ خدا کی رحمت سے کبھی ہاپس نہیں ہوتے۔“

”میں اس کی رحمت سے ہاپس نہیں ہوں صبا میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے خدا مجھ سے راضی نہیں ہے۔“





انوشہر بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

”کون ہے وہ لڑکی جس کے لیے وہ تمہیں ذلیل کر رہا ہے۔“ بہت دیر کے بعد اس نے پوچھا تھا۔ صبا نے جواب میں سر جھکا لیا۔

”بیوی ہے اس کی بیوی مرثی دو دنوں کا اغیر چلا اور دونوں نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف کورٹ میرج کر لی۔“

”تمہیں پتا تھا شادی سے پہلے اس بات کا۔“

”نہیں کسی کو بھی نہیں پتا تھا شادی کی پہلی رات بتایا تھا اسلان نے مجھے۔“

”اور سچے نہ ہونے کی بھی یہی وجہ ہے؟“

”ہاں اس لڑکی کو میرے لڑے اسلان کا بچہ گوارہ نہیں ہے۔ اسی لیے وہ نہیں چاہتے کہ میں ماں بنوں دو بیٹیاں ہیں ویسے ان کے پاس۔“

”مگر غم یہ ہے وہ شخص تمہیں تمہارے بنیادی حق سے محروم نہیں رکھ سکتا۔“

”رکھ رہا ہے ماں باپ کے باوجود اس نے شادی ہی بے فکر کو میرا پابند نہیں کیا۔“

”ماں باپ کہاں ہیں اب اس کے؟“

”وفات ہو گئی ہے ان کی دوسراں پہلے باپ اور ابھی تین ماہ پہلے ماں اسی لیے تو وہ اس لڑکی کو یہاں گھر لانے لگے ہیں۔ جب وہ یہاں آئی ہے تو اسلان مجھے اس کی ملازمہ بنا دیتے ہیں۔ آج بھی اس لڑکی کی کہنی لگنے سے چائے چھلکی میرا پادشاں اور پیت جلا کر کھڑے بھی مجھے ہی بڑا کیا شاہ زہمی تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کر تھا؟“ بات کرتے کرتے اچانک اس نے پوچھا تھا انوشہ کو لگ رہی تھی۔ سب سے اسے شاہ زہم آفندی کا لہجہ اور الفاظ یاد آئے تھے۔

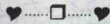
”بکواس کی تھی میں تم سے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ یوں کرتے ہیں محبت کرنے والے؟ نہیں..... میں تم سے محبت نہیں کرتی مگر اس کے باوجود تم دھڑکن بن کر میرے سینے میں دھڑکتی ہو تمہاری آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو میرا جگر کتنا ہے تم نفرت سے منہ پھیرتی ہو تو میرے سینے میں سانس اچھے لگتی ہے میں تم سے محبت نہیں کرتا انوشہ! پھر بھی تکلیف ہوتی ہے تو میں تڑپ اٹھتا ہوں۔ بالکل کر دیا ہے تم نے مجھے میں تمہیں دیکھتا نہیں چاہتا سوچنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی تم ایک بل کے لیے نگاہ سے اونچل ہوئی ہو میں مر رہا لگتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں تم پھر ہو سرجاؤں کا تم سے سر ٹکراتے ٹکراتے مگر پھر مجھ میں باز نہیں آ رہا۔ کتنی مشکل ہو تم۔“

”ہاں۔“ بے خیالی میں اس نے سر ہلا دیا تھا۔

”اودییری بیڈ۔ کیا اس کی زندگی میں بھی کوئی لڑکی تھی۔“

”ہاں۔“

”پتا نہیں میرا دیے کیوں ہوئے ہیں اور پتا نہیں ہم کو تن اس کیوں ہوتی ہیں؟“ قدرے شکستہ صباہر بن سنبھل گئی تھی۔ انوشہ کم سے کم ہنسی جاتے کیا کیا سوچتی رہی۔



وہ ابھی تھک کر آفس سے واپس گھر آیا تھا۔ جب چاندنیڑھیاں بھلا گئے ہوئے اس کے قریب ہلا آیا۔

”السلام علیکم یاپا۔“

”علیکم السلام یک باس۔ کیسے ہو؟“

”ناٹ پی پی یاپا۔“

شاہ زہم جو تے اتار رہا تھا اس کے جواب میں ایک دم سے سیدھا ہو بیٹھا۔

”کیوں؟“

”مہما نہیں ہیں گھر پر۔“

”تو آفس کی ہوں کی بیٹا! میں اس ناخوش ہونے والی کون سی بات ہے۔“

”وہ آج آفس نہیں گئیں۔ آئی تھاری نہیں ان کے آفس سے فون آیا تھا وہ بھی ان کا پوچھ رہے تھے مجھے لگتا ہے باپا میں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ میں نے کہا تھا وہ میں چھوڑ کر چلی جائیں گی۔“

اس بار چاند کے الفاظ پر اس کا دل دھڑکا تھا۔ واقعی وہ سچ بہت ڈسٹرب تھی۔ شاہ زہم نے ایک نظر چاند کو دیکھا پھر اس کا گال تختہ پتہ بنے ہوئے فوراً ٹھکرا انوشہ کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ جہاں بیڈ کے پاس پڑا کاغذ کا ٹکڑا جو وہ بیڈوں کے نیچے پڑا کر رکھ گئی تھی جیسے شدت سے اس کا منتظر تھا۔ کمرے کا کال بھی شاہ زہم نے ہی کھولا تھا۔

قلعہ سن دماغ کے ساتھ پیسوں کے نیچے باوہ کاغذ اٹھاتے ہوئے اس کی انگلیاں کپکپاتی تھیں۔ لکھا تھا۔

”میں جاری ہوں شاہ زہم کہاں..... یہ ابھی میں خود بھی نہیں جانتی مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اب واقعی آپ کے گھر میں میری کوئی ضرورت نہیں ہے چاند آپ کا بیٹا ہے اسے قدم قدم پر آپ کے نام اور آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔ میں نے بھی اچھی بیٹی بن لی نہ اچھی بہن نہ اچھی بوی اور نہ ہی اچھی ماں۔ اسی لیے میں نے اس گھر سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ میں مزید آپ کے احسانوں کے بوجھ تلے دب کر جینا نہیں چاہتی۔ جو دن میں نے آپ کے گھر کی محبت تلے ڈرا ہے ان کا عارضہ ساتھ رکھ کر جا رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں یہ پیسے کم ہیں مگر میرے پاس ان الحال یہی ہیں۔ میں نے اپنی جاب سے بھی ریزن ان دے دیا ہے۔ ریزن ان کیطراتی خط کے ساتھ چھوڑے جا رہی ہوں۔ کتنی تک پہنچا دے گا جو وہاں چاند کا بہت خیال رکھنے گا۔ اسے اس بری ماں کی کسی محسوس مت ہونے دینے گا میں آپ کے گھر سے سوائے اپنی ذات کے اور کچھ بھی لے کر نہیں جا رہی ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔“

فضلا انوشہ خط کیا تھا موت کا پیغام تھا اس کے لیے۔ شاہ زہم کو کا جیسے اس کے قدموں سے جان نکل گئی ہو۔ اس کے اس کے ارادوں کی ذرا سی بھی خبر تو وہ ہرگز اسے یہ قدم نہ اٹھانے دیتا مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟



دونوں آنکھوں کے گوشے اٹکھوٹے سے دباتے ہوئے دھرجکا کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا جب چاند بے قرار سا وہیں چلا آیا۔

”پاپا! کیا پتا چلا؟“

”کیسی کسک دے تابی تھی اس کے لیے میں شاہ زرنے اتھ بڑھا کر سے خود سے لگا لیا۔“

”میں کمر آپ پریشان نہ ہوں! جیسے آپ پا کاپول گئے تھے ویسے ہی منامیجی مل جائیں گی۔“ ہم دونوں مل کر انہیں ڈھونڈ لیں گے رات۔“

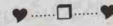
”جی پاپا“

”گڈ چلوب آپ کھانا کھاؤ، پھر ہوم ورک کر کے کالوں دیکھنا میں ذرا ریست کر لوں۔“

اس کے اعصاب اس وقت ٹوٹ چھوٹ کا ڈنکا ہو رہے تھے۔ چاند کے کمرے سے جانے کے بعد وہ کمر اندر کے انوشہ کے کمرے میں ہی بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ دونوں آنکھوں پر ہا زور کہ کراس نے لائٹ بھی آف کر دی۔

کہاں جاسکتی تھی وہ اور وہ بھی خالی تھا؟ شاہ زور کواس سے قطعی اس حافقت کی توقع نہیں تھی۔

اب وہ کہتا بھی تو کیا اگر کسی سے شہر کرتا تو یقیناً انوشہ کی رسوائی ہوتی جبکہ وہ پہلے ہی دنیا کی نظر میں معتبر نہیں تھی۔ ایک عجب دور رہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس نے اسے کہ جہاں اندوہ منوں سے جی سکتا تھا نہ مر سکتا تھا۔



بارش خوب تیز ہو رہی تھی۔

وقتے وقتے سے بجلی کی گرج چسک نے اسے اچھا خاص سہا دیا تھا۔ مگر شجاع ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ نجانے وہ کہاں تھا حتیٰ کہ دو تاس نے بھی نہیں کی تھی۔

امام گڑھا کو کھانا کھلا کر سنانے کے بعد گلاس ونڈو میں اکلڑی ہوئی باہر روڈ کے اس پار گلیئر اندھیرا تھا۔ بالکل دیباہی اندھیرا میا ہوا اپنی زندگی میں محسوس کر رہی تھی۔ اس رات ابھی جیل سے رہا نہیں ہوا تھا۔ مگر اسے اب جیسے اس کی پورا محی نہیں تھی بہت توڑ چکا تھا وہ شخص اسے اور اس میں اب مزید ڈونٹنے کی ہمت نہیں تھی۔

ایک عورت کے لیے عزت اور محبت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس رات حیدر کے دل میں اس کے لیے نہ عزت تھی نہ محبت۔ اس شخص کو جو اس سے محبت کا دعوے دار تھا اس بات سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ اوباش لوگوں کے ہاتھوں اپنی عزت کٹوا بیٹھے۔ اس کے برعکس شجاع نے بھی محبت کے بلند و بالا دعوے نہیں کیے تھے پھر بھی اسے برا لگتا تھا۔ ایک اجنبی محفل میں کسی اجنبی شخص کا اسے چھونا اور نا برا لگتا تھا کہ جو شخص ہفتوں میں اس نے ضرورت کے تحت بھی اس کی طرف دیکھنا گوارہ نہیں کیا تھا۔

وہ شخص اپنی محبت اور نفرت دونوں میں بہت ایماندار تھا۔

امامہ چپ چاپ اسے سوچے لگی۔

بجلی چھر چکی تھی اور شاید ٹوک کر قریب کے کسی ایریا میں گری بھی تھی۔ امامہ دہل کر رہ گئی۔ مختلف آیات کا ورد کرتے ہوئے وہ شدت سے شجاع کی واپسی کی منتظر تھی۔ جب وہ دعا کی قبولیت کی صورت تک اتھکا تو گاسا گھر واپس چلا آیا۔ امامہ نے اسے دیکھا اور سکون و اطمینان کی ایک لہر اس کے اندر تک سرایت کر گئی۔

آج دوپہر میں اس کی فائزہ وہ آپا سے بات ہوئی تھی اور انہی سے اسے بہت سی باتیں پتا چلی تھیں جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ وہ ابھی سونے کے لیے بیڈ پر آئی تھی کہ وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔

”مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے! اسٹڈی میں آؤ۔“  
خزاوند کی پائٹس میں اتھ گھاسے سردوہری سے کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ امامہ حیران و پریشان سی ہزار خدشوں کے ساتھ اس کے پیچھے اسٹڈی میں چلی آئی۔

”جی کیسے۔“

”صح! اپنا سامان بیک کر لینا اب مزید تم اس گھر میں نہیں رہو گی۔“

ہناس کی طرف دیکھنے اس نے فوراً سے پیٹر اپنا دعیان کر دیا تھا امامہ سن رہ گئی۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کیا گڑیا کے اسکول کا بندوبست ہو گیا ہے؟“

”جی نہیں۔“

”پھر، پھر کیوں دلیں نکالا دے رہے ہیں آپ مجھے؟ میں نے مانا کہ میں خطا کار ہوں گھنہ گار ہوں اپنے رب کی نمر..... میں نے معافی بھی تو مانگی ہے آپ سے آپ نے کہا تھا میں آپ کے سامنے ڈاؤن آئی میں نہیں آئی۔ ایک حرف شکایت تک زبان پر نہیں لائی میں پھر بھی پھر بھی آپ چاہتے ہیں میں یہاں سے چلی جاؤں۔“

”ہاں۔“

”نمر کیوں؟“ وہ کھسے چلائی تھی جب درخ چھیرے ہوئے بولا۔

”اس لیے کیونکہ تم کسی کی زندگی کا ناشہ ہو۔“

”نہیں یوں میں کسی کی زندگی کا ناشہ وہ سب جھوٹ تھا۔ فریب تھا میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں شجاع میں تو کیا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔“

”اگل چن کی باتیں مت کر تم جانی ہو میں تمہیں کن سے ملوانا چاہتا ہوں۔“ اس بار وہ برہم ہوا تھا۔ امامہ گھمبیری اسے دیکھنے لگی۔

”نہیں، کن سے ملوانا چاہتے ہیں۔“

”تمہارے ماں باپ سے ان ماں باپ سے جنہوں نے پانچ سال کی عمر میں تمہیں کھو دیا تھا۔ وہ نہ نب لی اور اس کا شوہر تمہارے ماں باپ نہیں تھے۔ تمہارے ماں باپ حسن انکل اور طاہرہ آختی ہیں۔ جن سے تمہیں چھین لیا گیا تھا۔“ ہر سوئے سارے حقائق اور جان کو کتہہ ہماری زندگی کی کہانی کیا ہے۔“

قطعی دھڑکتی سے کہتے ہوئے اس نے ڈی ایس حزام کی تیار کردہ فائل اور چند نوٹس اسٹڈی ٹیبل پر پینچ

دے تھے۔ امامہ جیسے برف ہوئی۔

مشہور مصنفہ سمیرا شریف طورو کے قلم سے ایک اور شاہکار

”تم چاہو گی تو میں تمہیں ڈائیورس دوں گا۔ مگر یہ طے ہے امامہ حسن کہ ہمارے راستے اب کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔“

فطمی سنگدل کی سے اپنا فیصلہ سنانے کے بعد وہ وہاں ٹھہر نہیں تھا مگر امامہ ضرور بھونچکاں رہ گئی تھی۔ کیا وہ شخص اپنا نفرت میں اس حد تک بھی جاسکتا تھا؟

## ٹوٹا ہوا تارا

یہ کہانی ہے اس ٹوٹے ہوئے تارے کی جو اپنے مارے ہٹ کر خلا کی وسعتوں میں کھینکھو گیا ہے۔

یہ استغلاہ ان رشتوں کا جو اپنے مارے ہٹ کر زمانے کی سرد گرم میں اپنی اپنی زندگی کی جمع پونجی خرچ کر رہے ہیں۔

کچھ دانستہ.....

کچھ نادانستہ.....

ٹوٹا ہوا تارا رشتوں کی وہ اصل کھوج ہے جو آخر کار پایہ تکمیل تک پہنچ جاتی ہے

یہ ٹوٹا ہوا تارا اپنی شناخت تلاش کرتے کرتے اپنے مارے سے آلتا ہے۔

کیسے؟

(یہ پڑھیں گا ٹوٹا ہوا تارا میں)

اس نے وہ رپورٹ پڑھ لی تھی اور اب پچھلے چالیس منٹ سے خوب رونے کے بعد وہ شجاع حسن کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس شخص نے اس پر ایک اور احسان کیا تھا کہ اسے اس کی پہچان لوٹا دی تھی۔ وہ جو بھری دنیا میں خود کو بے آسرا سمجھ رہی تھی یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ وہ ایک رئیس آدمی کی چوتھی اولاد ہے کتنی پرسکون ہو گئی تھی۔

اسے یاد آرہا تھا حصہ بیگم جب بھی زینت بی سے ملتی تھیں ان کی باتوں میں کسی حسن رضا اور حیدر عباس کا ذکر ہوتا تھا۔ امامہ نے کئی بار زینت بی سے ان دونوں ناموں کے بارے میں پوچھا تھا اور جواب میں ہمیشہ انہوں نے اسے فرضی کہانی سا کر ٹال دیا تھا۔

اسے یاد آرہا تھا کہ جب زینت بی کی وفات ہوئی تھی تو وہ بہت بے چین تھیں۔ بار بار اسے کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر زبان بندی کی وجہ سے جھٹ جھٹا کر رہ جاتیں۔ ارسلان حیدر کے بقول حصہ بیگم نے بھی مرنے سے پہلے اسے اپنے پاس بلانا چاہا تھا بہت ممکن تھا کہ شاید انہوں نے ارسلان حیدر کو ساری سچائی بھی بتا دی ہو۔

وہ سوچتی رہی اور آنسو بہاتی رہی۔

شجاع بٹینہ میں تھا جب اسے اپنے پیروں پر کسی کے نرم ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا اُدھ کھلی آنکھوں سے اس نے سر اٹھا کر امامہ حسن کو دیکھا اور پھر فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”تم یہاں؟“

مگر امامہ نے اس کا سوال نہیں سنا وہ آگے بڑھ کر شجاع کے گلے لگ کر زار و قطار رو پڑی تھی۔

شجاع اس فطمی غیر متوقع صورت حال کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسے لگا جیسے اس کا جو وطوفانوں کی زد میں آ گیا ہو خوش گوار زندگی کی طرح گلے لگے وہ لڑائی اس وقت اس کے لیے کسی کڑے امتحان سے کب نہیں تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ جذباتی کھوں کی گرفت میں آتا۔ امامہ نے اپنا سر اس کے کندھے سے اٹھایا۔

”بہت شکر یہ شجاع ایک اور احسان کے لیے۔“

”اُس اوسے کب جاؤ۔“

فوراً سے بیشتر خود کو کنسلیا لے ہوئے اس نے رخ پھیرا تھا اور پھر امامہ کے بیڈ سے اٹھتے ہی کمرہ تان کر لیٹ گیا۔ اس کی دھڑکنیں ابھی تک معمول پر نہیں آئی تھیں۔ دل الگ بغاوت کے لیے آمادہ ہو رہا تھا جیسا کہ اپنے بازو پر امامہ کا ہاتھ جھلٹا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ جیسے ساکت رہ گیا۔



”آپ جانتے ہیں ناہیں ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جاؤں۔ آپ زندگی میں دوبارہ کبھی میری شکل نہ دیکھیں گے؟“ میں چلی جاؤں گی آپ زندگی میں دوبارہ میری شکل نہیں دیکھیں گے مگر بلاشبہ شجاعتیہ خدائے بے انتہا کی مدد سے جیسے آپ کے نام آپ کے حوالے کی پہچان کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔ میرا یقین ہے کہ میں خطا کا ہوں گراں گذار نہیں ہوں۔“

بیکسلے لیے میں جتنی جتنی ہوئی وہ اس کے پہلو میں جتنی جتنی اور اس کا ہاتھ اب شجاع کے بازو سے ہوتا ہوا سنے پر آ کر تھا۔ شجاع کو لگا جیسے اس پر دناؤ کا ہاتھ میں پوشیدہ صحت سے اس کی سانس جل جائے گی۔ یقیناً آج وہ اسے بخشے کے موذی نہیں تھی۔

”مجھے اپنی دہلیز سے خالی ہاتھ مت کریں شجاع“ کوئی تعلق کوئی زنجیر تو ہونی چاہیے ہمارے درمیان تاکہ زندگی کا سفر آگے لے سکیں۔ وہ اپنے گناہ پر تو تھوڑا رنجیدہ تھا۔

دھیسے بھیسے میں بھی وہ اسے مہار کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔ وہ جیسے ڈھکیا۔

پلٹ کر ایک نظر امام حسن کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنے لب اس کی سر پریشانی پر دھڑکیے تھے۔ وہ لڑکی اس کی دہلیز سے خالی ہاتھ جانے کی خواہش نہیں تھی اور دوسرا اس کا اپنا دل تھا کہ کوڑے لگے وچل رہا تھا ساری بار گمانیاں ساری اتنا اس لیے منہ پھینک کر سو گئی تھی۔ اسے یاد رہا تو محض اتنا کہ امام حسن اس کے نام سے منسوب ہے۔ اور ایک ایسی سر زمین کی مانند ہے جو اس کی دھڑکن میں ہوتے ہوئے بھی میرا ب ہونے سے محروم رہی ہو۔

دیکھا کہ اس کی صورت موتی برساتی رات ایسے بیت گئی تھی جیسے کوئی حسین خواب ہو۔ صبح دن کا اجالا بھیلنے کے بعد شجاع کی آنکھ کھلی گئی تھی۔ ایک لمبے کے لیے تو اسے سمجھ میں ہی نہیں آ کر یاد کیا ہوا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے جب اسے اپنے پرے خبر ہوئی امام حسن کے جود کا احساس ہوا تو رات کے تمام پر کیف لحاظ کی فلم کے یادگار سین کی مانند اس کے ذہن کی اسکرین پر ایک کے بعد دگرے چھٹا چلے گئے۔

امام حسن نے خود کو پارسا ثابت کر دیا تھا۔ بے شک اس نے اس کی امانت میں خیانت نہیں کی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اسے اپنے دل میں کوئی مقام دیتا۔ ایسا اسے خود کو کے ذہن میں گونجنے والے الفاظ نے اسے جیسے نمک کر دیا۔

”جنا بکل رات بیٹری کی لڑکے کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑی گئی ہے۔“

اور لڑکا کو تو تھا ارسلان حیدر۔ وہ ارسلان حیدر جس کے لیے اس نے اسے زہر دیا تھا۔ وہ ارسلان حیدر جس کے لیے وہ اس کے گھر میں بیٹنی کی آباپن کر رہی تھی۔ بچپن سے جوانی تک جس کے نام اس نے اپنا پر لہر کیا تھا۔ شجاع کے ذہن میں وہ سارے ایڈسارے کے کرشمے گونجنے لگے تھے۔ جن میں اس نے ارسلان حیدر کے لیے کام کیا تھا۔ کس کس نے نہیں دیکھا ہو گا اس کرشمہ میں اسے۔ کوئی جگہ ایسی ہی نہیں جہاں اس نے اس کی عزت نہ اچھالی ہو۔ کیا وہ محفلوں میں یادداشتوں کے سامنے اپنی بیوی کی حیثیت سے متعارف کروا سکتا تھا؟ صرف ایک محبت کے لاؤ میں اس لڑکی نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔

شجاع کو لگا جیسے امام حسن کی جگہ اس کے سینے سے آگ لپٹی ہوئی تھی۔ یہ قلعی درختی سے اس نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے پرے ڈھکیل دیا تھا۔ امام اس اچانک جو نچال پر ہڑرا کر بیدار ہوئی تھی۔

”مجھ ہو گئی ہے اب جاؤ اپنے کمرے میں۔“

رات خوش بو اور موتی لٹانے والے لب اب ایک دم سے دن کے اجالے میں آگ برسانے لگے تھے۔ وہ شام کی تھوڑی تھی۔

”رات جو کچھ میں نے تمہیں دان کیا اسے اس گھر میں اپنی خدمتوں کا معاوضہ سمجھ لینا اب جاؤ۔“ کتنی حقارت تھی اس شخص کے لہجے میں۔ ایک لمحے میں وہ عرش سے فرش پر لے آیا تھا۔ امام کا دماغ جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔

پچھلی پچھلی ہی نگاہوں سے کتنی ہی دیر اسے دیکھنے کے بعد وہ روتی ہوئی اس کے کمرے سے نکلی تھی۔ کسی بد نصیبی تھی کہ اپنا آپ اس کے قدموں میں بچھا کر بھی اپنی پاکیزگی ثابت کر کے وہ بھی وہی شخص کی نفرت کے کراف سے باہر نہیں نکل سکی تھی۔

کڑیا ہاتھ چمکی اور اب اسے ڈھونڈ رہی تھی مگر وہ کراہنے کے روتی رہی۔

دو پہر میں فریش ہو کر وہ کمرے سے باہر نکلی تو اس کا چہرہ خوب سرخ ہو رہا تھا۔ شجاع نے اپنی بیٹی کو اب تک اس کی ناسازی بیچ کا تھکا کر بھلا یا ہوا تھا مگر اب امام کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف ایک آئی تھی۔

”مما کہاں ہیں۔ میں نے انکس کیا آپ کو۔“

امام نے جبکہ کراس بیا کر یا پھر بنا اس کے سوال کا کوئی جواب دیے وہ اس کا ہاتھ تھام کر شجاع کی طرف چلی آئی۔

”آپ مصروف نہ ہوں تو چلیں؟“ ساٹ لمحے میں عجیب سا رد تھا۔ وہ نظر میں چرا گیا۔

”ہاں اماں سامان لے آؤ میں گاڑی لٹاؤں گا۔“

”مما کہاں جا رہی ہیں۔“

شجاع کے وہاں سے اٹھتے ہی لڑکیا نے چل کر اس سے پوچھا تھا جواب میں اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”ہسپتال۔“ کمرے سے لے کر اس نے چل کر اس سے پوچھا تھا جواب میں اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”میرے لیے بھیالینے۔“

”ہاں۔“ جانے کیوں وہ اس کی کوتاہی پہنچا ناہیں جانتی تھی۔ گڑباے طرح خوش ہو گئی۔

شام کے دھندلے کھلے کھلے گھر سے ہو رہے تھے۔ جب وہ ”حسن پھیل“ پہنچی تھی۔ کھرے اب تک

شجاع حسن نے اس سے کوئی بھی بات نہیں کی تھی۔

حسن رضا صاحب کو شہت سے اس کی آمد کا انتظار تھا۔ حیدر عباس صاحب اور ان کی بیگم بھی وہیں موجود تھیں مگر ان دونوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ کون آ رہا ہے۔ کیٹ کے پاس پارس وقت شجاع کی گاڑی رکھی۔ حسن صاحب فوراً اٹھ کر کیٹ کی طرف لپکے تھے۔ امام گاڑی سے نکلنے کے بعد کیٹ کے قریب آئی تو چوکیدار نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

جواب میں امامہ نے حیران ہو کر سوالیہ نگاہوں سے شجاع کی طرف دیکھا تھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔  
 ”نیلا لڑم ہے ابھی اسے میرا اور امامہ کی کہانی کا علم نہیں ہے چلو“ اس کی وضاحت پر وہ خاموشی سے  
 گئے بڑھی گئی۔

جس وقت وہ گیت کے قریب پہنچی یمن اسی لحسن رضا صاحب گیت سے باہر آئے تھے۔ امامہ بزرگاہ بڑے ہی ان کے ضبط کا پادشاہ و زیر ہو کر بیٹھا تھا۔ وہ بالکل حیران حسن کا نکلس تھی۔ حسن رضا صاحب کو لگا وہ گریز ہیں گے۔ جم کا یو جھہ بہا نہ اس لمحے سے پہلے بھی انہیں اتنا مشکل نہیں لگا تھا۔

امامہ کے قدم بھی انہیں دیکھ کر زار سا لٹوٹے تھے۔ تنجاء اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے تنجاء اور لیٹی بھی دکھا دی۔ ظاہر ہو گیا کہ مصوٰت حال کا غم نہیں تھا وہ گیت پر آئی تو حسن صاحب امامہ کو گلے سے لگائے زار و قطار رو رہے تھے۔ وہ شا کڑہ گئیں۔

”مم۔۔۔ میرال۔۔۔!“

”جیسے طاہرہ بیہ امامہ ہے ہماری گمشدہ بیٹی۔“  
 ”کیا؟“ طاہرہ بیگم کے بھائی کی پٹھنی کی پٹھنی رہ گئی تھیں۔ حسن صاحب اب امامہ کو چوم رہے تھے۔  
 ”ہاں طاہرہ بیہ امامہ ہے پندرہ سال پہلے اس حصہ اور اس کی بہن نے اسکول سے غوا کروایا تھا۔ مجھے  
 اس پر انیسویں جنوری ۱۹۷۱ء کو پہلے سب کچھ بتادیا ہے۔ یہ قدرت کے کھیل ہیں طاہرہ۔ جب وہ انسان سے کچھ  
 لیتا ہے تو بہت کچھ توڑ بھی دیتا ہے۔“

طاہرہ بیگم کا جسم کانپ رہا تھا۔ امامہ کو بے یقینی سے دیکھتے ہوئے وہ اس کی طرف لپکی تھیں اور پھر اپنے ساتھ لپیٹا تے ہوئے بری طرح رو پڑی تھیں۔

امداد کا کٹ کر رہ گیا۔ ایک مہرے کے بعد ”حسن بیس“ کے کیڑوں کے بے حس جسموں میں زندگی کا اساس جا کا تھا۔ شجاع خاموشی سے سب بچکتا رہا۔

امید کے گلے لگ کر دوتے ہوئے طاہرہ بیگم بے ہوش ہو گئیں۔ ملازمین میں بیس بچ گئی۔ میرال کی غیر متوقع موت کے بعد وہاں حسن بیس میں روز کا نئی کہانی جنم لے رہی تھی۔ شجاع طاہرہ بیگم کو اپنے مضبوط بازوؤں کا سہارا دیتے ہوئے ان کے کمرے میں لے آیا تھا۔ حسن بیس میں اس رات کی بہت خاطر مدارت ہوئی تھی مگر..... دھولہ آٹا تھا۔

اسی ہفتے گریٹ بوریڈنگ بچوانے کے بعد وہ خود اپنی فیلڈ کی طرف سے وزٹ پر ملایشیا چلا گیا۔ تاہم جانے سے قبل اس نے ارسلان حیدر کو جیل کی سلاخوں سے نکال کر حیدر عباس صاحب اور ان کی بیوی کے سہرہ دکر دیا تھا۔

تجھ کو نہیں احساس کہ اے دل تیری خاطر  
اک شخص بڑے کام کا بیکار ہوا ہے

صاعقہ احمد کے گھراؤ کے بعد وہ جیسے جیسے اس پر اپنا چہرہ قرار رکھ رہی تھاتھا صاعقہ اس کی طرف دیکھنے کی بجائی  
 روڈ انڈیکس کی گم..... وہ اس سے مانگا چاہتا تھا۔ صرف ایک باس سے اس کی بے وفائی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔  
 اعلان حیدر کے ساتھ تھری برسات میں اس کی تنہائی نے اس کے اندر جیسے آگ لگا چھڑی ہو گئی تھی۔ اس  
 روز وہ آفس نہیں آئی تھی عباد کی بے قرار روح کی مانند وقفہ وقفہ سے اس کے کہیں کا چکر لگاتا رہا۔ اگلے  
 دو روز کے بعد وہ اس سے پھر روڈ پر ملی گئی۔  
 عباد رضوی کام سے جا رہا تھا مگر پھر بھی اس نے گاڑی صاعقہ کے قریب جا کر روکی تھی۔  
 ”بھئی“

فرزٹ ڈور کھول کر قطعی سپاٹ چہرے کے ساتھ اس نے جیسے حکم جاری کیا تھا۔ وہ رخ پھیر گئی۔  
 ”میں چلی جاؤں گی۔ آپ جائیے۔“

”صاعقتی اس وقت سے بحث کے موزوں میں نہیں ہوں بلکہ پورے پیشہ جاوید، بشکل وہ خوب پر مدبر لکھے ہوئے تھا۔ صاعقت اس کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی چیپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اگلے تیس منٹ کے بعد وہ شہر کے سب سے لمبے رستوران میں عبادیاد کے مقابل میز پر پہنچی۔

”توبہ وجہی میری زندگی سے تمہارے یوں چیپ چاپ چلے آئے گی۔“ بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ ہاف فولڈ کنبیاں نیل پر نکالتے ہوئے اسے دیکھ پایا تھا۔ صاعقتی آنکھوں میں تیزی سے آنسو جمع ہونے لگے۔

کیوں؟ محض اس لیے کہ اس کے پاس مجھ سے زیادہ دولت ہے۔“

”ہاں۔“ وہ دبے دبے لہجے میں چلا رہا تھا اور وہ رخ پھیرے رو رہی تھی۔

”میں نہیں، صاعقہ احمد میری محبت آتی تھی نہیں ہو سکتی۔ لوگ کہتے ہیں مرن کلاس لڑکیوں کو دودھ کی بھوک ہوتی ہے۔ وہ دیر تک ریز لڑکیوں کے دل کو نہیں، جب کو دھیتی ہیں۔ کہہ دو کہ غلط کہتے ہیں پیز۔“

بے خودی میں نکھرتے ہوئے اس نے صاعقہ احمد کے سر دھاتھ تھام لیے تھی۔ مجھے شاید وہ ہوش میں آئی تھی۔ اُنکھ سے انگارے بن کر ٹوٹنے والے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ عمار کی گرفت سے نکالا تھا۔

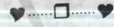
”نہیں“ لوگ جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔ محبت دل کلاس لڑکیوں کا دردمن نہیں ہے۔ نہیں جانتیں دل کلاس لڑکیاں محبت کی سحالی کو میں نے بھی تم سے تمہاری دولت کے لیے التعلق رکھا تھا لیکن جب مجھے پتا چلا کہ تم سڈنی چلے گئے تو یہ کہ تمہاری شادی تمہاری لڑن سے طے ہو چکے تھے لگا میں زیادہ عرض نہ کر سکتا تھا بے وقوف نہیں جانتی تھی۔ اسی لیے میں تمہاری زندگی سے نکل آئی۔ تم میری منزل نہیں تھے۔ عباد باور گمراہ اذلان جیلوری کی منزل ہے کیونکہ تم اب اس سے پیار کر رہی ہو۔ یہ حد پیر میرے اور اس کے بیچ آنے کی کوشش کر دو۔“ اس کے کچھ میں سر دھری کی عباد باور کو لگا وہ بے تلبہ دہ گیا ہو۔

”ورنہ؟“



”ورنہ جو لڑکی تھیں بے وقوف بنا کر چھوڑ سکتے ہیں وہ تمہاری جان بھی لے سکتی ہے۔“

عباد یادر کے پتھر ہونے وجود کو اس نے ایک لمحے میں جیسے پاش پاش کر دیا تھا۔ رہ سطوران کے باہر ملکی بلکی بارش ہو رہی تھی مگر عباد کے لیے اندر باہر چاروں طرف ان دیکھی سی آگ جل رہی پڑی تھی جس میں دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دل سے میت سارا وجود مسمار ہو گیا تھا۔



اس نے سونا بنا کے مٹی سے  
مجھ کو مٹی کے بمباد بچ دیا

ہمدانی جیلنس سے در بدری کے بعد وہ اسے اپنے ایک دوست کے فلیٹ پر لے آیا تھا۔ اس کی طرح اس کا دوست بھی ایک امیر کبیر باپ کا بکڑا اور اسی وقت تھا آج کل زاویہ اس سے کنارہ کش ہو کر اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس روز زاویہ نے ٹائٹ فلیٹ میں بارش رکھی تھی۔ وہ اسی پارٹی میں شرکت کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جب وہ چپ چاپ کی آنکھ کر اس کے قریب چلا آئی۔

”عدی! میں یہاں اس فلیٹ میں خود کو محفوظ محسوس نہیں کر رہی۔ کیا ہم کہیں اور نہیں رہ سکتے۔“

وہ پلٹا تھا اور پھر ایک طرف اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔

”کیوں یہاں کیا ہے تم تو بڑی بہادر رہتی تھیں۔ اب کیا ہوا؟ کیا اب بے خدا پرہیز و سائیں رہا تمہیں۔“

ہنس کر استہزاء یہ لکھتے ہیں کہتے ہوئے وہ پر غم کا سپرے کرنے لگا تھا۔ وہ سر جھکا گئی۔

”صاف کیوں نہیں کہیں محسوس میں رہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ محبت اور فرما کر رہا رہی کی مالا

گلے میں لٹکا کر کسی فلیٹ میں نہیں رہ سکتیں تم۔“ وہ ٹھٹھکی چوٹ پہنچانے اور دل جلانے میں ماہر تھا۔ گوری ایک نظر اس کے شاندار سراپا پر ڈالتی

واپس پلٹ گئی۔  
شام کے دھندلے گہرے ہونے لگے تھے۔ باہر تیز بارش کے ساتھ آندھی طوفان نے گوری کو سہا دیا تھا وہ شدت دل سے عدنان کی گھر واپسی کی دعا کر رہی تھی۔ یہی دروازہ بجا تھا۔ وہ دوپٹا اچھی طرح اپنے گرد لپیٹنے کے بعد بارش میں بھٹکتی دروازے تک آئی تھی۔

”کون؟“

”عاطف“

اس کے سوال کے جواب میں عدنان کے اسی دوست کی آواز آئی تھی جو اس فلیٹ کا مالک تھا۔ گوری کا ہاتھ دروازے کی کنڈی تک جاتے جاتے رک گیا۔

”بھائی عدی ابھی گھر نہیں ہیں۔“

”مجھے پتا ہے بھائی عدی میرے ساتھ ہی ہے! یکسٹینٹ ہو گیا ہے اس کا بری طرح زخمی اور بے ہوش ہے۔“

عاطف کی آواز میں اسے کرب محسوس ہوا تھا۔ تبھی جیسے اس کا دل ڈوب گیا۔ وہ اس شخص سے متعلق ایسے

ان حادثات کا شکار تو رہتی تھی اس کے اندر کی کوئی چیز اسے دروازے کی چٹختی گرانے سے روک رہی تھی مگر باہر اپنے شوہر کے زخمی اور بے ہوش ہونے کی اطلاع پا کر وہ دماغ کے بجائے دل کو برتری دے گئی۔ کیا پاتے انہوں سے جیسے ہی اس نے چٹختی گرائی نا عطف دروازے کو اندر کی طرف دھکیلتا گھر کے اندر محسوس آیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی فوراً اس نے چٹختی گرائی تھی۔

گوری اس اچانک افتاد پر جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

”کیا بھائی انکی بری سے بارش میں کھڑا ابھیک رہا ہوں مگر آپ کو کوئی احساس ہی نہیں شوہر کا دوست نہ سہی اس گھر کا مالک سمجھ کر ہی دروازہ کھول رہی تیں۔“

اپنے فریب پر کھینکی سے سکراتے ہوئے وہ گوری سے ہنسنے لگا اور خوب توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ اچانک حواس میں واپس پلٹتے ہوئے اندر کے کمرے کی طرف بھاگی۔ بے جاان وجود میں صرف دل کے جڑاؤں کی رفتار میں دھڑکنے کا احساس ہو رہا تھا۔ تاہم مکاری اور عیاشی میں ماہر عاطف سزاوری نے اس کی یہ کوشش فوراً اس پر جھٹکتے ہوئے ناکام بنادی۔

”ارے کہاں بھاگ رہی ہیں مہمان ہوں آپ کا کوئی خاطر تواضع نہیں کریں گے۔“ انھیں شخص کے منہ سے شراب کے ہنسنے لگا رہے تھے۔ گوری کی روح بلبلانے لگی۔ اس کے نو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شوہر کو ہدایت کے رستے پر لانے کی کوشش میں وہ اپنی عزت کی اعلیٰ چادر کو ایک عیاش کے ہاتھ میں دے بیٹھے گی۔ ”چھوڑ دھمچھ۔“

”چھوڑ کے ہی جاؤں گے۔ میں نے کوئی اچا تھوڑی دالنا ہے آپ کا۔“ اس کے خوب صورت وجود کو اپنے حصار میں کتے ہوئے اس نے پھر مینٹی دکھائی تھی۔ گوری کی روح بلبلانے لگی۔

”نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے! خدا کا واسطہ ہے تمہیں میرے ساتھ ایسا تم کر دو تمہاری بہنوں جیسی ہوں میں۔“

”میری کوئی بہن نہیں ہے۔ ہوتی بھی تو اتنی خوب صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ کیوں بندھی ہوئی ہو عدی سے وہ بے وقوف شخص کیا وہ سکتا ہے تمہیں میری طرف دیکھو۔ دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہوں میں۔“

گر جبے دالوں اور کڑکتی کپڑی کی پردا کے بغیر وہ شیطان اپنی پلاننگ پر عمل کر رہا تھا۔ زاویہ نے اس سے عدنان ہمدانی کی بر باد پائی تھی اسے اور وہ اس کے لیے عہد کے مطابق اسی کی عزت کو نیلام کرنے چلا آ رہا تھا۔ گوری اب چلا رہی تھی۔

”چھوڑ دھمچھ میں تو خدا کا قہر نازل ہو گا۔“

”ہاہا! بچہ سمجھ کر ڈرامہ ہی نہیں مجھے سوری میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ویسے بھی اس ملک میں سوائے خدا کا قہر نازل ہونے کے اور کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ دیکھئے نا کتنا اچھا ڈرامہ میں پہنا ہوا ہے آپ نے۔“ وہ اپنی حدود کو راس کر رہا تھا۔ گوری نے خود کو اس عیاش شخص کے نولادی نیچے منقطع بیٹے بن محسوس

کرتے ہوئے ایک نظر اوپر رستے آسمان کی طرف دیکھا اور بلک کر رو پڑی۔

”بھیل! اب اور ذلت و رسوائی نہیں میرے مالک مجھے اس آزمائش میں ڈال جو میری دنیا و آخرت تباہ کر رکھ دے۔ میری عزت کی چادر تیرے ہاتھ ہے مالک اسے داغ دار ہونے سے بچالے۔“

اُسے بھانجی کی ہر کوشش کرتی وہ دل ہی دل میں سسک پڑی تھی۔ جب عارف نے نیل پر زاویہ کی کال آگئی۔ اس نے نیل پاگت سے نکال کر چپک کر بغیر کوئی کوٹھیٹ کر برآمدے کے ستون سے

باندھا اور پھر اطمینان سے نیل نکال کر وہاں زاویہ کی کس کال نہ کر دیا اسے کال بیک کر دی۔

”اسٹوڈنٹ کال نہیں نہیں اٹھا رہے تھے؟“

چکی نیل پر ہی کال چیک کرتے وہ بھنائی تھی۔ وہ مسکرایا۔

”مصرف تھا بھائی بی کے ساتھ اس لیے نہیں کیا مصیبت ہو گئی؟“

”مصیبت کے بچے وہ گھر کے لیے نکل پڑا ہے اب تک وہ پہنچ بھی گیا ہوگا اگر اس نے تمہیں وہاں دیکھ لیا تو تہناری خیر نہیں۔“

”نیری خیر کی فکر چھوڑ دو تم عارف نام ہے میرا کچھ نہیں کہتا میں تک تک تمہیں مطلوبہ نتائج میں تو نام بدل دینا میرا،“ تب دیکر مسکراتے ہوئے وہ پچھوادی سوچ رہا تھا۔ زاویہ لائن ڈراپ کر گئی۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ باہر مرکزی دروازہ ان لاک کرنے کے بعد گوری کو ستونوں سے بچ کر بیروم میں لے آیا۔

”جیسے بھائی جی آگئے آپ کے شوہر نامہ رکنی پاک باز ہیں آپ..... وہ کیا کہتے ہیں اللہ اللہ کرنے والی مگر..... ہو گیا کیا..... آپ کا عقل کا اندھا شوہر آپ کے اس حسین اور خوب صورت وجود کو میری مانیوں میں دیکھ کر غصے سے پاگل ہو جائے گا۔ آپ رو رو کر اپنی پراسانی ثابت کرنے کی کوشش کریں گی۔ مگر وہ یقین نہیں کرے گا وہ اسی پر یقین کرے گا جو اسے میں بتاؤں گا۔“

وہ صدمے سے گنگ تھی اور وہ شخص اسے مزید مسما کر رہا تھا۔ عدنان جس وقت دروازہ کھلا پا کر قدرے غصے میں بیروم کی طرف آیا۔ عارف گوری پر جھکا ہوا تھا اور وہ جیسے بے جان ہو گئی تھی۔

وہی گوری جس کی دہان پر کاکڑ کے سر مڑی وہی دل چاہا کرتے تھے۔ کتنی آسانی سے ایک شیطان شخص کی کبروہ پانگت میں سارہ ہو گئی تھی۔ عدنان کو یقین ہی نہ آیا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھا گیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ گوری غلط کردار کی لڑکی نہیں ہے۔ مگر بنگھر میں اس کا دوست اندر کیسے آیا۔ یہ سوال طوفان بن کر خون کی صورت اس کی شرابیوں سے نکل رہا تھا۔

عارف نے عدنان کو دیکھ کر گوری کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے حس و حرکت پڑی تھی۔ عصمت پر آنچ آئے بغیر بھی اسے لگ رہا تھا اس نے جیسے سب کچھ دیکھا ہو۔ مگر عدنان بے حس و حرکت نہیں رہ رہا تھا۔ گوری کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ عارف پر پل پڑا تھا۔ عارف جانتا تھا کہ وہ جذباتی ہوگا مگر اتنا بھاری پڑے گا۔ یہ اس کے علم میں نہیں تھا۔

## عظمیٰ خان

اسلام علیکم! شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ آنحضرت قارئین اور اسلاف کو عظمیٰ خان کی طرف سے بڑا خالص سلام۔ میرا نام عظمیٰ خان ہے اور میں پیارے سے گاؤں ڈھیر موٹھ میں پیدا ہوئی میری تاریخ پیدائش 11 فروری ہے۔ میرے تین بھائی اور میں اٹھویں بہن ہوں۔ جی ہاں بالکل لاڈلی چکی ہوں! امی سے بہت اچھا ہوں۔

میں ایف اے کی اسٹوڈنٹ ہوں ابھی ایسائنڈ پارٹ کے پیپر دے رہے ہیں۔ میں زیادہ اچھی اسٹوڈنٹ نہیں رہی مجھے پیپر ز سے بہت لگاوے۔ آج کل سے وائٹنگ بہت پرانی ہے پہلے پہل تو چپ کر دیتی تھی کہ ایوڈیٹ نہ ہوں لیکن اس میں اچھی کہانی الیوگوسانی ہوں جو کہ پینڈ کر رہے ہیں اور وہ مفت نہیں کرتے۔

میرا پینڈ یہ مغلہ ڈائجسٹ اور میگزین پڑھنا ہے میری پسندیدہ راکرز نازے، نکول نازی اور کیرا اشرفی ہیں۔ نازی بی! آپ کے تو کیا کہنے یو! روسوٹ۔ میرا بڑا دل تاتا ہے آپ سے ملنے کو۔ پسندیدہ کہانی ”پتھر لوں کی چلوں پر“ اور ”اور کچھ خواب“ ہے۔ پتھر لوں مجھے سارے ہی بہت اٹھنے لگتے ہیں۔ مجھے حاجت کا تو بے حد عشق ہے۔ پوری دنیا گھوم لوں لیکن مجھے کام نالوں۔ کھانے میں چکن ملاؤ اور قیہ۔ پسند ہے مجھے میں سب کچھ ہی اچھا لگتا ہے چلوں میں آم پسند ہے جی۔ میرا دل کرتا ہے میں اللہ کے گھر حائل اور وہاں رہ جاؤں! اللہ سب کو گھر کی زیارت کروائے آمین۔ مجھے بڑا خالص اور سچو لوگوں سے بے حد محبت ہے۔ میں کسی سے بھی ناراض نہیں رہا اس لیے اعلیٰ اللہ کی بندگی ہوتا جاتی ہوں۔

خوب صورت چیزیں اور لوگ بہت افریکٹ کرتے ہیں خوب صورت جگہوں کی یاد دہانی ہوں۔ ہر کی پر چل د اعتبار کرتی ہوں جو کچھ نہیں! کہیں! ہمارا کاغذیاد بھی جھٹکتا پڑا۔ امیری بہت ہی دوست ہیں اور میں بھی۔ میں کا مطلب ہاشل کی دوستی کچھ سے رابطہ ہے اور امید اب کچھ سے ہو جائے گا۔ میری کچھ بہن دوست ساند بہت ہی اچھی دوست ہے اور میری کزن جی عظمیٰ اینڈ ساند کی طرف سے شاہ حسن نصرت ماہیہ سارہ شائستہ اور شہینہ کوڈھیر سارا سلام۔

ریڈیو میں کام کرنے کا بھی بے حد شوق ہے اگر کسی موقع ملا تو ان شاء اللہ ضرور کروں۔ مجھے پڑھنا بھی اچھا لگتا ہے ہرے سپورٹ میں تو میری زبان سے ہر دن کتنی کچھ نکلتی ہوں وقت کا بٹائی نہیں چلتا۔

مجھے اسے دین سے تو بہت محبت ہے۔ اگر ہم سب مل کر اپنے وطن کے لیے خالص محبت سے کام کریں تو ہمارا ملک جنت کا بواہر بن جائے گا۔ میں اب بھی اپنے پیارے ملک پاکستان کو جنت سے کم نہیں سمجھتی۔ وہ! جی! کیا بات ہے چاہے گھر کی۔

اس روز عارف سبز واری کو مار مار کر بے ہوش کرنے کے بعد اس نے اتنی شراب پی لی تھی کہ خود اس کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔



دیکھ دو میرا مت آنا

میرے اندر کتنے صحرا اچھیل چکے ہیں

تہنائی کی ریت نے میرے



معروف مفسر قرآن پاک کے طالب علم مشتاق احمد قریشی کی تازہ پر مقرر تحقیق

سورۃ النصر قرآن حکیم کی آخری سورتوں میں شمار ہوتی ہے

سورۃ النصر مکمل صورت میں آخری وحی کی گئی

یہ سورۃ حجۃ الوداع کے موقع پر آیا مشرق کے وسط میں مئی کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی

اس سورۃ میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے

سورۃ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے

# تفسیر سورۃ النصر

مفت محمد رفیع اسلمند

مسلمت کے نو جوانوں کو قرآنی تعلیمات کے مطابق عملی زندگی گزارنے کی ہدایت و رہنمائی فرمائے۔

حافظ علی احمد شاہ

"سورۃ النصر" کا مضمود میں سے مختلف مقامات سے پر حاصل گوش ہوا۔

عقلمانی خالد محمود

اللہ تعالیٰ ان کے اس تفسیر کی سلسلہ کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے آمین۔

مولانا محمد رفیع شاہ

سورۃ نصر کے ایک ایک لفظ کے تحت مزید کی آیات کی تفسیر اور تفسیر ہر حصے کے لیے قاری کو مل جاتی ہے۔

اسلامی سب خانہ احمد رکیہ غزنوی روڈ اور بازار لالہ ہور۔ 0423-7116257

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز 7 فرید چیمبر رعد اللہ بادلون روڈ کراچی۔ 0213-5020771/2

سارے دریا پاات لیے ہیں  
اب میں ہوں اور میرے تجربہ کی بوجھل تہہ ہے

دیکھ دیکھ میری ان بر قاب ہیوں میں

تیری ان بے خواب ہیوں میں

خواب سوئے کون ہے گا؟

روح کے اندر کرنی بر فیں

کون چنے گا؟

دیکھ دیکھ اب مت آتا

"مما ہم پاکستان کب چلیں گے"

شدید سر دھوم میں بیڈ پر بیٹھی وہ مستنصر حسین تارو کی قربت مرگ میں محبت کا مطالعہ کر رہی تھی جب اس کی چار سالہ بیٹی نے اس کا ہدیان بنا تے ہوئے پوچھا۔ از لہ شاہ کے اندر جیسے سانا پچھل گیا۔

از حد حیرانی کے ساتھ اس نے چونک کر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔

"پاکستان..... کبھی نہیں۔"

"عمر کیوں میری فرینڈ اپنی ماما کے ساتھ پاکستان گئی تھی۔ وہ بہت تعریفیں کرتی ہے پاکستان کی۔

سارے دن اسکول میں پاکستان کی باتیں سنانے سے ماما مجھے پاکستان دیکھنا ہے پلیز۔"

اس کی بیٹی اہل اب بیڈ پر چڑھ آئی گی۔ وہ ضد کر رہی تھی۔

از لہ کے اندر پھر سے طوفان اٹھنے لگے۔

"ہیں، کبھی نہیں دوبارہ پاکستان کا نام لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ کبھی تم؟" سرخ چہرے کے ساتھ اس کا تنہا بھی تیز ہو گیا تھا۔ چھٹی سی بیٹی ہم کر رہی تھی۔ ایک نکت سے سب کچھ بدل گیا تھا اس کی آنکھیں

پھر سے جلنے لگیں۔ ٹوٹ کر رونے کی خواہش میں اعصاب خنسنے لگے تھے۔ بچی روتے ہوئے کمرہ چھوڑ گئی تھی مگر وہ اب بھی رو رہی تھی کھٹوں کے گرد دونوں بازو لیے اور قطار رو رہی تھی۔

چار سال بچل جب وہ پاکستان سے انگلینڈ آئی تھی تو بہت پر جوش تھی۔ سانول شاہ اسے گاؤں سے شہر چھوڑنے آیا تھا۔ بہت سے عہد تھے جو اس نے ایئر پورٹ پر سانول شاہ سے کیے تھے۔ وہ خاموش تھا اس کے چہرے پر آنے والے وقت کی جدائی کے خدشات صاف دہکتے تھے۔ از حد تنہید چہرے پر سرخ ذروں

والی آنکھوں کا کرب پہلی بار از لہ شاہ پر سانول کی شدید محبت کا راز کھل گیا تھا۔ وادی ماں اس کے ساتھ آئی تھیں اور بہن وادلی مراد پہلے سے نہیں تھا۔ وہ انگلینڈ آنے کے بعد دو تین ہفتوں تک سخت بے قرار تھی مگر پھر

جیسے ہی پاکستان سے سانول شاہ کے خطوط آئے گا نے کا سلسلہ شروع ہوا وہ بہل گئی۔ اپنے بڑھاپے میں سانول اسے گاؤں کے حالات اور بے بدل کی بے قراری کے قصے لکھ کر بھیجتا تھا صاف

از لہ کی محبت میں اس نے گاؤں کی سڑکیں بچی کر دلی تھیں۔ کنوئیں کے علاوہ وہاں بیٹھے پانی کا انتظام بھی ہو گیا تھا۔ گاؤں کی غریب خواتین کے لیے زیر تعمیر اسپتال میں لیڈی ڈاکٹر و دیگر عملے کا انتظام بھی کروایا

تھا۔ ہر سنے خط میں ہر نئی کامیابی کی خبر وہ اسے بہت خوشی کے ساتھ لکھ کر بھجواتا تھا جتنوں کے بیٹی ہوئی تھی اور وہ اسے بہت یاد رکھتی تھی۔

سانول کے ڈرائیور کی فیملی وہ گاؤں چھوڑ کر چلی گئی تھی میراں شاہ کے بارے میں پتا چلا تھا کہ وہ ملک سے باہر چلا گیا تھا ہر روز وہ اپنے ڈرائیور کے قریب پینٹیل کی چھانڈ کے تلے بیٹھ کر خط لکھتا تھا اور یاد کرتا تھا پچھلے تین ہفتوں سے اس نے شیونیں کی کئی جس پرس کی پھوپھو نے جنہیں وہ آپا کہتا تھا اسے موالی کہنا شروع کر دیا تھا۔

اکثر خطوط میں وہ اسے اپنے خواب لکھ کر بھیجتا تھا۔ بے حد خوب صورت اور روشن خواب جس میں وہ دونوں ہوتے تھے اور ان کے سنے۔

انزلہ اس کے خط پڑھ کر دیر تک ہنسی اور فریادیں کرتی۔ ان دنوں کنیز بیگم داوی ماں اور بہن داد کے ساتھ خفیہ میٹنگز کرتی دکھائی دیتی تھی۔ مگر انزلہ سانول کو خط لکھنے اور سوچنے میں اتنی مگن ہوئی کہ اسے ان کی میٹنگز کا احساس ہی نہ ہوتا۔

اس روز وہ بہت خوش تھی۔ سانول نے شہر میں اپنا گھر خرید لیا تھا۔ کنیز بیگم کا موز بھی اچھا تھا۔ لہذا دادی ماں کی موجودگی میں ہی اس نے بات پچھڑی دی تھی۔

”مما مجھے آپ سے کچھ کینیز کرنا تھا۔“  
کنیز بیگم کے لب اس کی بات پر سٹے تھے۔ جبکہ دادی ماں نے رخ پھیر لیا تھا۔ جیسے وہ جانتی ہوئی کہ وہ ایک شیئر کرنے جا رہی ہے۔  
”ہوں کہو۔“

”مما ایک لڑکا ہے سانول۔“ نظرس جھکا کر قدرے جھپکتے ہوئے اس نے بتایا تھا۔  
”یونیورسٹی پر پڑھیں میرا کلاس خلیو تھا بہت اچھا ہے۔ بہت محنت کرتا ہے مجھ سے شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ اس سے مل لیں۔ وہ اگلے ہفتے یہاں انگلینڈ آ رہا ہے۔“  
”اچھا مگر تمہاری شادی تو طے ہو چکی ہے۔“ بہت ٹھہرے ہوئے سرجہ میں کنیز بیگم کی یہ اطلاع اسے شاکد کر گئی تھی۔

”وہاں مجھ سے پوچھتے بغیر رائے لیے بغیر؟“  
”ہوں کیونکہ تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہو میں کہ اپنے فیصلے خود کر سکو۔“  
”مگر یہ میری زندگی ہے ماما۔۔۔ مجھے کس کے ساتھ چلنا ہے۔ کس کے ساتھ جینا ہے۔ یہ سوچنے کا حق آپ مجھ سے کیسے چھین سکتی ہیں۔“

وہ صدمے سے لگ ہو گئی مگر کنیز بیگم نے اس کے حال کی پروا نہیں کی۔  
”کچھ نہیں چھینا جا رہا تم سے۔ بہن ادا چھ لڑکا ہے بچپن کی منگ ہو تم اس کی چاروں کسی کے ساتھ گھوم پھر لینے کا مطلب یہ نہیں کہ تمہاری اس کے ساتھ شادی ہو جائے۔“  
”مگر میں اس کے بغیر نہیں جی سکتی ماما میں نے وعدہ کیا ہے اس سے ہمیشہ ساتھ نبھانے کا، ہر سکہ ہر دھ

میں قدم سے قدم ملا کر چلنے کا۔ وہ مر جائے گا ماما میں نے وعدہ وفا نہ کیا تو وہ پاگل ہو جائے گا۔ جھٹک جائے گا پھر سے۔“ تڑپ کر کہتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔ سبھی دادی ماں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

”جیہ کہ روٹی کی مت بھولو کرتے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا۔ وہ غنڈہ موالی تمہارے قاتل نہیں ہے۔ برائی جس کی گتھی میں پڑی ہو وہ لاکھ اچھائی کا ڈھونگ کر لے انسان نہیں بن سکتا۔ اپنی ماں کی بات مان اور بھول جا لے۔“

”تمہاری دادی ٹھیک کہہ رہی ہیں انزلہ تم جانتی ہو تمہارے بابا کے بعد میں نے کبھی تمہیں ان کی کسی کسوٹ نہیں ہونے دی۔ تم نے جو چاہا میں نے وہی کیا۔ اب تمہاری باری ہے اگر تم اپنی ماں کو کھوکھرا کر لڑکے کو اپنانا چاہتی ہو تو جاؤ میں نہیں روگوں کی مگر یاد رکھنا اگر تم نے میرا مان توڑا تو میں نہ بھی تمہاری شکل دیکھوں گی نہ تمہیں اپنا وعدہ معاف کروں گی۔“

ساری عمر انگلینڈ جیسے ایڈوائس ملک میں گزارنے کے باوجود کنیز بیگم کے اندر کی عورت اپنی روایت سے باہر نہیں نکل سکی تھی۔ انزلہ کبھی مسمی نہیں دیکھے گی۔

اسی ہفتے ان لوگوں نے وہ لکھ تیریل کر لیا تھا۔ انزلہ لاکھ نا چاہنے کے باوجود پتھر کی مورت بنی بہن ادلی مراد کے نام سے منسوب ہو گئی تھی۔ کنیز بیگم اور دادی ماں نے اپنی ضد پوری کر لی تھی مگر اس ضد نے ایک ہستی مسکرائی زندہ دل لڑکی کے بلوں پر مستقل چپ کا قفل لگا دیا تھا۔

بہن ادلی مراد بہت اچھا شوہر اور بہت اچھا باپ ثابت ہوا تھا۔ کنیز بیگم اسے دادا کے روپ میں دیکھ کر بہت خوش تھیں مگر اس کی زندگی زیادہ دیر تک وفا نہیں کر سکی تھی۔ اس کی بیٹی تین سال کی تھی جب پاکستان میں وہ ایک حادثے کی نذر ہو گیا تھا۔ اس کی وفات کے تین ماہ بعد ہی دادی باپ بھی ملک عدم مدحار نکلیں۔ ایک کے بعد ایک زخم انزلہ کی ہر بے روح پرگٹا چلا گیا تھا مگر وہ بے حس ہو چکی تھی۔

کنیز بیگم اب اسے سمجھتی تھیں تو چپ چپ کر رہی تھیں مگر۔۔۔ اس نے مدت ہوئی ردنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی بیٹی اب چار سال کی تھی۔ وہ بالکل انزلہ کی لڑکی تھی۔ اسی کی طرح اپنی سر زمین اپنی مٹی اپنے آباؤ اجداد سے محبت کرنے والی اپنے دادی دادا چاچو کی باتوں پر پٹار ہوئے والی اپنے بابا کی طرح ضدی اور خود سر۔۔۔۔۔

چھلکے چار پانچ سالوں میں اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔  
سانول شاہ کا کیا ہوا۔ اس کی غیر متوقع وفات کے بعد اس نے کیا کیا وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔  
مگر اب اپنی بیٹی کے منہ سے پاکستان کا نام نہ کرو کہ پلوہاں ہو گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





# انسان اور کبوتر

عقیدت

عجیب رنگ بدلتا ہے عصر کا سورج  
یہ شام خفا ہے اور رات بھی نہیں ہوتی  
میں اس کی ذات کا حصہ بھی بن نہیں سکتا  
اور جدا اس سے میری ذات بھی نہیں ہوتی

یوں لگ رہا تھا، کچھ کھنچا جا رہا ہے اس کا وجود  
کھینچا جا رہا ہے کچھ چڑھا رہا ہے اور پھر ترانہ کی  
آواز آئی جیسے شیشہ بٹو آگیا اس کی آوازیں  
خاموش ہو رہی تھیں مدام پڑ رہی تھیں۔ اس کا وجود  
زمین کی کشش سے باہر تھا۔ وہ کشش جو پھر جکڑ لیتی  
ہے کسی پارے کی تلاش میں وہ ہاتھ پاؤں مار رہا  
تھا پھر اس کی تلاش جیسے جواب دے کر پھر حرکت  
آہستہ ہوتی چلی گئی۔ وہ گھر سے کنوئیں میں  
قلمبازیاں کھانے لگا، کوئی کشش اسے متحرک نہ تھی۔  
شاید وہ کوئی سرنگ تھی، جس کا سر می اندھیرا سیاہ ہوتا  
جا رہا تھا۔

سیاہ بہت سیاہ..... گہرا بہت گہرا وہ تقریباً بے  
جان ہو گیا اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ پتا نہیں کتنی  
مدت گزری شاید صدیاں.....؟  
وہ مر گیا تھا یا بے ہوش تھا..... پتا نہیں کسی کو  
نہیں پتا.....  
وہ شاید قرون اس سرنگ کی تہہ میں پڑا رہا زندہ  
یا مردہ..... پھر آہستہ آہستہ اس کے ارد گرد حرارت  
پرمی زندگی سے پھر پھر حرارت اور وہ کم کم سیاہی اس

وہ سوچوں میں غرق ان ہزاروں افراد کی طرف  
دیکھ رہا تھا جو اس عدالت میں خاک آلود لباسوں  
پنجرے بالوں پریشان حالوں ہاتھوں میں پرے

تھامے کھڑے تھے جو اس کو سرست سے دیکھ رہے  
تھے کہ وہ کتنا خوش نصیب ہے کم از کم اس کا مقدمہ  
قابل سماعت تو تھا..... وہ ہنوز انتظار میں کھڑے  
ہیں ایک کرب اور بے چینی تھی جو اس مجمع میں موجود  
مردوں کے چہروں پر تھی۔

”یہ کیوں لوگ ہیں یہاں کیسے آگئے؟“ اس نے  
اپنے آپ سے سوال کیا۔  
”یہاں کوئی اپنی مرضی سے نہیں آتا، لایا جاتا  
ہے اور کھینٹ کر لایا جاتا ہے جواب طلبی کے  
لیے..... اور جب آ جاتا ہے تو بغیر جواب دینے  
یہاں سے مل نہیں سکتا۔“ اس سیاہی نے جس نے  
اس کے ہاتھوں میں آہنی کڑیاں ڈالی تھیں۔ اس  
کے بغیر پوچھتے اس کے دل میں آئے سوال کا  
جواب دیا۔

”کیونکہ تم بھی اس تعین کا حصہ ہو تم کو کوئی حق  
نہیں کنا کر پتا چھو“  
”تم..... تم کون ہو؟“ اس نے سیاہ لباس میں  
ملبوس تقریباً سات فٹ لمبے اس دوپٹے پر جس سے  
سوال کیا۔ جس کے ہاتھ میں ایک فاصلگی کی اور فاصل  
پر کھنکھاتا عبداللہ ولد عبدالرحمن۔  
”میں!“ وہ ہنسی سے مسکرایا۔ ”میں سرکاری وکیل  
ہوں اور تم ملزم.....“

”تا میں ملزم ہوں اور تا مجرم..... میں نے کبھی  
کوئی جرم نہیں کیا، چوری کی ناکہ تو لی کیا، ناشوت  
لی ناکہ کا دل دکھایا۔ میں نے ہمیشہ نماز پڑھی روزہ  
رکھا، صدقہ خیرات کیا۔ میں ایک نیک انسان  
ہوں۔“ اس نے اپنی صفائی میں کہا کہ وہ کچھ بچکا تھا  
کہ یہ دوسرا جہان ہے اور اس کا نامہ اعمال کھلنے والا  
ہے۔ ”میں دنیا میں بہت نیک تھا، بہت شریف،  
نمازی پڑھتا، پیاز گار۔ مجھے اس طرح بیڑیاں ڈال کر  
کیوں کھینچا جا رہا ہے؟ تم کیلے کیوں ہو یہاں کوئی  
اور یوں نہیں ہے کیا قیامت صرف میرے لیے  
آئی ہے؟“ اس نے احتجاجاً پوچھا۔

”عبداللہ ولد عبدالرحمن!“ جہازوں طرف سے  
اس نام کی آواز آنے لگی اور وہ چونک گیا۔ مجمع میں  
کھلبلی مچ گئی یہ اس کا نام تھا اس کو پکارا گیا تھا لیکن

کیوں.....  
آواز کی گونج بڑھتی جا رہی تھی پھر وہ گونج دشت  
میں تبدیل ہو گئی اور وہ چل کر گر گیا۔ جب ہوش آیا  
تو ماحول اور پھر دنوں بدل گئے تھے۔

”یہ کیوں ای جگہ ہے شاید دوسرا جہاں تو.....؟“ وہ  
سوچ کر رہ گیا۔ سارا میناں خالی تھا لیکن ایک عجیب  
کی بدبو تھی جو سارے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی اس  
نے بے ساختہ ناک پر ہاتھ رکھنا چاہا اور کسی نے اس  
کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”کیوں اتم نے میرا ہاتھ کیوں پکڑا؟“ اس نے  
حیران ہو کر پوچھا۔  
”کیونکہ تم بھی اس تعین کا حصہ ہو تم کو کوئی حق  
نہیں کنا کر پتا چھو“

”تم..... تم کون ہو؟“ اس نے سیاہ لباس میں  
ملبوس تقریباً سات فٹ لمبے اس دوپٹے پر جس سے  
سوال کیا۔ جس کے ہاتھ میں ایک فاصلگی کی اور فاصل  
پر کھنکھاتا عبداللہ ولد عبدالرحمن۔  
”میں!“ وہ ہنسی سے مسکرایا۔ ”میں سرکاری وکیل  
ہوں اور تم ملزم.....“

”تا میں ملزم ہوں اور تا مجرم..... میں نے کبھی  
کوئی جرم نہیں کیا، چوری کی ناکہ تو لی کیا، ناشوت  
لی ناکہ کا دل دکھایا۔ میں نے ہمیشہ نماز پڑھی روزہ  
رکھا، صدقہ خیرات کیا۔ میں ایک نیک انسان  
ہوں۔“ اس نے اپنی صفائی میں کہا کہ وہ کچھ بچکا تھا  
کہ یہ دوسرا جہان ہے اور اس کا نامہ اعمال کھلنے والا  
ہے۔ ”میں دنیا میں بہت نیک تھا، بہت شریف،  
نمازی پڑھتا، پیاز گار۔ مجھے اس طرح بیڑیاں ڈال کر  
کیوں کھینچا جا رہا ہے؟ تم کیلے کیوں ہو یہاں کوئی  
اور یوں نہیں ہے کیا قیامت صرف میرے لیے  
آئی ہے؟“ اس نے احتجاجاً پوچھا۔

”تم لوگ قیامت کا انتظار کیوں کرتے ہو۔ کیا تم کو نہیں معلوم دنیا میں قیامت روز آتی ہے؟ جو سر گیا اس کا نامہ اعمال بند ہو جاتا ہے اور حساب کل جاتا ہے تو اس کی قیامت آ ہی جاتی ہے۔ اس کی آخرت کی منظر کشی شروع ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی منزل یعنی قبر کی طرف تمہارے کندھوں پر جاتا ہے۔ تم کس قیامت کا انتظار کرتے ہو؟“

”لیکن یہاں کوئی اور کیوں نہیں ہے؟ وہ لا جواب سا ہو گیا تھا پھر اس نے کہا جتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

”تم اندھے ہو کیا، یہ میدان بھرا پڑا ہے؟“ سرکاری ویل دہاڑا۔ اس نے بظاہر اس خالی میدان میں آنکھیں بھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا ہاں بالکل ختمے تھے، لیکن زدہ کیڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے وہ رینگ رہے تھے اس کی نظر پڑتے ہی وہ بڑے ہونے لگے۔ اتنے بڑے..... اتنے بڑے..... کہ اس کی خوف سے پیچ نکل گئی۔ اس کے چپختے ہی وہ دوبارہ ننھے ننھے کیڑے بن کر زمین پر رینگنے لگے۔ اس کا سانس بحال ہوا۔

”یکسی عدالت ہے؟“ جہاں ہے؟“ اس عدالت کے جج بھی تم ہو ویل صفائی بھی تم..... مجرم بھی تم اور گواہ بھی تم..... کوئی پیچھے سے بولا۔

”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ وہ گھبرا گیا۔ ”خاموش! یہاں سب چھہ ہو سکتا ہے۔“ میاں پر تعینات سپاہی گرجا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے اب ایک دوسرے میں ہیوسٹ ہو گئے۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں پھر ایسا لگا کوئی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کی طرف

آ رہا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا وہ میلے لباس میں جھکی تھکی سی سہرے بالوں نیلا آنکھوں والی دوشیزہ تھی جس کے پیر کپڑے تھے۔ اس کا اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا اس کو فوراً کرسی پر لٹائی کی اور وہ بیٹھ گئی۔

”تم کون ہو؟“ اور میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟“

”میں..... میں تمہاری نماز ہوں جس کی تم نے حفاظت نہ کی اور مجھے ان حائلوں کو پہنچایا۔“ وہ دوشیزہ جو سنوٹی تو حسین تر ہوتی کھسکی ہوئی آواز میں بولا ہوئی۔

”دیکھا! تم نے اس کا کیا حال کیا ہے۔“ کوئی سرعت سے اس کے اندر سے نکل کر نماز کے دائیں ہاتھ پر کھڑا ہو گیا۔

”اور تم..... تم کون ہو؟“ اسے تم تو میرے ہم شکل ہو۔“ وہ حیرت سے چپچہا۔

”ہاں ہاں میں تمہارے اندر موجود وہ روح ہوں جس کے ساتھ تمہیں زمین پر اتارا گیا۔ جس کو تم لوگ خمیر کہتے ہو جس کو تم نے ہمیشہ کچلا۔ میں تمہارے اندر آدھ روچ ہوں جس کو تم نے اپنے آپ سے بھی چھپایا۔“

”اوہ میری نماز! میری محبت میں نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی وقت پر اسے ادا کیا اس کا گواہ وہ نشان ہے جو میرے ہاتھ پر موجود ہے۔“ اس نے ویل صفائی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”بہت خوب! تم نے مجھ سے محبت کی؟ تم اور تمہاری محبت..... نماز خدات سے بولی۔“ تم نے جب بھی مجھے ادا کیا ایک جلدی تم پر روار رہی کبھی نفل کھا گئے اور کبھی میں چھوڑ دیں دنیا بھر کے خیال دل میں لینے دنیا داروں کی سوچیں سواڑ تم نے

مجھے ادا کیا! نہ حقوق ادا کیے نہ فاضل پورا کیا۔ کیا میں اس لائق تھی کہ میرے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تھا؟ میں تو اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کا ذریعہ تھی۔ تم نے اس تعلق کی اہمیت کو بھی نہ سمجھا۔“ اس نے گھبرا کر گواہ کے پاس اس کے وجود کا حصہ تھا۔

”ہاں تو نے ہمیشہ نماز پر بھی تلوگ لوگ تیرا انتظار کر رہے تھے نمازی پر ہیہزگار تھیں تو نے عادات نماز پر بھی جیسے رات کے کھانے کے بعد جانے کی عادت..... تو نے دنیا مانگی تھی دنیا ملی۔“ مجھے لوگوں نے مایہ جھٹی سمجھا تھا۔ تو نے دنیا میں اپنی نمازوں کا اجر پایا آج کے لیے بول کیا، جایا؟“

”تو نے اللہ سے سودا کیا کیا تھا جو آج اجر کے بارے میں پوچھ رہا ہے میں نے تم کو بیشمار ہوشیار کرنا چاہا لیکن تم میری آواز دباتے رہے۔“ خمیر دہاڑا تھا اور شرمندگی سے اس کا تیرا حال ہو گیا۔ بھی سوچا نہ تھا بولیں سر عام رسوائی ہوگی اس کو ایسا لگا کہ فرش پر بیٹھنے بدو دار کیڑے بڑے ہو رہے ہیں۔ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہے ہیں اور سر کو کشیوں میں لپیٹ رہے ہیں۔ ”کیڑا! کیڑا!..... ہمارے جیسا کیڑا!.....“ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

”تمہارے آگے اے میری نماز! میں ایک معمولی سا کیڑا ہوں تعفن زدہ بدو دار زمین پر ریختا ہوا کیڑا!“ اس نے آنکھیں بند کیے اپنے آپ سے کہا۔ زمین پر بیٹھنے کیڑے خوشی سے چپے ناچنے لگے۔ ”ہمارا سامعہ! ہمارے جیسا کیڑا!.....“ اور پھر اس کے ارد گرد جیسے چمپل چمپل ہی ہوئی اور اس نے بند آنکھوں سے ماحول کی تبدیلی محسوس کرتے ہوئے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ نماز خان بے نیازی سے

واپس جاری تھی۔ اس کی بوسیدہ عبا کو میرے منہ پر بادیا گیا تھا اور اب وہ رزق برق لباس میں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس کے دل میں ملال اٹھا کاش کوئی جان سکے یہ کس شان کی استحق ہے؟ تھی خوب صورت ہے۔ اس کا رخ دوسری طرف کر دیا گیا۔ وہاں چند جوان کھڑے تھے ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے بنیر تھے۔ حمدتہ زکوٰۃ روزہ کے بنیر اور درمیان میں ایک ادیب عمر مرد پینٹا تھا ہاتھ میں جج کا بنیر اٹھائے۔

”اوہ!“ ان کو دیکھتے ہی اس کے اندر ایک برق دوری اور وہ ایک دم جذباتی ہو گیا۔ ”یہ..... یہ دیکھو میرے اعمال! میرا روزہ میرا صدقہ زکوٰۃ اور میرا رخ اکبر.....“ اس نے سرکاری ویل اور گواہ کی طرف فخر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

سرکاری ویل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر طنزیہ مسکرایا۔ اک طرف کھڑے سپاہی نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا گرز زمین پر دے مارا۔ پیٹا پر کھڑے سپاہی نے انگلیں بجا دیں اور پھر کارروائی شروع ہو گئی۔

”ہاں میں تمہاری زکوٰۃ ہوں دیا کھادے کے لیے اپنی بڑائی جتانے کے لیے غیروں اور غیر حقیق میں باقی کی زکوٰۃ! زکوٰۃ نے زمین پر تھوک دیا۔ اس کو ایسا لگا جیسے اس نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ ”میں میں نے ہمیشہ اچھی چیز خیرات کی۔ میں نے اللہ کی رضا کے لیے زکوٰۃ دی حق کوئی۔“ اس نے اپنا دفاع کیا وہ جیسے یہ کار سرکاری ویل نے گواہ کو بولنے کا اشارہ کیا جو بہت بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

”تم..... تم جھوٹ پر جھوٹ بولے چلے جا رہے ہو۔ تم اس کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو جو ساری



زندگی تمہاری سوچ بن کر تمہارے جسم میں دوڑتا رہا۔ تم اسے سمجھو گے اور فرجی کیوں ہو؟“ گواہ نے حقائق سے پوچھا۔

”ہاں ہاں تم نے زکوٰۃ دی۔ ہمیشہ وہ مال زکوٰۃ کی مدد میں نکالا جس کا تمہارے پاس کوئی مصرف نہیں تھا۔ اپنے دروازے پر گھنٹوں لوگوں کی قطاریں لگوا لی تاکہ دنیا کے غم آجائے تمہارا گھر مشہور ہو جائے۔ لوگ تمہیں دیاؤ اور حتیٰ پکاریں اور لوگوں نے تم کو کئی بار کہا کہ تم نے ان لوگوں میں صدقہ و زکوٰۃ تقسیم کی جو تمہارے خوشامد تھے۔ تم نے اپنے آپ اس پس اپنے رشتہ داروں میں نہ بانی کی بلکہ اس طرح کسی کو نہ چلا۔ وہ تمہیں ماتھے پر ہاتھ لے جا کر سلام کرتے۔ تم نے ان کو یوں نہ ڈھونڈا جن کی آنکھیں سوال کرتی ہیں۔ جو کسی کا دامن نہیں پکڑتے؟ کیونکہ تمہارا مقصد اللہ کی رضا نہیں دنیا تھی۔ تم کو دنیا ملی، تم حتیٰ مشہور ہوئے، تمہیں خوشامد ہوئے دیالو پکارا۔ اس جو ساری زندگی اس کے اندر پلٹا رہتا ہے دیتا ہے اس سے جرح کر رہا تھا۔“

”کیوں؟“ اس نے سمجھ بولنا چاہا۔  
”خاموش! میری بات تم نہیں مانتی۔ یہ جیہ صدقہ یہ روزہ یہ سب بہانہ تھا۔ پردہ تھا تمہارے سیاہ باطن پر۔“

آج اس قدر تنگ ہو کر میری طرف کیوں دیکھ رہی ہے؟ تم نے ساری زندگی مجھے بولنے نہیں دیا۔ اس لیے کہ کچھ کا سامنا کرنے کی تم میں ہمت ہی نہ تھی۔ تم نے خود کو کلین فریوں میں جتلا رکھا تم اللہ کے کہیں اپنے نفس کے بندے تھے تم نے بھی اپنے آپ کو اپنے نہیں دیکھا جسے تم ہو بلکہ ہمیشہ ایسے دیکھا جیسا تم دیکھنا چاہتے ہو۔“ گواہ سانس لینے کے لیے رکا۔

”اے بندہ نفس! تیرے سارے اعمال تیرے سامنے ہیں، کیا تیرے کام میں کوئی نیک عمل نہیں؟“ سرکاری وکیل نے اس سے تری سے پوچھا۔

”ہاں ہے اس ایک نیکی باقی ہے۔“ میں نے ایک تئیم کی پرورش کی۔ اس میں خلوص تھا وفاداری تھی۔ ایک دم اس کی نگاہ حسد پر بڑی جود سے آ رہی تھی اس کی تئیم بچی جس کو اس نے بہت محبت سے پالا تھا ساری دنیا گواہ ہے کہ اس طرح لوگ اپنی اولاد کا خیال نہیں رکھتے جیسے میں نے اس بچی کا رکھا۔“ اس کو حسد کو دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس کا اعمال نامہ تاملات نہیں کیے تیریاں تنگ کی جائیں۔

”چچا جان! میرے پیارے چچا جان! ہاں واقعی آپ نے مجھ سے بہت محبت کی مجھے اولاد کی طرح پالا میں اعتراف کرتی ہوں۔“ حسنی بات پر سرکاری وکیل حیران ہوا۔ چوہارے پر کھڑا سپاہی چونکا، اس نے اطمینان بھرا سانس لیا اور غصہ مکرانے لگا۔

اس نے سرکاری وکیل سے کچھ اور گواہ پیش کرنے کی اجازت مانگی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں ان کے خلاف ایک بات نہیں سنوں گی۔ انہوں نے مجھ سے ٹوٹ کر محبت کی میں ان کی بیٹیوں اور مہربانیوں کی قرض دار ہوں۔“ حسد نے کانوں میں انگلیاں ٹھوس لیں۔ وہ رو رہی تھی کہ کہیں اس کا مان ٹوٹ جائے۔

”محبت دینے کا عمل ہے اس شخص میں دینے کی صلاحیت مقصود ہے۔ یہ جو کما بازمکار ہے۔ اس نے ہمیشہ تمہارا اس لیے خیال رکھا کہ تمہارا باپ کروڑوں کی جائیداد چھوڑ کر مرا تھا یہ مفلوک الحال تھا۔ اس نے ساری زندگی تمہارا پیسہ استعمال کیا۔ امانت میں

خیانت کی خائن ہے یہ۔۔۔۔۔ جس گھر میں رہتا تھا وہ تمہارا تھا۔ جس کاروبار کو چلا رہا تھا وہ تمہارا تھا۔ کیا اس نے تمہیں بھی بتایا؟ نہیں نا اس لیے کہ نفس کا بندہ ہے۔ اس نے ہمیشہ ایک نیم بے آسرا بچی کا مال کھایا اور پھر تمہارا مال ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی نیت کر لی اور تم سے کہا کہ یہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ تم کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔“ حسد سے کڑوا ہوا جی برداشت نہ ہو سکا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی اگلے قدموں واپس پلٹی۔ وہ رو رہی تھی حسد کو حسرت سے دیکھ رہا تھا اس کا دامن اعمال سے خالی ہو گیا تھا۔

”یہی سچ ہے نا؟“ گواہ اس کو واپس حقیقت میں لے آیا۔  
”تم۔۔۔۔۔ تم نے کبھی یہ کیوں نہ سوچا کہ ایک دن تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے تمہارا اعمال نامہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا کوئی شفا کوئی تعلق کوئی نذرانہ کام نہ آئے گا۔ کام آئے گا تو صرف خلوص نیت۔“ تم نے کیوں نہ سوچا جب تم اس طرح سامنے جاؤ گے تو خالق کو کتنی تکلیف پہنچے گی تم نے اس کے بارے میں بھی نہ سوچا جو ایک ماں سے بھی ستر گنا زیادہ کم کچھ چاہتا ہے؟“

سرکاری وکیل بہت تانسف سے کہہ رہا تھا اور اس کا سر شرم سے جھک گیا۔ اس کا سب کچھ ضائع ہوا کہ کہیں پہنچی خلوص نیت نظر نہ آیا۔ کاش وہ سوچ لیتا کہ ایک دربار وہ بھی لگتا ہے جہاں صرف نیت دیکھی جاتی ہے خلوص کا سودا ہوتا ہے کاش! وہ سوچ لیتا۔  
فرش پر پھیلے سارے کیڑے کلبلا نے لگے لعن

بڑھ گیا بدلو کے بارے دم گھٹنے لگا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک آواز نکلی۔  
”کیڑا! نالی کا کیڑا! زمین پر رینگنے والا بدلو دار کیڑا۔“ میں کیڑا ہوں ان رینگتے ہوئے کیڑوں جیسا ایک کیڑا۔۔۔۔۔“

”فیصلہ ہو گیا۔“ سرکاری وکیل نے کہا۔  
گواہ مکرانے ہوئے اس کے اندر واپس چلا گیا کہ آج اس کا کام مکمل ہوا۔ اس عدالت میں تم ہی مجھ تھے تم ہی گواہ اور تم ہی جج اور تم نے فیصلہ دیا۔“

اس کو ایسا لگا کہ اس کا آدھا دھڑ جلد ہو گیا ہے ایک کیڑے کی شکل میں۔۔۔۔۔ اس نے خبردار کچھ کہنا چاہا کہ ایک دم بادل کڑے سر گوشیاں بند ہو گئیں اور پھر ایک بڑھیمیت آواز آئی جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

”ہم نے زمین پر انسان پیدا کیے تھے۔ اپنی بندگی کے لیے لیکن سب نفس کے مارے کیڑے ہی بن گئے۔ کیا زمین پر کوئی انسان ہے جو ہمارا بندہ ہو۔ جواب دو۔“ آواز گرج رہی تھی ہر طرف خاموشی۔

سارے کیڑے رنگ رہے تھے رینگتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

کاش ایک موقع اور مل جائے بندگی کا۔۔۔۔۔ مگر اب وہ بھی ان ہی کی طرح کا کیڑا بن چکا تھا جو مٹی

انسان بن۔ کا اور نائی بندہ۔۔۔۔۔!



کچھ نہ مانگوں گا جو اس بات کو پورا کر دے  
جو نہیں میرا الہیٰ اسے میرا کر دے  
عمر بھر تیرے خیالوں میں یوں ہی کھویا رہوں  
تجھ کو بھولوں تو یہ قدرت مجھے اندھا کر دے

مٹی کے گن پر ہر طرف لوگ بیٹھے تھے بہت سے  
چہرے بالے تھے جنہوں نے پہلے یہاں بھاگنے کی رحمت  
بھی نہیں کی تھی اور آج شاید وہ مٹ گیا دکھا دے کی رسم  
پوری کرنے آئے تھے۔ ان سب کے آنے کی خبر جن  
وسط میں بان کی چار پائی پرڑا بے جان وجود تھا کہ  
تک اس وجود میں زندگی دوڑتی تھی احساسات تھے اور  
خواہشیں تھیں پس پر آج اس وجود میں کچھ نہ تھا زندگی  
کی حرارت اور ذہنی احساسات اور خواہشات کیونکہ اس  
اس جسد خاکی سے دونوں نکل کر اپنے اصل کی طرف لوٹ  
چکی تھی۔

روح اور جسم کا فلسفہ بھی عجیب ہے جب تک روح  
جسد خاکی کے اندر ہو اس میں زندگی کا لہر نہیں ایک ہے  
چچن سمندر کی طرح دوڑتی ہیں احساسات خواہشات  
بستی ہیں پر جیسے ہی روح کا رابطہ قائم تو خالی جسم ہے معانی  
ہو جاتا ہے اور پھر یہ معانی دے فائدہ چیزوں کی بھلائی  
کو کیا ضرورت جب کہ آج تو زندہ انسانوں کی بھی کسی کو  
پر فائدہ نہیں۔

انسان کی دور کا سوچتا ہے جب کہ یہ زندگی جو جوں کا  
کھیل ہے اس کی گھر میں دھکنے دل اجاڑتا ہے۔ فنی  
آکھوں کو لراتا ہے۔ اپنے نفس کی تسکین کی خاطر غاشی  
زندگی کی بولیت اٹھنی کرنے کی خاطر ہر رخ پر غلط راہ بنا  
سوچے کچھ اپنا تا ہے مگر نادان اصل سے لگا ہیں چراتا ہے  
اور آخر تک دن اسی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے جس  
سے وہ پرہل بھاگتا رہتا ہے کہ ہر چیز کو اپنی مدت اپنا  
وقت پورا کر کے لوٹتا ہے۔

یہاں ہر شخص پرہل ملے حادثہ ہونے سے ڈرتا ہے  
کھوتا ہے جو مٹی کا فنا ہونے سے ڈرتا ہے  
عجب ہے زندگی کی قید میں دنیا کا ہر انسان  
رہائی مانگا ہے اور رہا ہونے سے ڈرتا ہے  
دور پورے ساتھ دیکھ لگے بیٹھی کسی بہت ہے بیٹے  
ہل اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ آسٹونج کے  
دانوں کی طرح ہند چیلوں کی بازو ڈر کر خساروں سے پھسل  
کر دینے میں جذب ہوتے چارے تھے چند قدموں  
کے فاصلے پر پڑا بے جان وجود اس کے تانا بان کا تھا۔  
جنہوں نے ساری زندگی محنت کرتے بسر کی تھی اپنے  
بچوں کو آرام کا نور الیک و دکھا یا مگر خوابی زندگی کے آخری  
ایام انتہائی تکلیف میں مبتلا تھے کہ گڑا ہے کیونکہ انہوں  
نے خزانے اپنے گھر میں نہیں کئے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ  
آسودہ اپنے تانا کی موت پر بہا رہی ہے یا انہوں نے جو  
دیکھ چکے ہیں۔

”ارم..... ارم.....“ اس نے نظر اٹھا کر سامنے  
دیکھا تو حور یہ ٹھٹھی گئی۔ ”ارم! انھو یہاں سے اندر چلو  
سپارہ پڑو۔“  
”انھو چلو میں آتی ہوں دشو کر کے۔“ حور یہ کہہ  
کر وہ ابھی اور دشو کرنے چل دی۔

دشو کر کے کمرے میں گئی جہاں اس کی ساری کزنز  
فرش پر چٹائی بچھا کر سیارے پڑھ رہی تھیں وہ بھی ایک  
سپارہ لے کر پڑھنے بیٹھ گئی۔  
”ارم سے اندر.....!“

ایک ہماری زناشہ آواز کمرے میں گونجی اور سیارے  
پڑھنے کی جو بکلی بکلی آوازیں آ رہی تھیں یک دم بند  
ہو گئیں۔ اس نے ذرا کی ذرا پٹیلیں اٹھا کر دیکھا۔ یہ  
آتی فر دوش تھیں جن کے اندر دم دلی اور خوف تھا اننا  
بستا تھا کہ دوسروں کی عزت نفس کو مجروح کر کے اور ہر  
بات کو اپنی مرضی کے معانی پہنکا کہ بہت خوشی محسوس  
کرتی تھیں۔

وہ دوبارہ سے سپارے کی طرف متوجہ ہو گئی۔  
اب کمرے میں صرف آتی فر دوش کے بولنے کی  
آواز آ رہی تھی جو سب کو بتا رہی تھیں کہ انیلہ جسے ماں  
باپ نے تازہ دم میں پالا وہ گھر سے بھاگ گئی۔  
”تجھے تو بتا ہے غدار! میں نے تو کتنا تنگ کیا تھا کہ  
مت پڑھاؤ ضرور پچھل کھلائے کی پرہاری نو بات ہے  
گلی اب بھٹکتیں۔ ارے وہ تو شکل سے ایسی تھی  
جہیں چاہا تو بے کمرے سے عرفان کو کس طرح اس نے  
اپنے چال میں چھپایا! شکر ہے میرا مصدوم بچہ اس ڈائن  
سے بچ گیا۔“

آتی فر دوش بہت کچھ بولی رہی تھیں اور سب مقتدر  
نہج راہی اپنی آرا کا اظہار کر رہی تھیں۔ ارم کی ہمت جواب  
دے دی اسے یاد آئے لگا اس نے پوچھا تھا حد یہ یہ قدری  
ہے کہ:  
”میرا! کو دیکھو تو تجھ سے روکنے کی کوشش کرؤ اگر  
تجھ سے نہیں روک سکتے تو زبان سے روکو اگر زبان

سے بھی نہ روک سکو تو کم از کم دل میں برا ضرور کہو اور یہ  
ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

اور پھر بُرائی تو ارم کے سامنے بھی ہو رہی تھی۔ سب  
سے بڑی برائی زبان سے پھیلانی گئی بُرائی ہے اور پھر اس  
کا ایمان اتنا کمزور نہیں تھا۔ اس نے سب کو اپنی جانب  
متوجہ کیا۔

”مٹی میں کچھ کتنا چاہا ہوں گی۔ براہِ مہربانی مُرامت  
کے لیے کمرے کے خیال میں آپ سب یہاں افسوس کے  
اظہار کے لیے آئے ہیں کیا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔“  
اس نے سب سے سوال کیا۔

”ہاں..... ہاں.....! بالکل!“ سب کی آوازیں  
آتی تھیں۔

”میرے خیال میں یہ واقعی افسوس کا مقام ہے آئی  
جی کہ ہماری زندگی کی حقیقت ہمارے سامنے پڑی ہو اور  
پھر بھی ہم اپنی زبان کے بھجھارے بدلنے کو دوسروں پر  
بہتان لگا رہے ہیں جانتے ہوئے بھی کہ بہتان باندھنے  
والوں کو اللہ بھی معاف نہیں کرتا۔ آپ سب جانتی ہیں کہ

انیلہ کی شادی اس کے ماں باپ نے اپنی مرضی سے  
اجا کر کر دی کیونکہ اس کے والد کو بارت ایک ہوا تھا۔  
کیوں آتی غدار! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟“ اس نے  
ساتھی بیٹھ کر اسے سوال کیا تھا۔ غدار نے جھجکا کر ہلکی سی  
”اور علیہ بائی! انا ہوا۔“

”اور علیہ بائی! انا ہوا۔“ اس نے کہا تو شال میں تانا کا  
خیر میں بات کو بڑھاتا نہیں جاؤ گی۔ آئی جی! اپنی  
بات تو یہ کہ ہم اتنا مقدس کلام پڑھ رہے تھے جو اگر  
پھاڑوں پر امانا جاتا تو وہ بھی روٹی بن کر بہہ نہ گئے۔ ہم ایسی  
کلام پاک کو پڑھنے کے دوران دوسروں پر بہتان  
لگا رہے ہیں اور وہ بھی بہت خستہ ہے۔ کیا ہماری مقدس  
ترن کتاب کے لیے ہمارے دلوں میں یہی احترام ہے؟  
کیا ہم نے یہی پڑھا عرفان میں کہ دوسروں کی غیبت کرؤ  
دوسروں پر بہتان باندھو؟ کیا یہی سب سیکھا ہے ہم  
نے.....؟ وہ بول رہی تھی اور بہت سے سر سر مندگی سے



جنگ ہوئے تھے۔

”اور آئی ہی! آپ تعلیم کو کراہید رہی تھیں جس کو حاصل کرنے پر میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور خود اللہ عزوجل نے بہت زور دیا اور یاد کیا کہ تو خود ارشاد فرماتا ہے کہ ”بے شک علم والے اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔“ اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔“ جب میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حاصل کرنے کے لیے میری عورت کو تحصیل نہیں رکھی تو پھر ہم سب کیوں ایسا نظر یا سب پر پھونپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معافی چاہتی ہوں ہم سب میں سے کوئی بھی اگر تھوڑا سا بھی علم والا ہوتا یا کوئی تھوڑا سا بھی جاننے والا ہوتا تو آج ہم حقیقت کو پا لیتے اور مقدس کلام کو پڑھتے ہوئے دنیا داری کی باتیں نہ کرتے کہ علم کا مطلب ہی جاننا شعور و آگاہی ہے۔“

☆☆☆☆

نانا جان کو اپنے خالق حقیقی سے ملے آج تیرا روز تھا اور ان تین دنوں میں ماموں جان نے ہر کام اپنی استطاعت سے بڑھ کر کیا تھا اور اپنا پھر انہیں دوسری اور چہلم کی گار سواریں رات پہلے تو سب خاموشی سے سنی رہی مگر پھر بولی۔

”ماموں جان! سوگ کا حکم تو صرف تین دن کا ہے“ دسواں چہلم اور بری وغیرہ تو زری جہالت کی باتیں ہیں۔ آپ نانا جان کی بخشش و ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت اور ان کی بخشش و مغفرت کی دعائیں کروائیں۔ یہ دسواں چہلم وغیرہ تو زنی فضول خریدی اور جہالت ہے۔“ ماموں جان نے اس کی ساری باتیں نہ کرنا۔

”خیر! جی! ہم نے برادری والوں کو بھی تو منہ دکھانا ہے نہ سب باتیں نہیں کریں گے کہ میں نے اپنے والد کی موت پر اچھا کھانا نہیں دیا برادری نہیں بلانی۔“ پھر جی! آپ چھوٹے ہو آپ نہیں سمجھو گے۔“ ماموں اپنی

بات ختم کر کے اٹھ گئے وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی پر الفاظ اس کے لبوں پر ہی دم توڑ گئے اور اس کی آنکھوں میں دھندلا کر آئی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ ماموں جان! آپ کے والد محترم اور میرے نانا جی نے ساری زندگی آپ سب کے لیے مشقت کی اور ان کے بچوں میں سے کوئی بھی اچھی بہت نہ ہوئی کہ کسی سرکاری اسپتال میں ہی سہی ان کا علاج نہ تو کرواتے یا کم از کم اس بوز سے کم زور انسان گرفتاروں کا سہارا ہی دیتے اور آج جب کہ وہ زندگی کی ان تکلیفوں سے چھٹکارا پا چکے تھے بھی ساری اولاد کو برادری اور معاشرے کی فکر ہی تھی۔

سب کو یہ تو یاد تھا کہ برادری اور معاشرے میں رہنا ہے مگر یہ کی کو یاد نہیں تھا کہ اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے لوگوں اور برادری کی بنائی رکھیں تو سب کو یاد نہیں پر اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے احکامات کی کو یاد نہیں تھے۔ یاد ہوتے بھی کیہ کر اچھی تو اسی دنیا میں جو تھے کوئی زندگی کی حقیقت کو سامنے پا کر بھی دوسروں کے کردار کو داغ دار کرنے میں مصروف تو کوئی جھوٹی انا کا پرچہ پائے رکھنے کی تک وہ میں لگا ہے۔ فقا کے پیچھے ہر کوئی دوڑ رہا ہے اور بچاؤ کی کسی کو کوئی فکر نہیں۔

”کیوں“ میرے کسی کوئے میں معصوم سا بچہ بڑوں کی دیکھ کر دنیا بڑا ہونے سے ڈرتا ہے



## روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

### جلیل..... سہیلوال

جواب:- وظیفہ جاری رکھیں کام ہو جائے گا انشاء اللہ۔ سورۃ الفرقان بعد نماز فجر پڑھیں۔ رشہ کے لیے دعا بھی کریں۔ سورۃ عبس بعد نماز عشاء پڑھیں۔ 3 مرتبہ نیت یہ رہتی ہے کہ جو رکاوٹ بندش ہے رشہ میں وہ لوٹ رہی ہے۔ دعا بھی کریں۔

### دابعہ..... فیصل آباد

جواب:- نماز کی پابندی کریں۔ فجر کی نماز کے بعد 313 مرتبہ استغفار کریں۔ بعد نماز عشاء ”یسنا فسدوس“ 1000 مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر 1111 مرتبہ درود شریف۔ نیت ہو کہ اللہ پاک اسے اپنے نام کی برکت سے آپ کو پاک اور مبرا بنادے۔ اپنا بنالے۔ بعد میں اپنے تمام مسئلوں کے لیے دعا بھی کریں۔ جب تک مسئلہ حل نہیں ہوتے وظیفہ جاری رکھیں۔ بعد میں روزانہ 101 مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ کوئی مسئلہ ٹکے گا نہیں۔

### ح..... فاطمہ آباد، کوچی

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74، 70 مرتبہ۔ اول و آخر 1111 مرتبہ درود شریف دعا کریں کہ اگر یہاں بہتر ہے تو سب راسخ ہو جائیں۔ اگر نہیں ہے تو جلد از جلد تیس اور ہوا جائے۔

### تکینہ زمان..... فیصل آباد

جواب:- آیت الکرسی ”سورۃ الفلق“ سورۃ النہاس ص 11 نام بار اول و آخر درود

شریف 33 بار پڑھ کر پانی پر چھوٹ مار کر پھینکیں۔ شادی تک وظیفہ جاری رکھنا ہے۔

### نورین فاطمہ..... S.K.L

جواب:- مسئلہ نمبر:- فجر کی سنت اور فرض کے درمیان 101 مرتبہ پڑھیں۔ ”یا لطیف یا ودود“ اول و آخر 1111 مرتبہ درود شریف۔ اللہ کے ناموں کے معنی و ذہن میں رکھ کر پڑھیں۔ تصور ہو کہ دل میں نری اور الفت پیدا ہو رہی ہے۔ آپ کے لیے اور کھر کے تمام افراد کے لیے یہ وظیفہ اللہ کریں۔ مسئلہ نمبر ۳۲:- بعد نماز فجر سورۃ الفرقان کی

آیت نمبر 74، 70 مرتبہ۔ اول و آخر 1111 مرتبہ درود شریف۔ (رشہ کے لیے) فجر اور مغرب کی نماز کے بعد 2121 مرتبہ سورۃ السفلق اور سورۃ النہاس رشے میں رکاوٹیں ختم کرنے کے لیے۔ رات کو 1 سوچ استغفار اور 1 درود شریف کی (دینی امور میں آسانی کے لیے) دعا بھی کریں۔

### ایمن..... منڈی

جواب:- ”سورۃ شمس“ 40 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں روزانہ نیت رکھ کر پڑھیں۔

### شبانہ..... قصور

جواب:- بعد نماز عشاء سورۃ ال عمران آیت نمبر 38، 313 مرتبہ روزانہ اول و آخر 1111 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

ہر نماز کے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھ کر پانی پورے جسم پر دم کریں۔

### نجمہ زین..... لاہور

جواب:- مسئلہ نمبر:- چادریں سے آپ آیات شفا 11 بار پڑھ کر پانی پر چھوٹ کر پھینکیں اور میل پر چھوٹ مار کر مٹا لیں۔

مسئلہ نمبر ۲:- سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74





آیت نمبر 74 مرتبہ اول و آخر 111 مرتبہ  
دور شریف رشتہ کی دعا کریں۔  
مسئلہ نمبر ۲:۔ بعد عصر چلتے پھرتے آیت الکرسی کا  
دور کریں۔ (ذکر میں رشتے کی رکاوٹ دور ہونے کا  
تصور کریں)۔

مسئلہ نمبر ۳:۔ رات سوئے وقت سورۃ الفلق؛  
سورۃ الناس 19/19 بار پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک  
مار کر جسم پر پھیریں۔ (کوئی بھی عمل اول و آخر دور  
شریف کے بغیر نہ کریں)۔

۳۔ بسوا لنگر

جواب: ۱۔ ان کا مہاب ہو شیار سخت  
۲۔ بہتر ہے اس سے کچھ کم  
رضوانہ جلاوید۔ کورنگی، کراچی  
جواب: بہتر ہے کچھ عرصہ انتظار کریں لیکن  
پلاٹ کی خود کھد کھال کریں۔

میرہ بی بی..... کھاریاں

جواب:۔ مسئلہ نمبر ۱:۔ آپ صبح شام سر کے لیے  
آیت الکرسی 111 بار پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک مار کر یا  
تیل پر دم کر کے سر کی مالش کریں۔  
مسئلہ نمبر ۳:۔ سواک دم کرنا ویس (نیم کی) ہری  
شہنی کی آچل کے ذریعہ چھو لیں۔  
والدہ کے لیے:۔ 121 مرتبہ بسم اللہ  
الحسین الوحید اول و آخر 111 مرتبہ دور  
شریف پانی پر دم کر کے پانی چلا دیں۔

روحانی مسائل کا حل کون

نام..... والدہ کا نام

گھر کا مکمل پتا

گھر کے کون سے میں رہائش پر ہیں

مارہ عظیم..... والا کینٹ

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ الفرقان کی آیت  
نمبر 74 مرتبہ اول و آخر 111 مرتبہ دور  
شریف دعا بھی کریں۔

محمد عاصم..... فیصل آباد

جواب: بھائی پر جادو ہے (بیماری کا) اچھے حال  
سے تو ڈرو نہیں۔

سعیدہ افتخار..... جمیلہ

جواب: اللہ سے توبہ کریں اور دعا مانگیں جہاں  
بھتری ہو وہاں ہو جائے۔

شمازیہ اختر..... فیصل آباد

جواب: چاہتے وغیرہ سب غیر ضروری ہے اصل  
دل و دماغ کا سکون ہے اللہ آپ پر مہربان ہو بتایا ہوا  
وہیقہ جاری رکھیں۔



نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف  
انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔  
عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی  
صورت میں اخراج کی صورت میں ذمہ داریں ہوگا۔  
ای میل صرف یہ دن ملک مقیم فراہم کے لیے ہے۔  
rohanimasail@gmail.com

# آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

افشال کوادٹ سے لکھتی ہیں کہ میں جو دوا میں  
استعمال کرنا چاہتی ہوں ان کے کوئی متضادات تو نہیں  
ہیں۔ یہ ہمارے شہر میں ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائیں  
کی۔ بالوں کے لیے HAIR GROWER دنگ  
صاف کرنے کے لیے JODUM-IM اور دھاپے کے  
لیے PHYTOLACCA BERRY۔

محترمہ! ان ادویات کے کوئی مضرات نہیں ہیں دوا  
آپ کو کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائیں گی  
HAIR GROWER کے لیے 600 روپے فی بیرے  
کلیک کے نام سے پتہ پتہ آرڈر کر دیں وہ آپ کو گھر پہنچ  
جائے گا۔

ناصر علی راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ سرعت انزال کی  
شدید شکایت ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ  
قطرے دھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

خدیجہ عود میاں راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے  
رشتے کی بات چل رہی ہے مگر تعصبات کیلئے مان رہے کوئی  
وہیقہ بتائیں جو تعصبات مان جائیں۔ دوسرے میں کمزور  
بہت ہوں نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے۔ چہرہ پر

بال ہیں سر کے بال چھوٹے ہیں۔

محترمہ وہیقہ دہم فرم تو بھیجے آجائیں آپ میرے کلیک  
کے نام سے پتہ پتہ 1850 روپے نی آرڈر کر دیں تینوں  
مسکوں کی دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

رفیقہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ آپ نے جو دت  
بڑھانے کے لیے دوا بھیجی ہے وہ یہاں سے نہیں نہیں مل  
رہی ہم آپ کو کسی آرڈر کریں گے آپ ان کی قیت  
بتائیں۔

محترمہ یہ ہومیو پیتھک کی عام دوا ہیں کسی بھی ہومیو  
پیتھک اسٹور سے مل جائیں گی اپنے شہر میں ہومیو پیتھک  
اسٹور تلاش کریں۔

ٹوبہ رمضان سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری جلد میں  
بہت خارش ہے چہرہ پر ابرائی کے دانے نکلتے ہیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ  
قطرے دھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

ابن ارحمہ دیرارنگہ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر میں  
بہت زیادہ خشکی ہے اس کی وجہ سے بال اتنا شروع ہو گئے  
ہیں اور میری جلد بھی کے چرے پر کل کل آئے ہیں اسکن  
یا جوشلٹ سے بھی علاج کرایا کوئی فرق نہیں ہوا۔ دونوں  
مسکوں کا مل جو بر کریں۔

محترمہ نبی کے لیے کسی ہومیو پیتھک اسٹور سے  
THUJA-Q حاصل کریں۔ پانچ قطرے دھا کپ  
پانی میں ڈال کر تین وقت پالیا کریں اور اسی کوکوں پر

روزانہ ایک مرتبہ لگایا کریں۔ آپ 600 روپے کا مٹی  
آرڈر میرے کلیک کے نام سے پتہ پتہ ارسال کر دیں مٹی  
آرڈر فارم کے آخری کوکوں پر مطلوبہ دوا کا نام HAIR  
GROWER لکھیں اور اپنا مکمل نام پتا صاف صاف  
لکھیں۔ دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی آپ کے بالوں کا  
مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

علی اکبر راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کے بغیر  
اس کا علاج جو بر کریں۔

محترمہ آپ ACID PHOS 3X کے پانچ  
قطرے دھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا  
کریں۔

ان ب راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے بھی مسئلے  
ہیں۔ منہ پر جھانپاں ہیں دانے نکلتے ہیں داغ چھوڑ جاتے  
ہیں۔ منہ پر براؤن لک ہیں بال کمزور ہیں کرتے بھی بہت  
ہیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ  
قطرے دھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا  
کریں اور THUJA-Q کے قطرے کوکوں پر لگایا  
کریں۔ یہ ادویات ہومیو پیتھک اسٹور سے  
مل جائے گی۔

شفقت کھرات سے لکھتے ہیں کہ میرے والدہ کے سر  
میں درد رہتا ہے۔ دوسرے میرے سر کے بال کرتے  
ہیں۔

محترم آپ والد کو USENEA BARB-3X کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں۔ اور آپ بھر گورو کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

یہاں چھ مہینہ بارون آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کر دیں۔ محترم آپ 30 STAPHISAGARIA کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ برائی سے بہتر کریں۔

سازگار کرانے سے کبھی ہیں کہ کیا مٹی آڑو دھجی ایسے ہی بھیجے ہیں جس طرح خط بھیجے ہیں اور دیکھ گورا کرنے کی ایک دو باتیں جو آپ کے ٹیکٹک سے لیتی تھی کہ ہو۔

محترم ڈاکٹر انا کے سنی آڑو فارم ملتا ہے اسے پر کریں میرے ٹیکٹک کا مکمل پتھاریں جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ فارم کے ساتھ رقم ڈاکٹرانہ کا پتہ پر جمع کر لیں۔ دوا پر کورسید دیں گے۔ لگانے میں رقم کر کے ہرگز نہ منجیں۔ رقم غائب ہو جائے گی۔ رنگ گورا کرنے کے لیے JODUM-IM کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر پندرہ دن میں ایک بار لیں 6 ماہ مکمل کریں یہ دوا بھی ہوئیو پیٹھک اسٹور سے مل جائے گی۔

رباب مجید اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ ٹائیفاؤڈ کے بعد میرے بال گر گئے ہیں۔ دوسرا مسئلہ مانے کا ہے۔ پیٹ اور کوبے بہت بڑھ گئے ہیں اور دیکھ گورا کرنے کی دوا بتائیں۔

محترمہ ہالوں کے مسئلے کے لیے HAIR GROWER کا استعمال جاری رکھیں۔ اس کے علاوہ PHYTOLACCA BERRY-Q کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور دیکھ صاف کر کے لے کر JODUM-IM کے پانچ قطرے پندرہ دن میں ایک بار لیں 6 ماہ مکمل کریں۔

ہمارا ڈاکٹر نو بہ نیک سے لکھتی ہیں کہ میرے بریٹ پر سفید لکیروں کی طرح نشان ہیں میری آنکھوں کے گرد

ظاہر ہیں۔ میرے بہن کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بیروں کی انگلیوں پر پریوں میں خارش ہو جاتی ہے۔

محترمہ آپ آنکھوں کے حلقوں کے لیے CHINA-3X کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ نشانات کے علاج کے لیے کسی خامی یا اکثر سے، جوع کریں۔ دیکھتے بغیر علاج ممکن نہیں ہے۔ بہن کو 30 PETROLIUM کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

عائشہ بیچو یادو سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ علاج کیے بغیر کوئی دوا تجویز کر دیں۔ محترمہ آپ 1-BIOPLASGEN کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔ رنگ گورا کرنے کے لیے

JODUM-IM کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر پندرہ دن میں ایک بار لیں۔

روانہ فرمیش ڈری سے لکھتی ہیں کہ میری اسکن آگلی ہوائے وغیرہ بہت لکھتے ہیں اور گالے داغ چھوڑ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا میں JODUM-IM استعمال کر سکتی ہوں۔ یہ دوا کہاں سے لے کر اسے کیسے استعمال کرنا ہے۔

محترمہ آپ 30 GRAPHITES کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ JODUM-1000 کے پانچ قطرے ہر پندرہ دن میں ایک بار لیں 6 ماہ مکمل کریں یہ دوا بھی ہوئیو پیٹھک اسٹور سے مل جائے گی۔

اسد عرفان عرفان والا سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کی عمر 22 سال ہے اس کے چہرے پر بہت زیادہ دال ہیں بہت خیریں لپے اس کی گرفت کادھیں ہوں۔

محترمہ آپ ان کو APHRODITE استعمال کریں اس کے استعمال سے مستقل طور پر بال ختم ہو جائیں گے۔ آپ 700 روپے میرے ٹیکٹک کے نام سے پتہ پر مٹی آڑو کر دیں۔ اپنا پتہ مکمل اور صاف لکھیں۔ دوا آپ کے کمرے پہنچ جائے گی۔

ٹیکٹک سوانے خان سے لکھتی ہیں مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کر دیں۔ والدہ کے لیے بھی دوا تجویز کر دیں۔ محترمہ آپ 200 SEPIA کے پانچ قطرے آڑو دیں دن آدھاک پانی میں ڈال کر پندرہ دن میں ایک بار لیں 6 ماہ مکمل کریں۔

30 CHELIDONIA کے پانچ قطرے تین

وقت روزانہ دیں۔ صاحبہ انکھا شاہ کوٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ محترمہ آپ 30 AGNUSC کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عائشہ صدیقہ کرناٹ سے لکھتی ہیں کہ جسمانی کمزوری کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ چہرے پر خستہ دانے نکلتے ہیں۔ جوداغ چھوڑ جاتے ہیں۔ میری ان کی کامنک پک جاتا ہے۔

محترمہ آپ 6X FIVE PHOS کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور 200 GRAPHITES کے پانچ قطرے ہر آڑو دیں۔ ان کو 30 BORAX کے پانچ قطرے ہر آڑو دیں۔

ان شاء اللہ صفا حاصل ہوگی۔ لکھتی ہیں کہ میری عمر 15 صدف ناز آڑو صمیر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 37 سال ہے۔ میرا عقد چھوٹا ہے میرا جسم بھی دھپلا جاتا ہے۔ میرے جسم اور چہرے پر دانے نکلتے ہیں جوشن چھوڑ جاتے ہیں۔ چہرے پر بال بھی ہیں۔ سن ان کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ 6X FIVE PHOS کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں اور 200 BARIUM کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر آڑو دیں ایک بار لیں اور 200 GRAPHITES کے پانچ قطرے ہر آڑو دیں۔

اسرار خان ملتان سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 27 سال ہے اپنی صحت خراب ہو کر رہی ہے۔ کوئی علاج بتائیں۔ محترمہ آپ 30 STAPHISAGARIA کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

فوزیہ بیگم سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ محترمہ آپ 30 GRAPHITES کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ہالوں کے مسئلے خاتمے تک آپ ایفرو ڈائن کا استعمال جاری رکھیں۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

محترمہ آپ 30 GRAPHITES کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ جب تک وزن نازل ہو جائے۔

محترمہ آپ 30 GRAPHITES کے پانچ قطرے آدھاک پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ سفید ہواؤں کا جینس کے مکر سفید بال دوبارہ کا نہیں ہو سکتے۔ مٹی آڑو کر کے کاٹر لیتے اسے قریبی ڈاکٹرانہ سے معلوم کر لیں۔



سارہ آزاد سبیر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شکم کے بغیر علاج تجویز کروں۔

تھرمسآپ 30-JODUM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ 550 روپے کا کاشی آرڈر میرے ٹیکک کے نام پتے پر کروں۔ آپ کو لوگنے کی دوا بھی بھیج دی جائے گی۔ حقوق ادا نہ کرنے والا مسئلہ وضاحت سے لکھیں کیا مشکل ہے۔

جینی حدیق نوشہرہ پینٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شکم کے بغیر علاج تجویز کروں۔

تھرمسآپ 30-ACID PHOS کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ عمل محت حاصل ہونے تک دوا کا استعمال جاری رکھیں۔ یہی آپ کے تمام مسائل کا حل ہے۔

مہوش کرن قنعل نکا نہ صاحب سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں کیا میں APHRODITE استعمال کر سکتی ہوں۔ اس کے دنگے کے طائر پلٹے بتادیں۔

تھرمس طریقہ رہ ماہ آچل میں لکھا ہوتا ہے۔ 700 روپے کا کاشی آرڈر میرے ٹیکک کے نام پتے پر ارسال کروں۔ اپنا تصاف اور مکمل لکھیں آپ کو دوا بھیج دی جائے گی۔ اسے استعمال کرنے سے فالو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔

محمدی کرار قنعل سے لکھتے ہیں کہ میرے سوزھے دانت کوچھوڑے ہیں۔ کسی بھی خون بھی آتا ہے۔

تھرمسآپ 6-MERCOSOL کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

کرن آفتاب گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ بڑا خراب ہے حق زہریت ادا کرتے وقت شدید درد ہوتا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔

تھرمسآپ 30-ARGENTUMNIT کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ان شاء اللہ شکایت ختم ہو جائے گی۔

کل زمان خان پوری سے لکھتے ہیں کہ مجھ کو بہت خراب بیماری ہے سوئے میں پکڑے خراب ہو جائے ہیں۔

تھرمسآپ 30-SALIXNIGRA کے پانچ

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

تھرمسآپ 30-JODUM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ 550 روپے کا کاشی آرڈر میرے ٹیکک کے نام پتے پر کروں۔ آپ کو لوگنے کی دوا بھی بھیج دی جائے گی۔ حقوق ادا نہ کرنے والا مسئلہ وضاحت سے لکھیں کیا مشکل ہے۔

جینی حدیق نوشہرہ پینٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شکم کے بغیر علاج تجویز کروں۔

تھرمسآپ 30-ACID PHOS کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ عمل محت حاصل ہونے تک دوا کا استعمال جاری رکھیں۔ یہی آپ کے تمام مسائل کا حل ہے۔

مہوش کرن قنعل نکا نہ صاحب سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں کیا میں APHRODITE استعمال کر سکتی ہوں۔ اس کے دنگے کے طائر پلٹے بتادیں۔

تھرمس طریقہ رہ ماہ آچل میں لکھا ہوتا ہے۔ 700 روپے کا کاشی آرڈر میرے ٹیکک کے نام پتے پر ارسال کروں۔ اپنا تصاف اور مکمل لکھیں آپ کو دوا بھیج دی جائے گی۔ اسے استعمال کرنے سے فالو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔

محمدی کرار قنعل سے لکھتے ہیں کہ میرے سوزھے دانت کوچھوڑے ہیں۔ کسی بھی خون بھی آتا ہے۔

تھرمسآپ 6-MERCOSOL کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

کرن آفتاب گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ بڑا خراب ہے حق زہریت ادا کرتے وقت شدید درد ہوتا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔

تھرمسآپ 30-ARGENTUMNIT کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ان شاء اللہ شکایت ختم ہو جائے گی۔

کل زمان خان پوری سے لکھتے ہیں کہ مجھ کو بہت خراب بیماری ہے سوئے میں پکڑے خراب ہو جائے ہیں۔

تھرمسآپ 30-SALIXNIGRA کے پانچ

# شش قبلہ

## طلعت آناز

### فروت چنٹ

#### اجزاء:

#### کپے

#### خرپوزہ

#### دودھ



#### ایک پیالی

#### تین عدد

#### ایک پیچ

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

#### آدھا چائے کا چمچ

#### دودھ

#### دودھ

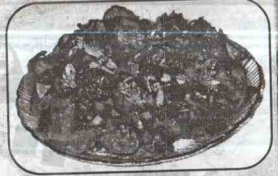
#### ایک پاؤ

#### ایک پیالی

وقت پیاز ڈال دیں۔

نمرہ..... ٹنڈوا ہیار

کھڑے مسالے دار چکن



انجام:

گوشت مرغ کا

آدھا کلو

دہی

250 گرام

پیاز چھوٹی

250 گرام

ٹائٹ سرخ مرچ

10 عدد (کوٹ لیں)

دھنیا پاؤڈر

ایک چائے کا چمچ

سفید لہسن

ایک چائے کا چمچ

گرم مسالا لپا ہوا

ایک چائے کا چمچ

بلدی

ایک چائے کا چمچ

ٹماٹر چھوٹے چھوٹے

ایک پاؤ

اورک لہسن

پہا ہوا دو چائے کے چمچ

ہری مرچ

6 عدد

ہر ادھیا

آدھی ٹہنی

ٹمک اور تیل

حسب ضرورت

ترکیب:

ٹماٹر اور پیاز گول کاٹ لیں (زیادہ باریک نہ ہوں) چھچھ کر صورت ایک پیالی میں خشک مسالا لیں کر لیں مرغی کا گوشت دھو کر باریک خشک کر لیں اور تمام مسالا لپا ہوا چمکی طرح میں پڑا دیں۔ اورک لہسن چھچھو دھو کر باریک خشک کر لیں۔ تیل گرم کر کے دھکی گھجے کر اس میں مسالا لپا چکن بھجوائیں چکن کے اوپر پیاز اور ٹماٹر کے چھچھ پیلا دیں اور دہی کی تہ لگا کر دھن بند کر لیں اور کم آگ پر چھ چھ چھ ہادیں جس طرح دم

لگاتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد دھکی کو ہلاتے رہیں تاکہ جل نہ جائیں 30 منٹ تک ای طرح پکندیں جب پانی خشک ہو جائے تو باریک کی ہوئی مرغی ڈال کر بھونیں آرام کے ساتھ تاکہ پیاز اور ٹماٹر ٹوٹنے نہ پائیں جب مسالا کی پھوڑ دے تو باریک ٹماٹر اور گرم مسالا ڈال کر دھن بند کر لیں۔ پیچھا آپ کے کھڑے مسالے کو مزید رچکن تیار ہے چٹائی کے ساتھ مرد کر لیں بقیہ چائے یہ اتنا بیٹی چلن ہے کہ کس اپنے ہاتھوں کا خیال رکھیں۔

نچم انچ..... کورنگی کراچی

لستر ابری چیز کیک

اشیاء:

میدہ

دو کپ

چینی

ایک کپ

چاندرو

دو کپ

چند قطرے

آٹھ سے دس عدد

دو کھانے کے چمچ

ایک کپ

اشیاء:

میدہ

دو کپ

چینی

ایک کپ

چاندرو

دو کپ

چند قطرے

آٹھ سے دس عدد

دو کھانے کے چمچ

ایک کپ

دودھ

ترکیب:

انڈوں کی زردی علیحدہ کر لیں اور اس کو اچھی طرح پھیلت لیں۔ چینی کو چیس لیں اور انڈوں میں شامل کر کے خوب پھیلتیں ساتھ ہی میدہ شامل کریں اور دودھ شامل کریں۔ دھنیا لہسن اور کان کھور شامل کریں اور پیاز ڈال دیں اس مرکب کو چندہ منٹ تک پھیلتیں اور اوون میں تیس سے پچیس منٹ تک پکائیں اور اس کے بعد فریج میں خشک کر لیں اس کو گرم اور اسٹری سے گارڈ کریں ایک تیار ہے۔



طیہ بندم..... شادیاواں

سمجرات

شاہی زردا

اشیاء:

چاول

چھٹی

چینی

گرم پیادام

کرسکس

ایک کلو

دو کپ

تین پاؤ

ایک چمک

ایک چمچ



ایک چمچ

ایک چمک

سات عدد

دو چمک

کیڑا

پسی زعفران

بزر لا چکی

زردے کا رنگ

ترکیب:

چاول صاف کر کے بھگو دیں کسش اور پیادام پانی میں ڈالیں پیادام کا چھلکا نرم ہو تو اتار لیں اور کسش کے پھول جانے کا انتظار کریں۔ چاول سے دو کھانے کی پسی دھنیا پھلے میں ڈالیں اس میں چینی زعفران پاؤڈر کا رنگ ملا کر چھلے پر چھ ہادیں کسش کے دو چاول ڈالیں جب پانی اٹنے کے جب چاول اچھی طرح سے پک جائیں اور پانی خشک ہو جائے تو دم پر کھدیں چندہ منٹ پاتا رہیں۔

فرنی پین میں بھی گرم کریں۔ بزر لا چکیاں بھون لیں پھر کسش پیست اور پیادام مل لیں۔ چاولوں میں شامل کر کے کیڑا ڈال دیں پانچ سے سات منٹ کے لیے دم پک کر دیں۔

اتار کر دھک لائیں بیوہ کی ہوائیاں چھڑکیں مووی پھل کاٹ کر حاشاں۔

ساحہ زید..... دیروال چیمہ۔  
دال عالمگیری

انجام:

ٹائٹ لڑت کا وال

اورک لہسن کا پیست

ٹماٹر کا پیست

ٹمک

لال مرچ پاؤڈر

بھنسن

فریش کریم

پانی

ترکیب:

دال کو تقریباً 12 گھنٹوں کے لیے پانی میں بھگو دیں بھاری پانی سے دھو لی پانی میں ایک لیٹر پانی گرم کر لیں پانی میں ابالنے کے کھڑے پیست سے بھگوئی ہوئی دال ڈال دیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دال نکال کر تھار لیں اور سادے پانی سے دھو دیں دوسری دھکی میں ایک لیٹر پانی گرم کر کے دھکی دال ڈال کر 45 منٹ پکائیں فرنیٹک پین میں 4 کھانے کے چمچ بھنسن گرم کر کے اورک لہسن



پیست ڈال کر دو منٹ پکائیں۔ ٹماٹر پیست، ٹمک ڈال مرچ شامل کر کے مسالا بھون لیں پھر اس مسالے میں سوکھ دال ڈال 30 منٹ فرنیٹک کر لیں تاکہ دال کا پانی سوکھ جائے اور مسالے میں کس ہو جائے پھر چولہا بند کر کے تازہ گرم ملا دیں دھن میں نکال کر گڑی پیچے اور کدو کس کی ہوئی فرنیٹک کا حشر سے جھاوٹ کریں۔

آمنہرا بھنسن نول راجیلہ..... ڈمی آئی خان



# بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

گو لگتا اور گرمی کی شدت ہوتی ہے اس سے گرمی کی لہر جو حرارت کی شدت ہوتی ہے اس کے کافی لوگوں کو لوگ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ گرمی کے اثر کی وجہ سے طبیعت نڈھال رہنے لگتی ہے۔ اس طرح کی کیفیت عام طور پر ان حالات میں ہوتی ہیں جب دھوپ میں سفر کیا جائے اور نمک اور پانی جو کہ پینے کے ذریعے خارج ہو رہا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ اس کی حالت گرم اندھن والے کمرے میں بھی پیدا ہوتی ہے اس حالت میں جسم کی حرارت 104 فارن ہائٹ سے زیادہ ہو جائے پینے یا ٹینڈر ہو جاتا ہے۔ جسم بالکل خشک اور گرم ہو جاتا ہے۔ شدید حالت میں بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ گرم حرارت اس قدر رو نہیں جاتی بلکہ ایسے سے کم ہی رہتی ہے تو لگنے کی حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دھوپ کی تابش کی ٹھنوں تک برداشت کرنی پڑے۔ جو لوگ گرمی اور سخت کام کے عادی نہیں ہوتے وہ اس کا جلہ شمار ہو جاتے ہیں اس طرح فزیک لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ضرورت سے زیادہ کپڑے پہن کر رکھے ہوں یا کرینڈ ہو جس سے دھوپ کی حرارت کم ہو کر آسانی سے ہو جاتا ہے۔

گو لگنے سے جو لوگ مر جاتے ہیں ان کے بعد از مرگ مہمانے پر یہ پتلا ہے کہ ان کے مہمان کے علاوہ گردے بکرا اور دوسرے اعضا کو کافی کرڈھنچا جاتا ہے۔ عموماً جسم گرمی کی سخت کھتی ہے تو جسم کی حرارت زیادہ ہو جاتی ہے اگر گرمی اس طرح نہ ہو اور کام جاری رکھا جائے تو جیسا کہ لگنا شروع ہو جاتی ہے اور دوسرے پکڑا کر آئے جیتی اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ جسم خشک ہو جاتا ہے اور پینے بالکل بند اور حرارت 105 فارن ہائٹ سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ جسم کی رفتار تیز اور کمی جیسی بے قاعدہ ماس جیزی سے چلتا ہے۔ پیشاب یا خاندان خطا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ خونی دست آنے لگتے ہیں۔ پیشاب کا آنا بہت

کم ہو جاتا ہے اس طرح بیمار کی حالت بڑی نازک اور خطرناک ہو جاتی ہے خون کا باؤ بہت گر جاتا ہے اس لیے اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کو بخار بہت تیز ہے جسم خشک ہے پینے نہیں آ رہا اور دماغی حالت غیر معمولی ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی اور دھوپ میں گھومتا رہا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ اس کو لو لگ گیا ہے۔

تجربہ گراں میں بھی بعض دفعہ یہی کیفیت ہو جاتی ہے۔ علاج فوری ہو جاتا ہے اور کم دھوپ کے اثرات 102 تا 101 فارن ہائٹ تک کر لیتا ہے۔ یہ صرف ایک شخص کے اندر ہو جاتا ہے برف کے ٹھنڈے پانی میں بنا کر لوگنا کر جسم کی ماس میں لگایا جائے پھر بائیس سے پچاس منٹ کے بعد حرارت کا معائنہ کیا جائے اور جیسے ہی حرارت 102 فارن ہائٹ پر آجائے تو پانی کو دھوپ پر ملا دیا جائے۔ اس کے بعد اگر زیادہ بھی ہو جائے تو معمولی ٹنگے کے پانی سے اسے آگ کرنے سے زائل ہو سکتی ہے علاج میں جلدی اس لیے بھی ضروری ہے کہ کچھ ٹنگے اس طرح لو کی حالت میں ڈر جائیں تو اتفاقاً ہونے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ ایسے بیمار کو آئینہ، گولڈن اور نمک کا پانی بھی دینا چاہیے جو لگنے کے علاوہ جسم کی حالات میں کام کرنے سے طبیعت نڈھال بھی رہ سکتی ہے۔ جسم پر بالائیں نکل آئی ہیں طبیعت میں بے چینی کی پانی پانی ہے۔ جسم خشک رہتا ہے اور جسم کی حرارت زیادہ ہو جاتی ہے۔

بعض دفعہ گرمی کے اثر کی وجہ سے پکڑ آنے لگتے ہیں جسے احتیاطاً سے معالج سے جسم میں بے چینی ہی ہو جاتی ہے۔ عموماً گرمی میں کافی دیر گزرتے رہتے ہیں جیسا کہ عام لوگوں کو گرمی کے موسم میں جیروں میں جان اور پنڈلیوں میں خون اچھڑا ہونے لگتا ہے۔ منہ اور زبان خشک ہو جاتی ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ جاتے ہیں ہر وقت سکل رہتی ہے جبکہ اڑ جاتی ہے اور کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ اس کی دھوپ اور بیمار اس کو پھر جی نہیں آتی اس کی خاص وجہ تو دھوپ اور گرمی ہے کیلن بے ہوشی اس لیے ہے کہ ہمارے جسم سے پانی اور نمک ضائع ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس کو پورا کر کے رہیں تو پھر ان علامات اور شکایات سے بہت حد تک بچ سکیں گے اس لیے گرمی کے موسم

میں پیکاس سے زیادہ پانی بارہ گلاس روزانہ استعمال کرنا چاہیے اس طرح تو لگنے اور گرمی کے دوسرے اثرات کا امکان کم ہو جائے گا۔

اگر گرمی اور دھوپ میں زیادہ عرصہ گزارا جائے اور مناسب مقدار میں جو پانی ضائع ہوا ہو اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے تو جسم میں پانی کی قلت ہو جائے گی اور پینے کی تابندہ ہو جائے گا۔ جو اس بات کا اشارہ ہے کہ ساتھ یہ شخص سخت گرمی میں داخل ہو گیا ہے۔ جب کہ اور گرمی میں پینے یا ٹینڈر ہو جائے گا تو کو کا سخت اندیشہ ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ کو کوئی مخصوص قسم کی بوتل سے اور کسی خاص وقت پر چلتی ہے۔ یہ صرف گرم ہوا ہے اور ہر اس شخص پر اس کا اثر ہوگا جو گرمی اور دھوپ میں ہے اور اس پانی کی خلاف ورزی نہیں کر رہا ہے جو پینے کی صورت میں تلف ہو رہا ہے۔

گرمی کے اثرات ان لوگوں پر زیادہ ہوتے ہیں جو عموماً اس کے عادی نہیں ہوتے یا سردی کا متحمل نہ رہتے والے ہوتے ہیں۔ وہ کہ جن کے علاوہ بچوں اور خواتین پر بھی اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ جن میں خون ٹھنکے کا عارضہ ہے مثلاً اگر دماغ اور گرد مہمان کے گرمی میں ان کی حفاظت خون کے سبب سے خون ٹھنکے کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کے گردے اچھی طرح کام نہیں کرتے وہ پانی کی کمی کی وجہ سے سخت بیمار ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کو اس طرح کے ماحول سے احتراز کرنا چاہیے اور پانی کی کمی نہیں ہونے دینی چاہیے کہ اصل مسئلہ آب و نمک کا ہے۔

تجفط و علاج

یہ بات اہمیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ گرمی کے اثرات کا اصل سبب جسم میں نمک اور پانی کی خصوصاً پانی کی قلت ہے۔ ہمارے جسم میں مسلسل پانی اس طرح جلی خارج ہو رہا ہے کہ اس کا جسم اس جیسا نہیں ہوتا۔ یہ موسم میں بھی جلدی کر رہا ہے اور اس کی کمی کے لیے تقریباً ہر موسم میں پینے پانی غیر محسوس طریقے پر ضائع ہو جاتا ہے جو تقریباً پانچ گلاس پانی کے برابر ہے۔ جب موسم گرم ہو اور سخت پینے آئے تو پانی کا ضیاع کثیر ہو جاتا ہے جو دوسری چیز بھی ہو سکتا ہے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ سختی ہوا بارہ

گلاس پانی کا اخراج اور ضیاع جسم سے پانی کا اخراج حرارت کم کرنے اور جسم کو ٹھنڈا رکھنے کا موثر ذریعہ ہے اگر یہ حرارت خارج نہ ہو تو زندگی نامکن ہو جائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پینے جلد کے مسامات سے خارج ہوتا ہے۔ یہ بات دھوپ ہے کہ دماغ میں ضرورت سے کم پانی بننے کا رواج ہے اور ہمارے جسم میں نمک میں اس حالت کے نقصانات ظاہر ہوتے ہیں۔ پینے کے علاوہ کھانا کھا کر جب بھی کھڑے ہیں ان کی پانی کی سطح میں خصوصاً گرمی کے موسم میں اور اس میں بڑی حرکت و دانا کی کمی کے لیے تو حفظ دیتا ہے۔ اثرات گرمی کے مہمان کے لیے ضروری امر ہے کہ پانی جیسا کہ زیادہ پیا جائے جو تقریباً پانچ یا بارہ گلاس روزانہ سے نہیں ہو جاتا ہے۔

جب کسی شخص کے متعلق یہ شہ ہو جائے کہ اس پر لو کا اثر ہو رہا ہے تو اس کی بخندنی جگہ لانا دیا جائے۔ جسم پر سے زیادہ تو کپڑے خصوصاً نایلون وغیرہ ہٹا دیے جائیں کہ ان میں سے گرمی خارج نہیں ہوتی۔ اگر بیمار کو کھری جار پانی پر پانی میں ٹنگے ہوئی چادر اوڑھا کر ہوا کے رخ لگایا جائے تو مناسب ہے کیونکہ اس طرح جسم کی حرارت کم ہو جائے گی۔ اس طرح ٹنگے سے ٹھنکے تو لیے جسم کی ماس کی کمی کی وجہ سے حرارت کم ہو جاتی ہے اور دوسرے برف کی پٹیاں رکھی جائیں تو دماغ گرمی کے مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ اصل علاج پانی ہے جس میں خفیف نمک کی آمیزش کی جاسکتی ہے۔ جب بیمار نہ جانی ہے تو پانی پی سکتا تو نمک آمیز گولڈن وگڑ میں چڑھائی جاتی ہے۔ دودھ خون کو موثر رکھنے کے لیے بے گولڈن اور پنڈلیوں کی بچنے سے اوپر کی طرف ماس کی جائے۔ طبیعت درست ہونے کے بعد ہی روزانہ گرمی اور دھوپ سے بچا جائے۔

زبان قدیم سے جو مجرب خانہ ساز تھے گو کے علاج کے لیے مستعمل ہیں ان میں نمک و شہ (کیوں پانی) شربت مناب شامشر خضندی ہیں۔ جن میں خشک آؤ بخارے کیرو کا شربت سر کا شربت یا کاشی شربت مشہور ہیں۔



غزل

پیار میں جتنی دھوکا دی تو کب کی ریت پرانی ہے  
پوچھ لو تم یہ آنسو اپنے سب کی ایک کہانی ہے  
سچے پیار کی قدر نہ کرنے والے کاک دن روتے ہیں  
لکھ کر رکھ لو تیری یاد بھی اس کو اک دن آتی ہے  
جتنی عمر میں دیکھے تھے سب خواب فسانہ ہوتے ہیں  
ان کا حاصل یہی ہے یہ جتنا کھس کھس تیرے پانی ہے  
مطلب کے سب لوگ یہاں پر بھونٹا پارتا ہے  
جانے کس کس سے کہتے ہیں تو ہی دل کی رانی ہے  
ان بے قدروں کے پیچھے کیوں اپنی عمر نکالتی ہے  
پالو اس کی پاک ذات کو جس کا پیار لا فانی ہے  
نازیہ کنول نازیہ..... ہارون آباد  
غزل

آنکھ نے دیکھے ہیں خوش رنگ گلابوں کے وجود  
نہد کے شہر میں رشتے ہوئے خواہوں کے وجود  
بعد مدت کے تیری یاد جو دل میں اتری  
پھلتے جاتے ہیں بے شکل مذاہلوں کے وجود  
تم ستارے ہی سہی قمر ہی سہی مان لیا  
گرتے دیکھے ہیں مگر ٹوٹ کے شہابوں کے وجود  
کچھ کرم رکھتے ہیں دنیا میں شمع کی صورت پر  
کچھ گناہ ہوتے ہیں دنیا میں لوٹوں کے وجود  
درو کی آنکھ میں آہوں کی نمی باقی ہے  
کس نے احساس پتوڑے ہیں سر لوں کے وجود  
لفظوں میں اٹھے رہے پیار کے سارے پیکر میں  
خوف سے اڑتے رہے نازیہ نصابوں کے وجود  
نازیہ عمران..... فیصل آباد  
میں تجھے یاد کرتی ہوں

جب برھارت ہو

اور نہ کئے پھولوں کے سنگ تپناں مسکراتی ہوں  
چمکے ہوں جب سارے ہنسی  
اور گول من کے گیت گاتی ہو  
جب دھاتی شام ہو  
اور میں ساحل سے مل کر  
چھڑتی ہوں  
جب سردی راتیں  
چاندنی میں نہانی ہوں  
اور ساون چم چم رہتا ہو  
اور.....

جب جب میں سانس لوں  
تو میں تجھے یاد کرتی ہوں.....  
”میں تجھے یاد کرتی ہوں.....“  
پاکیزہ عمر..... تلہ گنگ سکھر  
غزل

اے مرد مسلمان!

اے مرد مسلمان!  
تو محافظ ہے نہ خدا کا  
جس کے وجود سے جنم لیا تو نے  
جس کے تو اس جسم کا حصہ ہے تو  
اے مرد مسلمان!  
تو محافظ ہے نہ خدا کا  
کہیں وہ دگر گما جائے  
تو قحط ام لے اس کو  
اے مرد مسلمان!  
تو محافظ ہے نہ خدا کا  
ہواؤں کے دوش پر اڑتی اس قحطی کے رنگوں  
سے مت کھیل

اس کی آبرو کا بھرم رکھ  
اس کے رنگوں کی شوخیوں کو پامال مت کر  
اس کی غیرت کے پیر بن کی لاج رکھ  
اے مرد مسلمان!  
تو محافظ ہے نہ خدا کا  
اس حجر پیکر ان کا وجود  
وجہ نہادانی ہے  
حسین زندگانی ہے  
آج نہت خدا تجھ سے سراپا سوال ہے  
آج کامیابی تیری اسی کا کمال ہے  
اگر؟  
عورت تیرے بغیر مکمل نہیں ہے  
بناتیرے محفل میں رنگ نہیں ہے  
ٹوٹن لے تو بھی اے مرد مسلمان

تو بھی تو اس کے بغیر ادھورا ہے ازل سے  
تو بھی تو اس کے بغیر ادھورا ہے ازل سے  
(بیت شرق)

ضبط تو ہیں  
کھلی کھڑکی کے در سے جھانکتا  
اماؤں کا تہا تھا سا چاند  
ایسے میں.....  
شعشعی کافی گلاب  
اور مہو کا عالم  
سناٹوں میں جو بھی سسکیاں  
اواسی ویران آنکھیں  
یادوں کے صحرا میں جو فریادوں  
سوچوں کے گرداب میں الجھا ذہن  
اور.....  
خاموشی سے پکڑوں کی باز توڑتے اشک  
زود آئی آخر پھر  
ہمارے ضبط کی توہین ہوگئی

زیرہ طاہر زودی..... بہاولنگر  
غزل

اگر ہم سے محبت تھی ہمارا مان تو رکھتے  
تم اپنے لوٹ آنے کا کوئی امکان تو رکھتے  
ستارے ٹاک دیتے آنسوؤں سے تیرے آنچل پر  
تیری راتیں ہیں روشن اتنا اطمینان تو رکھتے  
تمہیں معلوم ہو جاتا کہ میں دل سوختہ کیوں ہوں  
تم اک دن سامنے اپنے میرا دیوان تو رکھتے  
جاوید شیخ جیدی..... بہاولنگر



غزل

اک حقیقت ہے کسی دکھ کی کہانی تو نہیں کہانی ختم ہو جاتی ہے بھی کردار مرجاتے  
یہ جو آنسو ہیں کہیں اس کی نشانی تو نہیں بڑا کیا تھا اگر دونوں سمندر پار مرجاتے  
جس طرح شام ڈھلے شہر سے نکلا ہوں تیرے خدا جانے کہ مورخ پھر کہاں پہ دھاندلی کرتا  
یہ اجڑا ہے کوئی نفل مکانی تو نہیں اگر دونوں قبائل ہی میں دیوار مرجاتے  
بچھٹی ہے تیرے ماتم کا جواب قسمت سے ہمارے لفظ رکش کے ہیں زندہ زمانے میں  
ہم نے یہ صف بھی اس دل سے اٹھائی تو نہیں دگر نہ تو یہی ہوتا کہیں بے کار مرجاتے  
اس نے چاہا ہے مجھے اپنے جنوں کی حد تک ذرا تاخیر ہو جاتی اگر واپس پلٹنے میں  
میں نے یہ بات زمانے کو بتائی تو نہیں مجھے معلوم ہے تیرے سبھی اقرار مرجاتے  
یہ جو ہر موڑ پر آگئی ہے حسرت ہم سے میرے اندر کی فکری تیری دریافت ہے صاحب  
بد نصیبی یہ کہیں اپنی دیوانی تو نہیں دگر نہ تو میرے اندر بھی شاہکار مرجاتے  
ماریہ گھانوی لایا..... ایبٹ آباد ہزارہ مرحلہ  
عکاشہ..... ملتان

غزل

حزناں رسیدہ چمن کو بہار کرنا ہے آج دل میں کیوں وہ اضطراب اترے ہیں  
اس لیے تو تیرا انتظار کرنا ہے کہ مجھ میں درد پھر بے حساب اترے ہیں  
لگا کے شہر کی زمینوں میں خیر کے پودے بعد مدت کے بام پہ دل کے  
بلند ہم نے خودی کا وقار کرنا ہے تیری یادوں کے مہتاب اترے ہیں  
وہ جن کو منہ نہ لگایا کسی نے بھول کر بھی میری آنکھیں ہو گئیں معتبر جانان!  
انہی نصیب کے باروں سے پیار کرنا ہے جب سے چاہت کے خواب اترے ہیں  
تم اپنی چاندنی راتوں کو اپنے پاس رکھو کھل اٹھا ہے معین زیت کہ اب  
ہمارا کام ستارے شمار کرنا ہے آرزو کے گلاب اترے ہیں  
اگرچہ تیز ہواؤں کا سامنا ہے مگر تیری آہٹ پہ بجلی پلکوں کی چٹن  
تیری لگن میں سمندر کو پار کرنا ہے میری نگاہ میں ایسے حجاب اترے ہیں  
میری حیات سے خوشیاں چھوڑنے والے موسم ہجران کی لمبی راتوں میں  
تیری تلاش میں خود کو غبار کرنا ہے روح پہ کیا کیا عذاب اترے ہیں  
رائل کنول راجیلہ معدیہ..... ڈی آئی خان  
ایمن..... شیوپورہ

مجھے ایسے ہی رہنے دو

سنو!

اسے نسل کے عاشق  
بہت جلدی ہے نہیں  
مجھے تک پہنچنے کی  
ایک ہی تکرار  
آئی لو پو  
آئی مس پو  
کھرے باہر ملو  
کبھی بڑی سچی آن لائن  
کیسے کروں میں.....؟  
تم پر یقین  
تمہارے الفاظ  
تمہاری طرح کھوکھلے بے جاں ہیں  
نہ تمہاری آنکھیں ساتھ دیتی ہیں  
نہ تمہارے لہجے خاص ہوتے ہیں  
بہت سے باغوں کے  
تم پھوڑے ہو  
میرا چہ خوب صورت  
میری آنکھیں غزالی ہیں  
یہ باتیں کہانی ہیں  
یہ باتیں فری ہیں  
تم مجھے عام ہی رہنے دو  
بقول تمہارے  
مجھ میں "کافیڈزس" کی کمی ہے  
جب

میں سر پر دو بٹا اور سنی ہوں  
"سیلوٹس" نہیں پہنتی ہوں

جب

میں آدم کی بھیڑ سے  
گھر کر بھاگتی ہوں  
تم مجھے "مڈل کلاس" ہی رہنے دو  
مجھے "ایسے" ہی رہنے دو  
مجھے "ایسے" ہی رہنے دو  
مریم منور گل..... سمندری  
غزل

ہر آن ڈھونڈتی ہے میری بے کسی مجھے  
لے جائے دار پر نہ کہیں بے بسی مجھے  
ہر شخص پھر رہا ہے فرشتہ بنا ہوا  
ملا نہیں زمیں پہ کوئی آدی مجھے  
آنکھیں چرا کے مجھ سے میری جاں ملا نہ کر  
گلتی نہیں ہے اچھی تیری بے رخی مجھے  
اے دوست تیرے پیار کی خاطر تمام عمر  
ہر آدی سے رکھی پڑی ڈنٹی مجھے  
دنیا کی اس بہار میں لگتا نہیں ہے دل  
میں زندگی ملی ہے مگر عارضی مجھے  
رکش کے یاد سب مرا کردار دیکھنا  
ڈھونڈنے گی میرے بعد میری زندگی مجھے  
میں تو خدا کی ذات سے واقف نہ تھا حکیم  
سکھلا گیا اس کی کوئی بندگی مجھے  
(حکیم خان حکیم)

میمونہ تاج

نیلہ یاقوت سونو..... سرگودھا  
 بیوں گلیوں بھٹک رہا تھا ایک سنہرا خواب جسے  
 ہرے بڑوں نے اپنی لاکھوں نیندیں بچ کے کالا تھا  
 ہر یہ تقدیر تھی اس کی یا قدرت کا تھیل  
 مرا جہاں پر رات کا چپھی تھوڑی دور اجالا تھا  
 افشاں یروں..... خانہوال

مجھے یہ دھن کہ سٹ آئے پھری بانہوں میں  
وہ خواب خواب سا منظر بکھر بکھر جائے  
تیرے چنن میں بھی دیر تک خزاں نہ رہے  
بہار جاتے ہوئے بھی ٹھہر ٹھہر جائے  
ضمیمہ شاہ عرفی..... گاؤں حضرت پیر عبدالرحمن  
لے تاب کی رات ہی ہوں تیری ماد میں اکثر

ایک ماہر نے اس پر اسکاں کیا جائے گا۔ یہ تو پس کے پاس محفوظ ہیں۔ انچارج مکمل نام شعائر۔

میں چاند تو نہیں مگر تمہا ضرور ہوں  
رہے ملک.....واہ لینٹ  
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے  
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوئے  
دیون افضل شاہین.....بھانڈو  
قابل دیدہ آنکھیں ہیں کہ ان آنکھوں سے  
خود ہی ایسا ہوئے خودی تماشا دیکھا  
مہر گنایا کد.....اورنگی کراچی  
حسرت سے دیکھتے رہے ماضی کو اس طرح  
چپے وہ لڑتے آئیں کہ جو دن گزر گئے  
فرحان.....خزائن کا کازہ  
کچھے گا کون جاگتی آنکھوں کے خواب کو  
ہم اپنے حادثوں کے ایسے گواہ ہیں  
صاحبزادہ علی.....کراچی  
آزارِ عقلی سے ڈر گئی ہے  
کہانی میں عبت مر گئی ہے  
حنا کارن.....جولائی کلا  
وہ سلسلے وہ شوق کی نسبت نہیں رہی  
اب زندگی میں جبر کی دشت نہیں رہی  
سمیرا شائق ملک.....اسلام آباد  
بھاری یہاں غلوں کی قیمت ہے کس قدر  
ہر پھول کے جواب میں پتھر مانگے

233

آنچل

جون ۲۰۱۲ء

232

جون ۲۰۱۲ء

انجیل



# سید کا لکھ

جو یہ میرے طاہر

حمداً ی تبارکی

تو غفور رحیم عظیم میرے مولا  
تیری شان سب سے عظیم میرے مولا  
آلودہ ہے گناہوں سے میری زندگی  
صراطِ مستقیم پر مجھے تو چلا میرے مولا  
عطا کر مجھے تو ایسا قلب مضطر  
سکوں پاؤں تیری ثناء کر کے میرے مولا  
سہارا ہے ترا مجھ گناہ کار عسی کو  
حشر میں رکھنا میرا مجرم میرے مولا  
نوید کرے ہمیشہ حمد و ثناء یوں تیری  
وصف یہ عطا کر مجھے میرے مولا

بشری نوید باجوہ..... ادا کڑہ

نعت شریف صلی اللہ علیہ وسلم

دو جہانوں کے سردار آپ ہیں یارمول اللہ  
رحمت للعالمین فقط آپ ہیں یارمول اللہ  
پتھر کھرا کر بھی دشمنوں کو دبا دینے والے  
بے کسوں محتاجوں کے غم خوار آپ ہیں یارمول اللہ  
رب بھی جس کے عشق میں پڑے درد و صلام  
شاہ کوٹین صرف وہ آپ ہیں یارمول اللہ  
عرش پر فرش پر ہے تری حکومت  
دو جہاں میں غانی کوئی نہیں آپ کا یارمول اللہ  
نوید سیارہ کا پر بھی کر دو نظر کرم اپنی  
سبز کنبد کے جلوے مجھے بھی دکھا دو یارمول اللہ

بشری نوید باجوہ..... ادا کڑہ

ماں

۹۹ جب ماں کو خدا نے بنایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ  
چاندی خشک، جنم کے آنسو بیل کے فٹے چکوری کی  
ترپ گلاب کے رنگ پھول کی چمک لکڑی کی کوک

سمندر کی گہرائی دریاؤں کی روانی موجوں کا جوش  
لکھاؤں کی رنگینی زمین کی چمک سج کا نور آفتاب کی  
تمازت کو چمک کر تار ماں کی گتیں کی جائے جب ماں کو  
خدا نے بنایا تو فرشتوں نے پوچھا: ”اے ماں کونک وہ  
جہاں اٹھنے اپنی طرف سے اس میں کیا شامل کیا“ تو  
ماںک ایش دستانے فرمایا۔

”محبت..... ماں تھے سلام“

رانی اسلام..... گوجرانوالہ

ماں اور باپ

ماں شغری چھاؤں

باپ گنبد خدشت

ماں کے پاؤں تلے جنت

باپ کے پہلو میں جنت

ماں کے بفرگھر سوتا

باپ کے لہیرے زندگی ویران

ماں محبت کا دریا

باپ شفقت کا سمندر

ماں اولاد کی رشتی

باپ اولاد کے لیے شفیق

ماں خد خداوندی

باپ رحمت خداوندی

میر کی ماں میرا غفر

میرا باپ میرا غفور

امیرہ خان امیر..... ملتان

اک بات نئی نسل کے لیے میری طرف سے

۹۹ والدین انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہوتے  
ہیں جو بچپن سے لے کر جوانی تک ہماری مدد کرتے  
ہیں۔ ہم کو ماں کی ایک بات کا بھی حق ادا نہیں کر سکتے  
والدی کی سکرابت بھی ہم ادا نہیں کر سکتے اور پھر ہم لوگ  
کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم کمر سے بھاگ جاتے ہیں اور  
اپنی مرضی سے شادی کریں اور اس ماں باپ کی عزت  
خاک میں ملا دیں جنہوں نے فی داتیں اور فی دن ہمیں

سکون دینے میں گزار دیے۔

۹۹ شادی تو ہو جائے گی اور جو داغ ساری زندگی  
ساتھ رہتا ہے وہ ہم کبھی نہیں دھو سکتے خواہ کتنے ہی  
صرف اور صابن استعمال کر لیں زندگی میں تو داغ رہتا  
ہی ہے اور بعد میں اولاد کے ساتھ لگ جاتا ہے بھلا اولاد  
کا کیا قصور اس میں قصور تو ان والدین کا ہے جنہوں نے  
اس کو اپنے ذمے لیا۔ داغ تو لگ جاتا ہے پچھلے ماں باپ  
بہن بھائیوں کی عزت جو معاشرہ کرتا ہے میری نصیحت  
آپ سب لوگ جانتے ہو بس زندگی میں اتنا یاد رکھو کہ  
”عزت بڑی چیز ہے“

عائشہ سلیم..... فیصل آباد

ماں

اگر چاہتے ہو سدا مسکراتا  
کبھی اپنی ماں کا دل نہ دکھاتا  
کرد اپنی ماں کی ہمیشہ غلامی  
نوکر بنے گا تمہارا زمانہ  
غصہ نہ کرنا کبھی اپنی ماں سے  
ہمیشہ محبت سے ماں کو بلانا  
خوشی سے ماں کی ہر اک بات مانو  
جنت میں تیرا بنے گا۔ ٹھکانہ

مدینہ نور میں دوح..... برٹانی

ماں کے احترام میں

۹۹ خوش قسمت ہے وہ اولاد جو اپنے ماں باپ کی  
نصیحت چمک لے

۹۹ ماں خدا کا سب سے بہترین شاہکار ہے۔

۹۹ آسان کا بہترین اور آخری تحفہ ماں ہے۔ اس کی

دل سے قدر کرو۔

۹۹ دنیا کی تمام مسرتیں پیارے ”ماں“ کہتے ہی مل

جاتی ہیں۔

۹۹ ماں باپ کی خوشنودی حاصل کر کیوں کر ان کی

دعائیں تیری کی آخرت ستار دیں گی۔

نمیرہ شیخ..... گوجرانوالہ

کامیابی کا راز  
۹۹ جس چیز کا خوف ہو اس کا سامنا کریں خوف دور  
ہو جائے گا۔

۹۹ اگر آپ بڑی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو

آپ کو بڑی کامیابی کے لیے کسی تیار ہونا چاہیے۔

۹۹ جو نہیں مل سکتا اس میں آپ کے لیے خیر خواہی کا

پہلو بچھا ہوتا۔

۹۹ کبھی نہ بھولیں اس کو جس نے آپ کے ساتھ

بھلائی کی کی ہو۔

عروسہ شہوار..... کالا گوجراں

دعا

”دعا“ اعتقاد ہے

”دعا“ یقین ہے ”دعا“ بھروسہ ہے

”دعا“ امید ہے ”دعا“ کھٹکوتہ ہے

”دعا“ پاکیزگی ہے ”دعا“ وسیلہ ہے

”دعا“ موصلا ہے ”دعا“ محبت ہے

”دعا“ راز ہے ”دعا“ اندر ہے

”دعا“ طاقت ہے ”دعا“ تو ”کائنات“ ہے

اس لیے دعا مانگتے ہو تو چاہے جس حال میں ہو۔

فرخ شہیر..... شاہ کڈر

آکھیں

سفید سرخی مکمل آکھیں: فارغ البالی اور امیری کی

آکھیں ہیں۔

۹۹ بھور بھاون آکھیں: خوش قسمتی کی علامت ہیں۔

۹۹ سرخ آکھیں: عیاری عیاشی اور فربک کی علامت ہیں۔

۹۹ زرد آکھیں: آفت اور دکھ کی علامت ہیں۔

۹۹ کالی آکھیں: خوش نصیبی کی علامت ہیں ایسی عورت

صاحب اولاد اور دل عزیز اور خوشویری و فادار و پیاری ہوتی ہے۔

۹۹ نیلی آکھیں: بے وفائی اور عیاری کی علامت ہیں۔

۹۹ ہرن آکھیں: برکت کی علامت ہیں ایسی عورت گھر

کو امیر بناتی ہے۔

۹۹ آکھیں: ناقابل اعتقاد ہونے کی علامت ہیں۔














☆ میر عتیقہ اچوٹ آمدید۔

شمع فیاض..... بستی بزدار۔ اسلام یکم شہلا آئی! کیسی ہیں آپ؟ امید ہے آپ بالکل ٹھیک ہوں گی۔ آئی رہ میرا کسی بھی رسالے میں





کلیغلا آوست

۱۵۸

تمام راسخز کے نام

اسلام علیہ السلام دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی پیشہ  
توشہ رکھے آپ کی اچانک کے توسط سے آپ کے ایک نہایت ہی  
بہادر رشتہ بن گیا ہے۔ ایک درخواست کے ساتھ حاضر  
ہوئی ہوں بہت عرصے سے ایک خیال چنپ ہوا تھا کہ میں  
سوچا آج کل والوں۔ پر کہاں میں لڑکی سن کا مرع  
کی یوں ہوئی ہے؟ رنگ گرا ہی کیوں؟ انکسین بدش  
کیوں؟ متناسب ہم کیوں؟ رنگ لانا بھی تو ہوسکا  
ہے۔ انکسین بڑی بڑی ہوا ضروری تو نہیں ہے؟ موٹی  
لڑکی جیت نہیں کر سکتی یا اس سے جیت نہیں ہو سکتی کیا؟  
بڑی بڑا اعتماد ہی کیوں ہوں؟ میں خود نے  
لڑکی لائی بھی تو محبت کے دیوانہ ہو سکتی ہے صرف  
حسین لڑکیاں ہی کیوں محبت کی حق دار ہوں؟ کیا صرف  
جن کی قسمت میں محبت کا حصول لکھا ہے ایسا نہیں ہونا  
چاہیے..... میں آپ لڑکی کی ایک اور قصہ بتاتی ہوں! کچھ  
لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو توفیق پر گھبرائی ہوئی ڈری ہوئی  
خود سے ناراض ساری دنیا سے خفا تہائی پر بند ہوئی ہیں۔  
انتہائی عام شکل و صورت موٹی کی حد تک احساس کمتری  
میں مبتلا ہوتی ہیں۔ محبت میں مبتلا اور اس کو کھونڈنے کے  
خوف سے آنسو بہانے والی کی طرف محبت کی اذیت میں  
پہلے والی ہوتی ہیں۔ دل کا کینہ سامنے آجائے تو ہاتھ لڑ  
جائیں دل کا کینہ اٹھے آنکھ اٹھے سے انکڑی ہوٹل کپکا  
تھیں بولنے سے انکڑی ہوٹل کپکا تھیں پتا کہ کب کیا کرنا  
ہے۔ اگلا اقدام کیا ہوگا۔ کسی بھی سے اس کا نام لے لیا  
سامنے تو لڑکی کی سوسے رفتار سے بھاگ اٹھا۔ بہت  
نہیں تھی چہرہ پر نہیں۔ کہ طرفہ دیکھتا ہے بہت  
اذیت ہوتی ہے۔ لڑکی کی کہانی بھی تو ہو سکتی ہے جس

کی محبت ایک طرف ہو، خونہ تاسکتی ہونے چھپاتی ہے۔ کہ  
دینے کی خواہش رکھتی ہو دل کی مسند پر براہِ راست شخص کی  
انامی سے زلزل ہو اس سے خودی ہو، خودی ہو خودی ہو اور خودی ہو  
ہو اس کی خوشبو سے اس کو پوچھنا لینے والی جس کی صبح اس  
نام سے ہونی ہو اور شام کے بعد بھی وہ اس کی یاد میں کوئی  
رہے۔ چاہے وہ بے خبر ہو جو دھڑکنوں کا ساسی ہے اس  
سے بات کرنے کی ہمتی ہو لیکن جب وہ بات کرے تو  
الفاظ کھوے رنگیں اظہار کی ہمت نہ ہو اس میں لیکن دل کا  
رانا تان بھی چاہتی ہو۔ روم اس کی موجودگی کو محسوس کرنے  
والی اس سے وابستہ لوگوں تک سے پیار کرنے والی انعاموں  
میں سب سے پہلے اس کا نام لینے والی۔ ہاں، بہنو! ایسی  
لڑکی بھی ہوتی ہے۔ مجھے بس اتنا پوچھنا ہے کہ کیا اس لڑکی  
کو اس کی محبت مل جانے کی جب کہ اس کی محبت میں کوئی  
کوٹ لاج نہیں ہو۔ ایک درخواست کروں گی کہ ایسی  
لڑکی کی بھی کہانی لکھیں میں چاہتا چاہتی ہوں کہ ایسی لڑکی  
محبت کا سباب ہوتی ہے یا نہیں آپ لکھیں گی

نا.....! واسطہ

عقیدہ احمد۔ مندی بہاؤ الدین  
آنجل فریڈز کے نام  
آنجل فریڈز کو زائدہ ملک کا بڑا خلوص سلام! جی  
جناب کیسے ہیں آپ سب؟ باری ذول ارشاد یہ (عرف  
چیل) بری چوہدری جاہاں امینؒ کو "ناخوشخبری"  
مضم "ناخوشخبری" ہمیشہ خوش رہو تمام آنجل فریڈز جن  
کے نام کے ہم اور جن کے نہیں کہنے سے گزارش ہے کہ  
میرے ایگزما کی کامیابی کے لیے دعا کریں (کریں  
بھی؟)۔ کردی شکریہ! میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ  
ایگزما کی وجہ سے آج کل میں آج سے تھوڑا دور ہوں  
لیکن میں تمام کے تمام سے رکنے آنجل باقاعدگی  
سے منکوار کر رہی ہوں! ایگزما کے بعد اب تمام سے  
تلی سے چڑھوں گی۔ آنجل اسٹاف، ڈیڑھ دو سائز مجھے  
بھول نہ جاننا۔ پری چوہدری رقیول سمیت (۱۱۱۱۱۱) شاہ  
جی نالی منفق والی جاں جو (شکریہ) کہنے لگی ہے ثناء

پاکستان ٹیم کی دشمنی میری اور اربابہ کی مشترکہ دشمنی (جی ہاں!) سچ کہہ رہی ہوں! صغیر ماز مناسب ٹینس رکھنے والی، جھیل سارہ کی بیخود سی اور کیوٹ اسن محبوب؛ ویش ایوب کا بہت شکریہ کہ ان سب نے مجھے میرے ختم دان یعنی 28 فروری کو یاد رکھا اور ہائی ٹرام او اؤں نے حصول کا بھی شکریہ (ظفریہ کہہ رہی ہوں! کم کھو؟) اہیمہ بہت ناراض تھی جب میں نے اسے ویش ٹینس کیا لیکن پرنسز میں تم سے ناراض نہیں ہوں! آخر میں سب کا کلام۔

زادہ ملک ..... سپاہی پور

فرینڈز کے نام

سب کو سب سے پہلے سلام! ایسی ہو سب؟ میمنوہ  
بیڈ ماریئم دونوں کے پیچھے دونوں کی محنت کا پتا دیتے  
ہیں۔ ماریئم آتم کل اپنا ذمیل خیال رکھا کر سدرہ تم  
بادیہ کو میرا پیار و غزالہ میں ایک بار جس سے دوستی  
کروں پھر اسے نہیں جانتی دوستی اور تم سب کے ساتھ قریب  
نے کا کج لائف کے بہترین دن گزارے ہیں۔ سنو سدرہ!  
نہیں! اتم سمیت سب مجھے یاد ہیں۔ سنو! تم کیا کر رہی  
ہو؟ جنرل؟ ممتاز باہمی آپ چل رہی ہیں اب بھی تو  
میں آپ چلنے کے ذریعے 6 سال بعد آپ سے مخاطب ہونا  
چاہ رہی ہوں۔ اگر میں یاد نہ آؤں تو ذرا صبر میں اس ساجدہ  
کا غیر ملکی لانچنگ گھٹ میں فائدہ آ جاؤ گی اور ما جو خان  
آپ کو شاید یہ بات بہت مبارک ہو فوراً صحیح کارنامات  
فرح طاہر قریشی! ان شاء اللہ اتم اللش آپ سب کو سلامت  
سلام دعا۔ فرح تم سے بات کرتے ہیں ابھی اچھا کہ تم  
خود ہی بہت تاحشی ہو..... اب بات کرنا اللہ حافظ۔

امتحان..... ہر یوزر نذر

انہی پہلی اور فوریہ سلطان جو جی کے نام  
اسلام عالم کیا حال سے فوریہ بیٹھے آپ کی دوستی  
جی جان سے قبول ہے (شکر ہے کسی نے تو دوستی کے  
قابل سمجھا) مجھے بہت اچھا لگے۔ فوریہ آپ اپنا تعارف  
مجھے بھیجیں ناچال میں ٹھیکہ آئی (لکھو منڈی) اور  
ہادیہ فوراً لو کر بھیجا آپ تینوں کو سالگرہ بہت بہت مبارک

ہو اور (ہاں) کہہ کھانا مت بھولے گا اور اب کمر بٹھا  
آپ کی شادی جون میں ہے اور سالگرہ بھی جون میں تو وہ  
خوشحال ایک ساتھ میں بہت انجوائے کروں گی آپ کی  
شادی پر۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ آپ کی شادی اچھے  
طریقے سے ہو جائے اور آپ ہمیشہ خوش رہیں اور آخر میں  
عید آتی مصباح کی کینہ دینا تو بڑا ہی نور اور عرق فاروق بھیا  
آپ کے لیے بہت ہی دعا میں اور پیار۔  
طیبت نذر..... شادی پوئل گجرات

پیارے عابد سونیکو کے نام  
 پیلو کسے ہو؟ اوہو پریشان مت ہو جی! میں ہی ہوں  
 آپ کی اپنی دہی پلو لچھو..... یاد آ رہی ہے مکان دانت  
 مت نکالو دوش کرنے کے لیے ہی آج کل میں انٹری ماری  
 ہے Sweeto 25 سالوں کو آپ کی برتھ ڈے ہے، تو پھر سوچا  
 کیوں نا اپنے دوست آج کل کے رے ڈے کر دیں اور یقیناً آپ  
 کو میرا سر ہزار اچھا لگے گا میری دعا ہے آپ ہزاروں سال جیو  
 خوشیوں اور محبتوں کے درمیان کر رہے مجھے تو پھر خیر نہیں  
 آپ کی سمجھا آپ کی باتیں ہوں آپ کی باتیں سمجھ رہا نا مت  
 سب سے میں کہ کر میں ہوں آپ کی باتیں ہوں آپ کی باتیں  
 بہت سا خیال رکھا کریں تو کیا کہیں آپ کو وہی بات یاد آ رہی  
 ہو گی گڑھی طرح ہنسنے سرائے رہا کریں آپ کی باتیں ناں  
 سونیکو دعاؤں میں یاد رکھیں گے چلتی ہوں اے کوئی تو روکے گا  
 آپ کی اپنی جلی اہل و طلبہ مکان بُد رکھا کہ  
 مکان عابد..... کا خان

نازیہ کو نازی میمر اشرافیلو کرنا وفا عطر وہ  
سکندر کے نام  
اسلام علیکم! جی تو آپ لوگ حیران ہو گئے ہیں کیون  
نازل ہو گیا ہے۔ جی! ہم اپنا تعارف خود ہی کر دیتے  
ہیں ہمارا نام شاید ہے ہم کراچی میں رہتے ہیں۔ تعلیم  
ہماری جی آپ کو کیا تاہم تعلیم تو آتی نہیں ہے صرف  
پانچ کا تیس پڑھی ہیں آج کل تو بڑی ہی لیتے ہیں۔ مجھے  
نازی آپ کا دادل "پتھروں کی ٹیکوں پر" لگا چکا ہے۔





میں نے باگی ہے تیرے لیے یہ دعا کر.....  
تجھے بھی زندگی دکھ لے  
تجھے زندگی کا ہر سکہ لے  
تیرا دل نہ ہو کسی خفا  
تو سکرانی رہے سدا

میں نے باگی ہے تیرے لیے یہ دعا  
رجھتے چہرے پر دم کرے اور دکھائے تجھ کو کبھی راہ  
تیرے ہر شے میں بھی سکون ہو  
اور مل جائے ہر محلا  
وہ رحمان ہے میرا خدا  
کرے گا قبول میری دعا!  
آمین!!

نمبر شیخ..... گزرا والد  
ظاہر ہے ایم کا فہم اور ذریعہ فقیر کے نام  
اسلام علیکم! ذریعہ ہر کسی ہو اور آج کل کل کارگری  
ہو؟ اور تمہاری B.Ed کی پڑھائی بھی جاری ہے۔ لگتا  
ہے کہ تم تو مجھے بھی گئی ہو جو کوئی رابطہ ہی نہیں ہے اور  
تمہاری سسٹر عاشقہ کو کدھ ہے بھی کافی عرصے سے مجھ  
سے نہیں ملتی ہے۔ کہاں مصروف ہو؟ دو دنوں اور ذریعہ تم  
کہاں غائب ہوگئی ہو۔ شادی کا ارادہ تو نہیں ہے جو  
کیس میں آئی ہی نہیں ہو؟ اگر تم تینوں میرا یہ پیغام پڑھ  
ری ہو تو جلد از جلد مجھ سے رابطہ کرو۔ کیونکہ میں تمہارے  
بغیر بہت اداس ہوں اور ساری ہی ایذا کاں کو میری طرف  
سے سلام اور دعا میں کہتا اور اپنا خیال رکھتا ہوں مجھے بھی  
دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

عابدہ نسیم..... چچی وطنی  
انجی فرینڈز کے نام  
اسلام علیکم! ذریعہ فرینڈز! کہی ہیں؟ امید ہے کہ  
نمبر سے سے ہوں گی سعیدہ بشیر (چک 7) اقراء  
(ملتان) اور آمنہ سورہ (لاہور) اللہ کرے آپ سدا یونی  
ہنسی سکرانی رہیں اور اب آج کل کی فرینڈز ظاہرہ ملک یا  
حال ہے؟ اگر یہ شاہ ظل ہمارا ابدی اکرم نبیل خان مولانا اور

کرن شاہ عطر وہ تجاب مسرا مشتاق اور باقی سب  
فرینڈز کو دعا میں اور سلام اور آج خرمی اپنی عزیز از جان  
بہن انجی ماہ نور سدا ہنسی سکرانی رہو اگر تم نہ ہو تو مجھے  
آج کل کون لا کر دے گا؟ اسلام!

الفت زہرا ج..... تعلیمہ  
کلاس میٹ ذریعہ اب خان کے نام  
آج ہمارا میں پھول کھتے دیکھے  
تو قدر ہر کہ سے گئے  
کسی نے ایک بار کہا تھا  
دوست پھول جیسے ہوتے ہیں  
اور مجھے تم یاد آ گئے

کا مران خان..... کو بات  
موسم کے بدلنے رنگوں کے نام  
اسلام علیکم! فرینڈز! کہی ہیں؟ اللہ آپ سب کو ہمیشہ  
میری طرح ہنسا سکرنا اور خوش باش رکھے اور سب کو  
اپنے حفظ و امان میں رکھے! آمین۔ سب سے پہلے تو  
غزل ملک تمہاری خیرین ہے ایسی بھی کیا یاد داری تھی جو  
یوں چپ چاپ غائب ہو گئیں۔ یہ سچ بھڑو تو پلیر رابطہ  
کر۔ سعیدہ بی بی تو میں تمہاری سا ملکہ ہے بہت بہت  
مبارک ہو اور اللہ تمہیں ہمیشہ اپنے میاں کے ساتھ ہنسا  
سکرنا تار سکے۔ اب بار بار ہے بہت افسوس فرینڈز اور سب  
سے عزیز دوستی کی تو فہمی میں میرے بہت دوستوں سے  
جہاں آصف کی سا ملکہ بھی آج کی آپ کو کوئٹہ اور  
جہاں دہلوں کی ذہیرا مل مبارک باد۔ آپ کی بہن کی  
دعا میں آپ کے ساتھ ہیں (آپ بس آئسکیم یاد  
رکھیں میری) سعیدہ کہاں غائب ہو یا ارادہ آئی آپ کو  
تجھی پر یوں کی آمد و ذہیرا مل مبارک با واللہ انہیں نیک  
اور صاف بنائے! آمین۔ عاشقہ ملک میں ہر کر بھی مفرود اور  
رہو دماغ نہیں ہوں۔ یار میں ناہم نہیں ملتا اور تو تمہاری  
سا ملکہ بھی میں میں بھی بہت مبارک ہو۔ جگنو پلیر پلیر! اور  
روایت کرو اور تو خود ہی بڑی ہو جاؤ۔ کبھی دوست کو سلام ان  
کے لیے بھی دعا جنہیں شکوہ ہے کہ میں اپنے پیغام میں

ان کا نام نہیں لکھی۔ ان دونوں سے میرا ایک ہی سوال  
ہے کہ کیا تم لوگوں نے مجھ اس قابل رہے دیے کہ اس  
دوستی کا بحیرہ اور نام قائم رکھتی جب کہ رابطہ ختم کرنے والی  
بھی تم لوگ ہی نہیں۔ بہر حال جہاں رہو خوش رہو۔  
میرے دل سے تو دعا ہی نکلتی ہے کبھی دوستوں کے لیے  
دعا اللہ حافظ دعاؤں کی طالب۔

غل ہا..... فیصل آباد  
پیاری بہنوں اور دوستوں کے نام  
اسلام علیکم! پیاری تانیہ! کہی ہو؟ سوری میں تمہارا  
پوچھتا ہوں کہ تمہیں آسکی۔ تمہیں آج کل کے ذریعے  
پوچھ رہی ہوں اور میری دعا ہے تم جگنو پلیر ہو جاؤ۔  
سویت شہزادہ قسم کیا کرو۔ میری ایک بہت بخت پر اثر  
پڑے گا اور تمہاری سب دوستوں کو میرا سلام غائب ہونا  
باہر نشا کرنا میری دعا ہے کہ تم سب اپنے لیے سکرانی  
جہو اور محبت سے رہو اور شہلا آپ بھی میرا سلام قبول  
کیجئے گا اور میری پیاری دوست بختا رہی ہو؟ تم کبھی رہی  
تھیں نہ کہ میرا نام بھی رسالہ میں بھیجتا۔ لو کی آ کیا تم  
سب خوش ہو آ فرینڈز! کلوم۔ اپنا بہت سارا خیال رکھنا  
اور میرے لیے دعا کرنا آپ کی دوست آپ کی بہن!  
رافیلو بوج..... کھنکھنی سندھ

نا راض دوستوں کے نام  
میری پیاری دوستو! آج کل کی محفل میں تم کو لوگوں  
کے گلہ شکوے دور کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔  
سب سے پہلے میری پیاری دوست گزرا رسل رسل  
سوری! میں تمہاری شادی نہیں آ پائی۔ ذریعہ فرینڈز پلیر  
راضی ہو جاؤ۔ فرہدوں اور نرم آپ دوڑوں کو شادی مبارک  
اور ذہیرا ساری ویل شہزادہ نیزہ دو اہتیاں میری بیٹ  
فرینڈ پلیر تم مجھ سے کبھی بھی ناراض نہ ہونا تمہارے  
جسکی دوست میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ پوری  
دنیا میں بھی نہ ہوگی۔ غل جہاں آ حقہ قرۃ العین نمبرہ سعیدہ  
فرسازہ معطلہ ظاہرہ سلیم۔ کھنکھنی میرا یقین آئی لو یو!۔  
میں اپنے پیارے رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں پلیر

عبدلہ طارق..... مقام نہیں لکھا



# ہمسفر چوہدری

شمالیہ کاشف

میدیکل نوین مدوح..... برتالی  
س: آف! اتنی گرمی ہے پگھلا تو چلاں؟  
ج: میم بتائیں پگھلا جائیگی۔  
س: سروای جلدی اور گرمیاں لیٹ کیوں لگتی ہیں؟  
ج: تکلیف کے دن لیے ہوتے ہیں۔  
س: کسی روٹی کے کرنا باہر میٹھوں میں کیا لگا ہے؟  
ج: زبردست!  
س: چھم اور مٹی کا کپڑا شہ ہے دونوں گرمی میں آتے ہیں؟  
ج: ان دونوں بھائی کو سردی بہت لگتی ہے تاں لے۔  
س: عشق حاصل ہے کہ لا حاصل ہے؟  
ج: کرنے والے پر منحصر ہے۔  
س: آئی! مجھے پرکھیں واپس لا دیں ناں؟  
ج: کیا ہم بڑی ہو گئیں؟  
س: دل کی اور دل کی کی کیا ہے؟  
ج: دونوں کا انجام ایک ہی ہے یعنی موت۔  
س: رنگ کا نکات کا گوش رنگ کیوں سا ہے؟  
ج: ظاہر ہے وجوہ نہ کا۔  
س: خواہشوں کے دریاے کیسے لنگھوں؟  
ج: اللہ تعالیٰ سے لولا کر۔  
رانی اسلام..... گوجرانوالہ  
س: شمالیہ ایسے خوشیاں آئی جلدی واپس کیوں لوٹ جاتی ہیں جس طرح کہ بہار؟  
ج: جی خوش تو ہمیشہ رہتی ہے۔  
س: شمالیہ ایسے سینکڑاں کہ پہر ہونے والے

ہیں دعا کیجئے گا ٹھیک ہو جائیں؟  
ج: اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرنے ہماری دعا کیں تمہارے ساتھ ہیں تمہیں بھی کرنا۔  
س: شمالیہ! اب میں اجازت دیں اور کسی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟  
ج: اللہ تعالیٰ تمہاری ہر نیک اور جائز خواہش پوری کرے آمین۔  
فوزیہ سلطانہ جونی..... تو نہ شریف  
س: ہمارے بونگے سوالات..... آف آپ کا تو دعا گھم جاتا ہو گا ناں؟  
ج: ہمارے..... ایسی بات کیوں کی؟  
س: آئی! آپ کے دماغ میں کوئی کمپیوٹر فرٹ ہے کیا؟  
ج: اللہ نے ہر انسان کے دماغ میں کمپیوٹر سے زیادہ طاقت رکھی ہے۔  
س: آئی! اگر آپ سے کوئی ناراض ہو جائے تو آپ اسے فوراً مٹائیں ہیں کیا؟  
ج: جی! اور سنا لیا بھی کیا ہے۔  
س: آئی! آپ کی ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟ تاکہ ہم آپ کو برتھ سے پرش تو کر سکیں؟  
ج: خوشیاں سے ڈیٹ آف برتھ نہیں چھوٹے دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں صرف ایک مخصوص دن میں نہیں۔  
طیہ نذیر..... ہجرات  
س: عورت کا کون سا روپ سب سے خطرناک ہوتا ہے؟  
ج: انتقام کا۔  
س: آئی! می! ایسے جینی سے کیسے چھٹکارا پایا جائے؟  
ج: اللہ کو یاد کر کے۔  
س: آئی! جی! آپ کے دل کی کوئی ایسی بات جو آپ نے کسی سے نہ کہی ہو تو جلدی سے مجھے بتا دیں مجھے خوشی ہوگی؟  
ج: ذرا کان قریب کریں۔

س: آئی! جی ہمیشہ اپنے ہی دکھ کیوں دیتے ہیں کیا انہیں ذرا سا پی کی خوف خدا نہیں ہے؟  
ج: غم دے مستقل لکنا ناک ہے دل ہے نہ جانا ہائے ہائے یہ ظالم زمانہ.....  
طائرہ بیگم! آقاؤم!..... جہانیاں  
س: آئی! آپ کی نگری میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں جگہ ملے گی یا واپس؟  
ج: پورا ملتا حاضر ہے۔ ہر آنکھوں پر۔  
س: وہ کہہ دو مجاں سے عزیز اور پیارا ہے بوجھو تو کون؟  
ج: آج کل  
س: جب آپ اواس ہوتی ہیں تو کیا کرتی ہیں؟  
ج: آج کل کی شرارتی کہانیاں پڑھتی ہوں۔  
س: آخر میں اپنی کیوٹی س، بہن! اقرار اور ظاہر دے لے اچھی سی دعا دیں؟  
ج: اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں دے جائے۔  
عروسہ شہوار..... کالا گوجرانوالہ  
س: جب تک میری سوچوں میں سیاست نہیں آتی، میں عشق کے دو چار ترن اور نہ لکھوں! کیا خیال ہے پایا جالی؟  
ج: جان کہہ کر وہ جی رہاں لے جاتا ہے  
عشق میں ایسا سیاست کا چلن ٹھیک نہیں  
س: موسم بہت سہانا ہو رہا ہے خفزی رہاں نہیں چل رہی ہیں جی چاہتا ہے لالک ڈرائیو پر جانے کو آؤنگیم کھانے کو اور ساتھ ہو بھلا کس کا؟  
ج: آج کل  
س: آکھ لگی تو خواب دیکھا ہم بھی خوشی وہ بھی خوش کیا تھا وہ خواب؟  
ج: لوڈ شیڈنگ ختم ہو گئی۔  
س: وہاں لوہ پو آتی ہے جب خیال آتا ہے اس کا کون ہے وہ؟ بوجھو تو جانیں، ہم تم کو ناں؟  
ج: بھلی اور پانی۔  
مہک سید..... شاہ نڈر

س: آئی! اگر آپ کا کوئی دوست ناراض ہو جائے تو کیا کریں گی؟  
ج: سمجھائے نہ کھلاؤں گی۔  
س: آئی! آج کل کے ملکی حالات کے بارے میں کیا کہیں گی؟  
ج: بس بس میرے امیر نہ بھلوں۔  
س: اوکے آئی! اپنا خیال رکھیے گا اور اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں۔  
ج: تم مجھے اپنا خیال رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے تمہارے سفر کی لائٹ نہ بجائے۔  
اکٹھم رانے..... اختر آباد کالہ  
س: بیٹی! ماما ہیں کیا کہیں گی؟ خوش آمدید کھلاوے؟  
ج: جی آناؤں!  
س: آپ ایک ریڈر کے دکھ کو کیسے سمجھ سکتی ہیں؟  
ج: دل کو دل سے ادھاتی ہے۔  
س: جب بہت سی خوشیوں کرنے اور فنی آزمانش سے گزرنے کا باوجود ہمارا بھیجا ہوا مواد شائع نہ ہو کیا کرتا چاہیے؟  
ج: خوب سے خوب تر کی تجویز!  
س: اپنے آپ کو کتنی فطوں میں بیان کریں؟  
ج: سویت شمالیہ! آئی!  
س: آپ مجھے نہیں جانتیں! جگہ دیں گی تو جاننے کا اچھا لکھتی ہو۔  
ج: عمیدہ منٹل..... ایبٹ آباد  
س: اسلام علیکم آئی! انکی ہیں آپ؟  
ج: ولیم اسلام! انوش رہو نہ ٹھیک ہیں۔  
س: کانی عمر سے بعد ہم آپ کی محفل میں آئے ہیں آپ نے پہچان کر کہیں؟  
ج: محبت کرنے والے اپنی پہچان آپ ہوتے ہیں۔  
س: آئی! ہمارے دوست ہمیں بے وفا کیوں کہتے ہیں جب کہ ہم ایسے نہیں ہیں؟



ج: تو لیکو یہ ہوا کیا.....

آئم خان..... چری پور ہزارہ

س: اسلام علیکم السلام! آئی! انا حال بتانے کے ساتھ بتائے گا کہ ماہ سے زیادہ غائب ہونے پر آپ نے مجھے یاد کیوں نہیں کیا؟

ج: یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں انسان بھول جاتا ہے۔

س: دل کے دروازے محبت کی دستک سے کھل جاتے ہیں لیکن دماغ کے دروازے کسی ناپ کی دستک سے کھلتے ہیں؟

ج: نیک کہہ رہے ہیں۔  
س: آئی بتائیے تو دراصل کی خواہشات کے سامنے فل اسناپ کس رنگ سے لگایا جائے کہ صاف نظر آئے تاکہ خواہشات کے قدم روک لیے جائیں؟

ج: دل کی خواہشات کے سامنے فل اسناپ لگنا کہاں ہے؟ ہزاروں خواہشیں ایسی ہیں۔

س: اگر آپ سے کہا جائے آئی کی ایک دن کے لیے ملک کی سمدرات کریں ساتھ ہی آپ کو جادو کی چھری دی جائے 24 گھنٹوں میں آپ کی تہذیبیاں لٹکس گی؟  
ج: جب سب سے بڑے جادوگر 65 سالوں میں کوئی تبدیلی نہ لاسکے تو بے چاری جادو کی چھری کی کا کیا بگاڑے گی۔

س: سہو ریال..... خیاں وال

س: اسلام علیکم السلام! آئی! آئی؟

ج: آپ کی دعا ہے۔

س: آپ کی عقل میں پہلی بار آئی ہوں؟

ج: خوش آمدید آئی! آئیوں۔

س: آئی! اپنے کیوں دور ہو جاتے ہیں؟

ج: ان کی مرضی!

س: دنیا میں لوگ محبت کو کافی کیوں سمجھتے ہیں؟

ج: حالانکہ وہ جا کھیت ہوئی ہے۔

ج: قسم باز..... گورنوالہ

س: ہمارے شہر میں تو بہت گری ہے آپ اپنے شہر کا حال بتائیے؟

ج: یہاں برف پاری ہو رہی ہے۔

س: آج کل کی سالگرہ کسی گزری؟

ج: ہمارے بغیر اس!

س: سنا ہے آپ "ہم سے پوچھیے" میں کچھ تبدیلیاں لاریں ہیں؟

ج: فی الحال تو نہیں۔

س: اگر ہم کسی انسان کو کچھ رازیں اور وہ اس بات کو راز رکھے تو اس سے کیا سلوک کیا جائے؟

ج: جو سلوک وہ آپ کے راز کے ساتھ کرے۔

فانزہ چوہدری..... بارن جھنگ

س: محبت کے اصولوں میں سے صرف ایک اصول بتائیے جو بڑے بھاری بھی ہو۔

ج: شدت سے اور سچی ہو۔

س: وہ دن رات کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں اب میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ خواب.....؟

ج: آئی پور نہیں ہوتے۔

س: ایسا ہی جلدی سے تائیں کہ لوگ مطلب نکل جانے کے بعد انھیں کیوں سمجھ رہے ہیں؟

ج: قسم ظریف جو تو ہے۔

س: اگر عورت رنگ خوشبو حیات اور مصیبت کا نام

ہو تو مرد؟

ج: سہو ریال سوال ہے۔

س: اگر کوئی پوچھے کہ تم نماز میں کیا دعا مانگتی ہو تو کیا بتاؤ؟

ج: دعا مانگنے کی نہیں ہوتی یہ رب کا اور بندے کا معاملہ ہے۔

س: دل بہت اداں ہے کیا کروں؟

ج: نماز پڑھ کر اللہ سے باتیں کرو۔



# گاہک باتیں

ہمارے

سائنس اور اسلام

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 07 میں آتا ہے

وَمَا يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ لِرَبِّهِمْ

عَنْ فَتَاہِ

اور جو تمہیں اللہ کے رسول دیں (احکامات دین)

اسے لے لو (کھل کر) اور جس چیز سے منع کریں اس

سے رک جاؤ۔

باقی بیٹے کے آداب

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پانی یا کچھ اور)

دائیں ہاتھ سے بسم اللہ پڑھ کر سین سانس میں پیٹے

تھے اور آخر میں الحمد للہ کہتے تھے (مفہوم حدیث

بخاری مسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منع فرمایا کہ کوئی آدی کھڑے

ہو کر پانی پیے (مسلم)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی تم میں سے

کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پیے جو بھول جائے تو نہ

کر ڈالے (مسلم)

☆ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا پھونک

مانے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی ٹھنگ (موجودہ دور میں

ٹھنگ، کھڑا بھینس، کین بھینس) یا بڑی ٹھنگ کے ساتھ منہ

لگا کر پینے سے منع فرمایا۔ (بخاری مسلم)

مندرجہ بالا احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے پانی پینے

کی درج ذیل سنتیں ہیں۔

1۔ بسم اللہ پڑھ کر پینا

2۔ دائیں ہاتھ سے پینا

3۔ دیکھ کر پینا

4۔ سین یا دوساںوں میں چونا

5۔ پینے کے برتن میں سانس نہ لینا اور پھونک

نہ مارنا۔

6۔ پیٹھ پر پینا

7۔ پینے کے بعد اگر اللہ شکرنا

سائنس کیا کہتی ہے

جدید تحقیق کے مطابق کھڑے ہو کر پانی پینے سے

جگر اور معدے کی بعض ایسی بیماریاں لگ جاتی ہیں جو

اعلان ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ پاؤں پر بھی ہوسکتا

ہے ایک مرض جسے استسقاء (OEDEMA) کہتے

ہیں یہ بھی کھڑے ہو کر پانی پینے سے ہوتا ہے۔

استسقاء (OEDEMA) اس مرض کا نام ہے

جس میں انسان کے جسم میں ضرورت سے زیادہ پانی

اکٹھا ہو جاتا ہے اور جسم بھول جاتا ہے اس خطرناک

مرض سے بچنے کے لیے بدن کو صحت مند بنانے کے لیے ان کے خالق

(پیدا کرنے والا) نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعے لکھا ہوا۔

☆ اگر تمہیں کھڑے ہو کر پانی پینے کے نقصان کا پتا

چل جائے تو مدہ پانی سے تم سے کھڑے ہو کر پینا بے اپنی

انگلی خالق میں ڈال کر پیتے کرو۔

☆ پھر اگر ہم پانی پینے سے پہلے یا کوئی شروب

پینے سے پہلے ایک قطرہ دیکھیں تو اس میں یہ عکس ہے

کہ ہوسکتا ہے کہ پانی میں کوئی مسموم چیز ہو جو پانی

کے ذریعے اندر جسم میں جا کر کسی نقصان کا سبب بنے۔

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو ایک سانس

پینے سے منع فرمایا کیونکہ بغیر سانس لیے پینے سے

سیری (پیت نہیں بھرتا) نہیں ہوتی اور بعض اوقات غٹ

غٹ شروب چڑھانے کے سبب پھنسا دیا یا پھولک جاتا

ہے جو اوقات موت کا سبب بن سکتا ہے۔

سکتا ذرا سوچئے؟

ہمارا ایوب شیخ..... عارف والہ

مہینہ نوٹکنے

☆ ایک عہدیدہ کیوں کے رس میں گلاب کا عرق اور کھیرے کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں اس سے جلد کی تردنازی لوث آتی ہے۔

☆ آدھا چچہ پانی میں سیب کے چند بیج ہیں کر رات سوئے وقت چہرے پر لگائیں۔ چہرے کے رویں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک چمچ میدہ میں ٹھوڑی سی پسلی ہوئی چھلکری اور عرق گلاب ملا کر لپ بنائیں ایک ماہ تک مسلسل استعمال سے چہرے کے رویں گم ہو جائیں گے۔

☆ آنکھوں کے گرد لکیریں اور حلقے دور کرنے کے لیے ٹھوڑی سی ویتلین میں دو قطرے عرق گلاب اور دو قطرے کیوں کا رس ملا کر لگائیں اور ہلکے ہاتھ سے مساج کریں۔

☆ گردن کی سایہ کم کرنے کے لیے آدھی پیالی سرکہ میں ایک چمچ بھین کا تیل ملا کر لگائیں۔

☆ سفید اور سیاہ پٹلیں نکالنے کے لیے ملانی مٹی میں ایک چمچ بھین، گلاب کا عرق اور خشک دودھ ملا کر چہرے پر مال لگائیں جب سوکھنے لگے تو پانی سے تر کریں۔ آدھے گھنٹے بعد ماسک اتار کر نکلیں دبا کر نکال لیں اور برف کی ٹوکریں پھر پھلکی لگادیں۔

طبیعیہ شیریں..... سوری خدا بخش



## تندرستی صحت

لیا بھ

دماغ کو بچانے دیکھئے کسے گھر سیکھتے ہیں تو انسانی جسم کا کوئی حصہ ہو تو قدرت کا اصول طویل ہوتا ہے مگر دماغ کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ دماغ کی بوجھ سے انسان خلا کو تیر کرنے کے ساتھ ساتھ فی یکینا لوجی تیار کرتا چلا جا رہا ہے۔

بچپن ہی سے ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کی ذہنی کارکردگی بڑھانے کے لیے مختلف طریقے آزمائیں انہیں ایسی غذا فراہم کریں جو ذہنی ودماغی استعداد بڑھانے میں مدد دے اور ایسی ذہنی مشقیں کروائیں جن میں بچہ اپنی ذہانت کا بھرپور مظاہرہ کرے۔ اسے دماغ کو استعمال کرے اور جتنی کا مظاہرہ کرے لیکن ہماری کچھ عادتیں ایسی ہوتی ہیں جو براہ راست دماغ کو تندرستی میں مشا۔

1۔ ہم ناشتے کو ابھرتے نہیں دیتے کوئی تھوڑا بہت کھارہ یا تو سلی ہوگئی۔ باہرین طبع کہتے ہیں کہ کتنا ناشتہ نہ کرنے سے جسم کا شوگر لیول کم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے دماغ کو ذہنی اجزا توانائی کی صورت میں نہیں ملتے اس طرح دماغ متاثر ہوتا ہے۔

2۔ ہم میں سے کچھ لوگ بے ٹکا اور بے حساب کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ صاحبان ذائقہ کے متوالے ہوتے ہیں اور کھاتے وقت مقدار کا تعین نہیں کرتے اگر وہ جانتے ہوں کہ زیادہ کھانے سے ان کا دماغ متاثر ہوگا اور دماغ کی آرڈر ریخت ہو جائی ہیں تو شاید وہ ایسا نہ کریں۔ آپ دماغی قوت بڑھاتے بڑھاتے کم کرنے لگتے ہیں لہذا کھانے

پینے میں اعتدال کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔  
3۔ تجرباً کوئی سے انسانی دماغ جسم میں چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے دماغ کے اس طرح سکل کرنے سے الزائمر جیسی بیماری لاحق ہو سکتی ہے۔ میٹھا کھانے کے شوقین بھی احتیاط سے کام لیں کیونکہ زیادہ شکر استعمال کرنے سے پریشانی اور دوسرے اہم غذائی اجزاء کی غذائیت کا تناسب کم ہونے لگتا ہے اس طرح دماغ کمزور ہوتا ہے اور نشوونما کا عمل ست رفتار ہو جاتا ہے۔

4۔ آلودگی کی قسم کی ہوسحت کے لیے مضر ہے کیونکہ انسانی جسم میں سب سے زیادہ آکسیجن صرف کرنے والا عضو دماغ ہے اور نفسانی آلودگی کی وجہ سے فضا میں سانس لینے سے دماغ کو ملنے والی آکسیجن کم ہو جاتی ہے جو ذہنی استعداد کو متاثر کرتی ہے۔

5۔ فیصل پوری کیا کریں کیونکہ ایسا نہ کرنے سے دماغ خراب نہیں رہتا پھر وہ کام کے وقت سو نہ لگتا ہے۔ آپ سوئیں کتنے وقت دماغ کو اگلے بار 14 گھنٹے کام کے لیے آرام ملے گا۔ جب طویل عرصہ تک نیند پوری کرنے کا عمل جاری نہ رکھا جائے تو دماغ کے سیکڑ مرہ ہو جاتے ہیں جو بری طرح دماغی کارکردگی کو متاثر کرتے ہیں۔

6۔ سوئے وقت سر کو لیٹا نہ کریں اس طرح آپ عینے بالے سی کی ہوا کا براہ راست نقصان تو نہیں پہنچتے مگر اس طرح دماغ کے آس پاس کاربن ڈائی آکسائیڈ کا مقدار بڑھ سکتی ہے۔ خواتین چوٹی کھول کر سویا کریں تو بالوں کی افزائش بہتر ہوتی ہے۔ یاد رکھیے کہ آکسیجن کے لیے یہ مشورہ دیا جا رہا ہے آپ کو سوئے وقت دماغ کی تیر کرنی ہے اس کی بردباری نہیں کرنی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ جدید سائنس لہجے سے کہ انسانی جب سانس اندر لے کر جاتا ہے تو آکسیجن انسانی بدن میں داخل ہوتی ہے اور جب سانس باہر نکالتا ہے تو کاربن ڈائی آکسائیڈ کا بدن سے اخراج ہوتا ہے تو جب ہم کسی میں سانس لیتے ہیں یا پھونک مارتے ہیں تو کاربن ڈائی آکسائیڈ جو کہ مضر صحت کیس ہے اور منہ کے زہریلے مادے سانس یا پھونک کے ہمراہ ہمارے شروب میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر جب اس پھونک شدہ شروب کا استعمال کیا جاتا ہے تو مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

قابل غور بات۔ ہم بازار سے ایک مشین لاتے ہیں جس کے فوائد تو بہت ہیں مگر ہم اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ اس مشین کو کس طرح استعمال میں لائیں کہ بہتر کام کرے اور اس میں کوئی خرابی نہ ہو اور وہ مشین دیر پا چلے تو ہم اس ہدایت نامے کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مشین کے ساتھ دیا گیا ہوتا ہے کہ ”آپ نے مشین کو کس طرح استعمال میں لانا ہے کس طرح اس کی حفاظت کرنی ہے“ اور پھر نہ صرف ہم غور سے ان ہدایات کو پڑھتے ہیں بلکہ ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی جتنی اہم قدر کرتے ہیں۔

تو ذرا سوچئے! انسان ایک مشین ہے اس کا خالق اللہ رب العزت کی ذات ہے اس نے اس انسانی مشین کو طویل کرنے کے لیے ہدایت نامہ ”قرآن“ دیا ہے اور یہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس قرآن کی عملی تفسیر بھی انسان کے سامنے رکھ دی کہ تو وہ جان لے کہ اس نے ان اصول و ضوابط کے تحت اپنی زندگی گزارنی ہے۔ اگر انسان ان اصول و ضوابط پر عمل کرے تب ہی وہ متوازن و خوش گوار زندگی گزار سکتا ہے ورنہ وہ لاکھ بہتر سے بہتر ان اصول اپنانے وہ کامیاب زندگی نہیں گزار



7- بیماری کے دوران ذہنی بوجھ والے کام نہ کیا کریں بیماری کے دوران مطالعہ بھی نہ کیا کریں اس طرح خلیوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

8- فضول گفتگو بھی دماغی صحت کو متاثر کرتی ہے چپخنے، جلا نے اور اشتعال انگیز رویے سے پرہیز کیا کیجیے کیونکہ اس طرح دماغی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ سوچ بچار ضرور کریں یہ آپ کے دماغ کو تیز محرک اور فعال رکھے گی لیکن بوریّت دور کرنے کے لیے فضول گفتگو کو نادماغ کو آزمائش میں ڈالنے کے برابر ہے۔ طیبہ پنڈیر..... شاد یوال گجرات

دنیا کے کامیاب ترین انسانوں سے پوچھا جائے کہ آپ کی کامیابی کا راز کیا ہے تو مسکرا کر کہیں گے کہ ماں!

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس قوم کے نوجوان صحت مند، چاق و چوبند ہوں کیونکہ آج کا بچہ کل کا مستقبل ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ ماں اور بچے کی صحت کے لیے ٹھوس اقدامات کرے ماں اور بچے کی صحت آگے چل کر ملک اور قوم کو ایک بہترین مستقبل کی طرف گامزن کرے گی۔

### ماں اور بچے کی صحت

کیا آپ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہر سال ترقی پزیر ممالک میں پانچ سال تک کی عمر کے ڈیرہ کروڑ بچے مرجاتے ہیں۔ جی ہاں! ایسا لگتا ہے کہ یہاں ماں باپ اپنے بچوں کو کچھ کم محبت کرتے ہیں یا یہاں متا کا جذبہ کم پایا جاتا ہے یا نہیں ہے۔ یہاں صرف ایک چیز کی کمی پائی جاتی ہے اور وہ ہے معلومات کی کمی۔ ماں بننے والی عورت اور اس کے گھر والوں کو اگر وہ تمام معلومات حاصل ہو جائیں جو ”ماں بننے“ کے عمل سے پہلے اور اس عمل کے دوران عورت کی صحت اور زندگی کے لیے ضروری ہیں تو اس سے بہت سی مشکلات سے بچا جاسکتا ہے چونکہ بچہ کی صحت کا دار و مدار ماں کی صحت پر ہوتا ہے اور بچے کی زندگی کے لیے ماں کی صحت ضروری ہے۔ ماں بننے کے مراحل میں کوئی بھی پیچیدگی بچے کی صحت کے لیے پیچیدگی کا سبب بن سکتی ہے لہذا ماؤں کو چاہیے کہ چند ضروری باتوں کو یاد رکھیں۔

ماں اور بچے کی صحت انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے ایک مقصد حیات دیا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انسان دن رات کوشاں رہتا ہے۔ انسان دنیا کی حسین و جمیل ہستی ماں کے ذریعے دنیا میں آتا ہے اور اپنے مقصد حیات کے لیے ماں اور باپ دونوں ہی مدد کرتے ہیں۔ ماں بچے کی صحت، تعلیم اور ہر چیز کا خیال رکھتی ہے۔ اس کی ہر ضرورت ماں کے ذریعے پوری ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔ جہاں سے وہ اچھائی اور برائی میں تمیز سیکھتا ہے۔ ماں اور بچے کی صحت سوسائٹی میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ معاشرے کی ترقی اور بہتری کے لیے ان کی صحت لازمی ہے کیونکہ اگر ماں صحت مند ہے تو اس کا بچہ بھی صحت مند ہوگا اور وہ اپنے بچے کو صاف ستھرا رکھے گی اور اس کی اچھی تربیت کرے گی جو بڑا ہو کر معاشرے کے لیے اہم ستون بنے گا۔ یہ سب کس کی وجہ سے ممکن ہوگا ماں کی وجہ سے ممکن ہوگا۔ اس لیے ماں اور بچے کی صحت ایک معاشرے میں کتنی اہمیت رکھتی ہے یہ بیان کرنا تو مشکل ہے بلکہ اسے سمجھنا بہت آسان ہے۔

(جاری ہے)

